۷۳۸ھ/ ۱۳۳۷ء تک البِرزالی کی تاریخ پر مبنی ہے۔ اس کتاب کے مخطوطات میں، جن کی تفصیل براکلمان (Brockelmann) نے ۲: ۴۹ پر دی ہے، حسبِ ذیل کا اضافہ کرسکتے ہیں: برلن، Ahlwardt: *Verz.*، شمارہ ۹۴۴۹ (Ahlwardt کے بیان کی غلطی کے مقابل دیکھیے کِرن (Kern)، در *Mitteil. des Seminars für oriental. Sprachen*، ج ۱۱، Westas. St.، ص ۲۶۷) اور ہوتسما (Houtsma): *Cat. d'une Coll.* etc، شمارہ ۵۰، ۵۱، طبع ثانی، ۱۸۸۹ء، شمارہ ۱۷۵: ۲ جلدیں، سن ۹۶-۲۴۱ھ و ۲۷۸-۴۶۵ھ (وی انّا میں نامکمّل)؛ [البدایة کی طبع اوّل، مصر ۱۹۳۲ء ببعد۔] اس نے قرآن کی ایک تفسیر لکھی اور احادیث بھی جمع کیں.

مآخذ: (۱) ابن حَجَر العسقلانی: الدُّرر الکامنة (مخطوطہ وی انّا، عدد ۱۱۷۲)، ۱: ۲۱۲؛ (۲) النعمانی: الروض العاطر (مخطوطہ برلن، عدد ۹۸۸۶)، ورق ۶۰ الف؛ (۳) الذہبی (السیوطی)، *Liber classium virorum,* etc.، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، ج ۲۲، عدد ۳؛ (۴) Weyers: *Orientalia*، ۲: ۴۳۳؛ (۵) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichtschreiber*، ص ۴۳۴.

(براکلمان C. BROCKELMANN)

----

* **ابن الکَلبی:** کوفے کے علما کا ایک خاندان [جس کا ہر فرد ابن الکلبی کہلاتا تھا] ان سب کا بزرگ ابوالنَّضر محمد (بن مَلِک، بقول ابن الکوفی: الفہرست) بن السائب بن بشر تھا۔ اس کے دادا بُشر اپنے بیٹوں السائب، عُبَیْد اور عبدالرحمٰن سمیت جنگ جمل میں [حضرت] علیؓ کی طرف سے لڑے تھے اور اس کے والد مُصْعَب بن الزبیرؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے جنگ میں کام آئے تھے۔ خود اس نے ۸۲ھ/ ۷۰۱ء میں عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث [رکّ باں] کے پیرو کی حیثیت سے جنگ دَیرُ الجماجم [رکّ باں] میں حصّہ لیا تھا۔ اس کے بعد وہ تاریخ اور لسانیات کے مطالعے میں منہمک ہوگیا۔ اس نے شاعر فَرَزْدَق [رکّ باں] کی کتاب نقائض خود فَرَزْدَق سے پڑھی تھی۔ کوفے میں اس نے تفسیر قرآن اَور تاریخ کی تعلیم دی۔ سلیمان بن علی کی دعوت پر اس کے گھر میں کچھ عرصے تک قرآن کی تفسیر بیان کی۔ اس کی تفسیر القرآن سے الثَّعْلَبی [رکّ باں] (م ۴۲۷ھ/ ۱۰۳۶ء؛ دیکھیے مخطوطۂ موزۂ بریطانیہ، *Cat. Codd. Mss. Or.*، ۲: شمارہ ۸۲۱) تک نے استفادہ کیا ہے۔ اس نے ۱۴۶ھ/ ۷۶۳ء میں وفات پائی.

اس کے بیٹے ابوالمُنذِر ہِشام نے زیادہ تر تاریخ میں اپنے باپ کا کام جاری رکھا۔ اس فن میں وہ اس کا استاد بھی تھا۔ ان دونوں عالموں پر ناقدانِ حدیث نے اکثر حملے کیے ہیں، حتّٰی کہ ان پر وضع وجعل کا الزام بھی لگایا ہے، دیکھیے کتاب الاغانی، ۹: ۱۹ و ۱۱: ۸۴ و ۱۸: ۱۶۱؛ Goldziher: *Muh. Studien*، ۱: ۱۸۰ [الذہبی نے ہشام کو ''متروک'' قرار دیا ہے اور امام احمدؒ بن حنبل سے نقل کرتے ہوئے اسے صرف ''صاحب سمر ونسب'' لکھا ہے۔ ابن عساکر نے اسے رافضی کہا ہے۔ امام دارقطنی کے نزدیک بھی وہ ''متروک'' ہے۔ ابن حجر العسقلانی نے اسے ''کذب ورفض'' سے مُتّہم کہا ہے۔ لسان المیزان میں یحیٰی بن معین کی یہ رائے درج ہے کہ محمد ''غیر ثقہ'' ہے؛] لیکن دوسری جانب ان کے پُرجوش حمایتیوں کی بھی کمی نہ تھی (مثلاً یاقوت: معجم، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، ۲: ۱۵۸)۔ جدید تحقیقات سے ان کے اکثر بیانات کی تصدیق ہوگئی ہے، جن پر وہ بعض اوقات باقاعدہ سائنٹفک طریقوں، مثلاً کتبات کے مطالعے کی مدد سے پہنچے تھے؛ حالانکہ ان کے ہم مذہب اس میں ان کی شدید مخالفت کر رہے تھے (دیکھیے نولدیکہ (Nöldeke): *Gesch. der Araber u. Perser*، ص xxvii)۔ محمد، جس نے کچھ دن بغداد میں بھی کام کیا تھا، اپنے شہر کوفے میں ۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء میں اور بعض دیگر مصنّفین کے نزدیک ۲۰۶ھ میں فوت ہوا.

[ہشام] کی ۱۴۰ تصنیفات میں سے، جن کے نام الفہرست، ص ۹۶-۹۸ میں درج ہیں [ابن خلّکان نے ان کی تعداد ڈیڑھ سو سے اوپر بتائی ہے]، حسبِ ذیل بچی ہیں: (۱) کتاب النسب الکبیر یا الجمہرة فی النسب (حاجی خلیفہ نے جمہرة الانساب لکھا ہے)۔ یہ عربوں کے انساب کے بارے میں ہے اور مخطوطات اسکوریال (Escorial) [دیکھیے غزیری] Casiri: *Bibl. Arabico-hispana*، شمارہ ۱۶۹۳) میں موجود ہے۔ اس کی دوسری جلد، جو برٹش میوزیم (دیکھیے .... *Cat. Codd. Mss. Or.*، ۲: شمارہ ۹۱۵) میں ہے، ایک جدید اور تقریباً ناکارہ نسخہ ہے اور وہ بھی غالبًا ایک حصّے کا۔ اس تصنیف کا ایک جز مخطوطے کی شکل میں شاید پیرس (دیسلان de Slane: *Bibl. Nat. Cat.*، شمارہ ۲۰۴۷) میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ابوسعید علی بن موسٰی السُّکَّری (م ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۳ء) نے خلاصے کی صورت میں مرتّب کیا تھا، جو زیادہ تر تو محمد بن حَبِیْب کے مصحح نسخے پر مبنی ہے، لیکن ابن الاعرابی کا تصحیح کردہ نسخہ بھی کام میں لایا گیا ہے اور دیگر مستقل مآخذ سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس کی پہلی جلد برٹش میوزیم میں محفوظ ہے (دیکھیے *.Cat*، شمارہ ۱۲۰۲ء، نیز ص ۷۸۳ ب)۔ یاقوت کا اقتباس کتب خانۂ خدیویہ، قاہرہ میں ہے، دیکھیے فہرست، ۵: ۱۵۶؛ Vollers: *Zeitschr. d. Deutsch. Morg. Gesellsch.*، ۴۳: ۱۱۶)؛ (۲) کتاب نَسَب فُحُول الخَیْل فی الجاہلیّة والاسلام، (قبّ Hammer: *Danks. der Wiener Akad. phil. hist. Kl.*، vi، ۲۱۴ شمارہ ۵۰) گوتھا میں (دیکھیے Pertsch: *Die arab. Hdss.*، شمارہ ۲۰۷۸) اور اسکوریال (Escorial) میں (دیکھیے غزیری (Casiri)، شمارہ ۱۷۰: ۲)۔ [کتاب الخیل ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی، طبع Levi della Vida۔ احمد زکی پاشا نے بھی اس کی طباعت کی تکمیل کا اعلان کیا تھا لیکن وہ نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہوتا]؛ (۳) کتاب الاصنام یا زیادہ صحیح لفظوں میں کتاب تنکیس الاصنام، جسے احمد زکی پاشا نے [ابن الکلبی: *Le Livre des Idoles* (کتاب الاصنام)، قاہرہ ۱۹۱۴ء] [بولاق سے] طبع کیا تھا [لیکن یہ طباعت کہیں نظر نہیں آتی، پھر مطبع

دارالکتب المصریہ، مصر سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد لائپزگ سے ۱۹۴۱ء میں۔ اس کا ترجمہ فارس (N. A. Faris) نے پرنسٹن سے ۱۹۲۸ء میں شائع کیا]۔ اس کا ایک بظاہر پورا مفصّل خلاصہ، جس سے اس کتاب کی ترتیب اور وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے، عبدالقادر البغدادی کی تصنیف خزانۃ الادب، ۳: ۲۳۲ - ۲۴۶، میں موجود ہے۔ اس کے متعدّد اقتباسات، جو یاقوت کی تصنیفات میں ملتے ہیں انھیں Wellhausen: *Reste arab. Hidentums*، طبع ثانی، ص ۱۰ - ۶۴ (قب نیز ص ۲۴۳) میں مع ترجمہ و حواشی جمع کر دیا گیا ہے؛ (۴) کتاب الکُلاب (الفہرست، ص ۹۷، سطر ۱۸) کا ایک اقتباس ابن الانباری نے اپنی شرح مُفَضَّلیات میں پیش کیا ہے، دیکھیے C. J. Lyall: *Ibn al Kalbi's Account of the first Day of al-Kulāb*، در *Orient. Stud. Th. Nöldeke gewidmet*، Giessen ۱۹۰۶ء، ۱: ۱۲۷ - ۱۵۴۔ [ہشام بن محمد الکلبی کے شاگردوں میں سے اس کے بیٹے العبّاس بن ہشام کے علاوہ ابن سعد، محمد بن حبیب، محمد بن ابی السّری، خلیفہ بن خیّاط اور ابوالاشعث احمد بن المقدام مشہور ہیں۔ الصفدی نے اپنی کتاب الوافی میں ابن المعتز کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ حسن بن علّیک العنزی نے یحیٰی بن معین کو ہشام ابن الکلبی کی تعریف کرتے سنا ہے (قب لسان المیزان، ۶: ۱۹۷)۔ یاقوت الحموی نے ابن الکلبی کی تصانیف سے بہت استفادہ کیا ہے، لیکن کئی مقامات پر اس کے اغلاط پر گرفت بھی کی ہے۔

ابن الکلبی کی جمہرۃ النسب ۱۹۵۹ء سے یونیورسٹی اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں بالاقساط شائع ہو رہی ہے].

مآخذ: (۱) [ابن الکلبی: جمہرۃ النسب]؛ (۲) ابن سعد: طبقات، ۶: ۲۴۹ - ۲۵۰؛ [(۳) الجاحظ: کتاب البیان و التبیین، قاہرہ، ۲: ۱۴۶؛ [(۴) ابن قتیبہ: کتاب المعارف، قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۲۳۳؛ (۵) ابن الندیم: الفہرست، طبع فلُوگل، ص ۹۵ - ۹۸؛ (۶) الخطیب: تأریخ بغداد، ۱۹۳۱ء، ۱۴: ۴۵ ببعد؛ (۷) السمعانی: کتاب الانساب، ص ۴۸۵ ببعد؛] (۸) ابن الانباری: نزھۃ الألبّاء، قاہرہ ۱۲۹۶ھ، ص ۱۱۶ ببعد؛ [(۹) یاقوت: ارشاد الاریب، طبع مرجلیوث، ۷: ۲۵۰ - ۲۵۴؛ طبع احمد فرید، ۱۹: ۲۸۷ - ۲۹۲؛ (۱۰) ابن خلّکان، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۲: ۱۹۵ ببعد؛ (۱۱) الذہبی: تذکرۃ الحفّاظ، ۱: ۳۱۴؛ (۱۲) وہی مصنّف: میزان الاعتدال، قاہرہ ۱۳۲۵ھ، ۳: ۲۵۶؛ (۱۳) الصفدی: الوافی بالوفیات، ص ۲۲۰ ببعد؛] (۱۴) ابن حجر العسقلانی: تہذیب التہذیب، ۱۳۲۵ - ۱۳۲۷ھ، ۹: ۱۸۰؛ [(۱۵) وہی مصنّف: لسان المیزان، حیدرآباد، ۶: ۱۹۶؛] (۱۶) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Geschichteschreiber*، شمارہ ۲۶، ۴۲؛ (۱۷) Nöldeke- Schwally: *Gesch. d. Qorāns.*، ۲: ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱؛ (۱۸) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۳۸ - ۱۴۰ [و تکملہ، ۱: ۲۱۱].

(براکلمان BROCKELMANN [و ادارہ])

ابن کِلّس: فاطمی وزیر، ابوالفرج یعقوب بن یوسف، المعروف بابن کِلّس، بغداد کا ایک یہودی اور اعلٰی پائے کا سوداگر تھا، جو اپنی قابلیت کی وجہ سے فاطمی سلطنت میں اعلٰی ترین دیوانی عہدے پر فائز ہوا۔ وہ ۳۱۸ھ/ ۹۳۰ - ۹۳۱ء میں پیدا ہوا اور ابتدائے عمر میں اپنے باپ کے ساتھ شام آیا اور ۳۳۱ھ/ ۹۴۲ - ۹۴۳ء میں مصر، جہاں کافور [رک بآں] کے دربار میں اس نے امورِ سلطنت میں حصہ لینا شروع کر دیا اور مالیات کے متعلّق اپنی قابلیت کی وجہ سے ملک کی سیاست میں ایک باا ثر مقام حاصل کر لیا۔ وہ ۳۵۶ھ/ ۹۶۷ء تک یہودی ہی رہا، لیکن جب اس نے وزیر بننے کے مواقع دیکھے تو اسلام قبول کر لیا۔ اپنی ذہانت اور جانفشانی کے باعث وہ تھوڑے ہی عرصے میں علومِ اسلامیہ میں حجّت مانا جانے لگا۔ اس کے بڑھتے ہوئے رسوخ کو دیکھ کر وزیر ابن الفرات کا حسد بھڑک اٹھا، جس کی سازشوں کی وجہ سے اسے المغرب کو بھاگ جانا پڑا۔ جوہر یا المُعِزّ [الفاطمی العبیدی] کے ساتھ وہ مصر واپس آیا۔ فاطمی حکومت کو اقتصادی تنظیم کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی قابل اور تجربہ کار ماہر نہ مل سکتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ عہدِ فاطمیہ میں وادئ نیل کی عظیم خوشحالی اسی کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے میزانیوں کے محاصل میں، مآخذ کے بیان کے مطابق، ایسی رقمیں دیکھنے میں آتی ہیں جو اس سے پیشتر کبھی نظر نہ آئی تھیں، لیکن اس کے ساتھ ہی ملک سرسبز و خوشحال تھا، لہٰذا جو اظہارِ ممنونیت بالخصوص العزیز نے اس کی طرف کیا وہ اس کا بجا طور پر مستحق تھا۔ رمضان ۳۶۸ھ/ اپریل ۹۷۹ء میں اسے الوزیر الاجلّ کا اعزازی لقب عطا کیا گیا۔ ابن کِلّس کے کردار کے کئی پسندیدہ اور خوش آئند پہلو بیان کیے جاتے ہیں، اگرچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف زہر اور دوسرے ذرائع سے کام لیا کرتا تھا۔ وہ ادب، شعر و شاعری، کرم و سخاوت، گھر بار کی شان و شوکت، ظاہری پرہیز گاری اور علم و فضل کے معاملے میں اپنے زمانے کے مذاق کی پوری رعایت کرتا تھا۔ علاوہ دوسری کتابوں کے اس نے فاطمی مذہب کی فقہ پر بھی ایک کتاب لکھی تھی (خِطَط، ۲: ۶) بہر حال وہ مالی معاملات میں غیر معمولی ذہانت کا مالک اور اوّل درجے کا منتظم تھا۔ کہا جاتا ہے کہ فاطمی حکومت کے اندرونی نظم و نسق کی تشکیل اسی نے کی۔ ۳۷۳ھ/ ۹۸۳ - ۹۸۴ء میں تھوڑے عرصے کے لیے وہ معرضِ عتاب میں آ گیا، لیکن پھر فوراً ہی اسے اس کے قدیم عہدے پر بحال کر دیا گیا اور ۳۸۰ھ/ ۹۹۱ء کے آخر میں اس کی وفات پر خلیفہ العزیز [ابن المعز] اور تمام مصر نے سوگ منایا.

مآخذ: (۱) کافور اور ابتدائی مصری فاطمیوں [رک بہ فاطمیہ] کی تاریخ کے مآخذ میں متفرّق معلومات؛ (۲) زیادہ مفصّل بیان جن کی بنیاد المُسَبِّحی الصَّیرَفی پر مبنی ہیں، المقریزی: خطط، ۲: ۵ میں؛ (۳) ابن خلِّکان (ترجمہ دیسلان de Slane)، ۴: ۳۵۹؛ (۴) ابن تغری بردی (طبع Popper)، ۲: ۴۵؛ [(۵) الاشارۃ الی من نال الوزارۃ، ۱۹؛ (۶) ابن الأثیر: الکامل، ۹: ۲۷؛ (۷) مرآۃ الجنان، ۲: ۲۵۰، جس میں غلطی سے ۳۰۸ھ کی وفیات میں اس کا ذکر ہے؛ (۸) الفاطمیون فی مصر، ص ۱۳۴؛

(۹) ابن میسر: اخبار مصر، ص ۴۵ بعد].

(C. H. BECKER)

---

* **ابن کمال:** رکّ بہ کمال پاشازادہ.

---

* **ابن ماجِد:** شہاب الدّین احمد، پندرھویں صدی عیسوی کا ایک عرب جہاز ران ہے اور ایک کتاب کا مصنّف، جس میں بحر ہند، بحر قلزم، خلیج فارس، بحیرۂ چین کے مغربی حصے اور مجمع الجزائر میں جہاز رانی کے متعلّق ہدایات درج ہیں.

۱۴۹۸ء میں جب واسکو دی گاما مشرقی افریقہ کے ساحل پر مَلِندی پہنچا تو اسے وہاں ایک ایسا بحری ناخدا مل گیا جس نے اسے براہِ راست کالی کٹ (جنوبی ہند) پہنچا دیا۔ یہ واقعہ مختصر طور پر اس مہم کے ملّاحوں میں سے ایک نے اپنے روزنامچے میں درج کیا ہے (*Roteiro da viagem de Vasco de Gama en MCCCCXCVII*، دوسرا ایڈیشن، طبع A. Herculano و Castello da Paiva، لزبن ۱۸۶۱ء، ص ۴۹) اور اس کی مزید تفصیل سولھویں صدی کے پرتگالی مؤرّخوں نے بیان کی ہے، بالخصوص Damião de Goes (*Chronica de serenissimo Rei d. Manuel*، Coimra ۱۷۹۰ء، جلد اوّل، باب ۳۸، ص ۸۷)، Castanheda (*Historia do descrobrimentoe conquista da India pelos Portuguezes*، ۱۸۳۳ء کتاب اوّل، خاتمہ باب ۱۲ و آغاز باب ۱۳، ص ۴۱) اور Barros (*De Asia*، عشرہ (decade) ۱، باب ۶، ۱۷۷۸ء کے چھوٹے ایڈیشن کے صفحات ۳۱۹-۳۲۰) نے۔ یہ مؤرّخ اس بحری معلّم کا نام یوں بتاتے ہیں: Castenheda اور Goes: Malemo Canaqua؛ Barros: Malemo Cana یعنی معلّم کَنَکا، بمعنی "ستاروں کی مدد سے جہاز رانی کے فن کا استاذ".

اس روایت کی تائید ایک عربی کتاب البرق الیمانی فی الفتح العثمانی (مخطوطۂ کتب خانۂ اہلیہ، پیرس، عربی، شمارہ ۱۶۴۴-۱۶۵۰، نیز ۵۹۲۷، مؤلفہ قطب الدّین النّہروانی (۱۵۱۱-۱۵۸۲ء) [رکّ بآن] سے بھی ہوتی ہے (حاشیہ ۱، تحت)۔ جس میں پرتگالیوں کے اس رہنما کا نام احمد بن ماجد لکھا ہے؛ قطب الدّین کا بیان ہے:-

"ملعون پرتگالیوں کا، جو ملعون فرنگیوں کی ایک شاخ ہیں، ممالک ہند میں داخلہ۔ ان کا ایک گروہ سبتہ کی تنگنائے میں [صحیح لفظ زقاق معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر یہ رقاق ہے تو اس کے معنے ہوں گے ہلکی پھلکی تیز رو کشتیاں] جہازوں میں سوار ہوتا تھا اور بحر ظلمات میں داخل ہو کر کوہ قُمرُ (قاف کے پیش اور میم کے جزم سے؛ یہ لفظ "اقمر" کی جمع ہے، جس کے معنے ہیں سفید؛ اسی پہاڑ میں دریائے نیل کا سرچشمہ ہے) کے پیچھے سے گزرتا اور (افریقہ کے) مشرق میں پہنچ جاتا اور ساحل کے قریب ایک تنگنائے میں سے ایک ایسے مقام سے گزرتا تھا جس کی ایک جانب پہاڑ اور دوسری جانب بحر ظلمات ہے، اس مقام پر سمندر میں بہت تلاطم رہتا تھا، جس سے ان کی کشتیاں سنبھل نہ سکتی تھیں، بلکہ ٹوٹ جاتی تھیں اور ان میں سے کوئی زندہ نہ بچتا تھا۔ اس کا سلسلہ ایک عرصے تک جاری رہا اور وہ اس مقام پر ہلاک ہوتے رہے اور ان میں سے کوئی بھی بحر ہند میں سلامت نہیں پہنچتا تھا، تا آنکہ ان کی ایک کشتی (غُراب=carvel) (بحر) ہند پہنچ گئی۔ یہ لوگ اس سمندر کے متعلّق معلومات کی تلاش میں رہے، تا آنکہ ایک ماہر ملّاح نے، جس کا نام احمد بن ماجد تھا، ان کی رہنمائی کی۔ فرنگیوں کا سردار اس شخص کے ساتھ مَلِندی تک گیا اور اسے اپنے ساتھ مے نوشی میں شریک کیا۔ اس (ابن ماجد) نے نشے کی حالت میں اسے راستہ بتا دیا اور ان سے کہا کہ اس مقام کے ساحل کے قریب نہ جاؤ بلکہ کھلے سمندر میں داخل ہو جاؤ، پھر مڑ جاؤ تو موجوں سے تمھیں نقصان نہ پہنچے گا۔ جب انھوں نے ایسا کیا تو ان کے بہت سے جہاز ٹوٹنے سے بچنے لگے، پس بحر ہند میں ان کی کثرت ہو گئی اور انھوں نے شہر گوا کی بنا رکھی (مخطوطہ، عدد ۱۶۴۴، ورق ۵، سطر ۱۲ تا ورق ۶، سطر اوّل)]".

مدہوشی کا قصہ غالبًا گھڑ لیا گیا ہے اور یہ بظاہر ایک دروغ مصلحت آمیز ہے، تاکہ ایک مسلمان کے اس فعل کا عذر تراشا جائے جو مسلمانانِ مکّۂ [معظمہ] کی (جہاں قطب الدّین سکونت پذیر تھا) نظر میں غدّاری کے مرادف تھا۔ برخلاف اس کے یہ اور زیادہ قرین قیاس ہے کہ عرب معلّم نے پرتگالی بیڑے کے امیر کی رہنمائی اس وعدے پر کی تھی کہ اسے اس کی خدمات پر بڑا بھاری معاوضہ دیا جائے گا۔ پرتگالی تذکرہ نگار، جنھیں اس واقعے کے چھپانے کی ضرورت نہ تھی، اس سے بہت مختلف قصہ بیان کرتے ہیں.

بارّوس (Barros)، جس نے اس واقعے کو سب سے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے، کہتا ہے کہ جن دنوں واسکو دی گاما ملندی میں مقیم تھا وہاں کھمبایت (علاقۂ گجرات) کے کچھ بنیے امیر البحر سے ملنے آئے۔ ان ہندوؤں نے مریم عذراء کی ایک مورت کی (جسے انھوں نے کوئی ہندو دیوی سمجھ لیا) تعظیم و تکریم کی تو وہ سمجھا کہ ان لوگوں کا تعلّق شاید ان عیسائی فرقوں سے ہے جو سینٹ ٹامس کے زمانے سے ہندوستان میں موجود تھے۔ ان بنیوں کے ہمراہ گجرات (کذا) کا ایک مُور بھی آیا، جس کا نام Maleno (=معلّم) Cana (=Kanaka کَنَکا) تھا۔ وہ نہ صرف اس لیے کہ وہ ہمارے جہاز رانوں کی صحبت میں بڑا خوش رہتا تھا، مسرت کی بنا پر، بلکہ (مَلِندی کے) بادشاہ کی رضا جوئی کے لیے بھی جو ان پرتگالیوں کے لیے ایک رہنما کی تلاش میں تھا، اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ ان کے ہمراہ جائے (اور ہندوستان کا راستہ دکھائے)۔ واسکو دی گاما نے اس سے گفتگو کی تو اس کی معلومات سے بڑا مطمئن ہوا، خصوصًا جب اس مُور نے اسے ہندوستان کے پورے ساحل کا ایک نقشہ دکھایا، جو عربی نقشوں کی طرز پر بنا تھا اور جس میں دوائر نصف النہار اور خطوط متوازیہ (یعنی درجات طول بلد و عرض بلد) بڑی تفصیل سے دکھائے گئے تھے، البتہ اس میں نہیں دکھایا گیا تھا تو یہ کہ ہواؤں کے چلنے کی

سمتیں (جہات) کیا ہیں۔ پھر چونکہ اس نقشے کے مربعے دوائر نصف النہار اور خطوط متوازیہ کے تقاطُع سے بنے تھے اور اس لیے بہت چھوٹے تھے، لہٰذا اس سے شمالاً جنوبًا اور شرقًا غربًا چلنے والی ہواؤں کی بدولت ساحل (کا رخ) نہایت صحت سے متعین ہو جاتا، بغیر اس کے کہ نقشے میں ہواؤں (کی سمتوں کو دکھانے کی علامتوں) کی بھر مار ہوتی، جیسا کہ ہمارے پُرتگالی نقشوں کا انداز ہے اور جس کی دوسرے بھی نقل کرتے ہیں، واسکودی گاما نے اس مُور کو لکڑی کا وہ بڑا اصطرلاب دکھایا جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا، علٰی ہذا بعض اور اصطرلاب بھی، جو دھات سے بنے ہوئے تھے اور جن سے سورج کے ارتفاع کی پیمائش کی جاتی تھی، لیکن اس مُور نے اس قسم کے آلات دیکھے تو اسے مطلق تعجب نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ بحر قلزم کے (عرب) رہنما سورج اور علٰی ہذا (قطب) ستارے کا ارتفاع معلوم کرنے کے لیے، جس سے وہ جہاز رانی میں بے حد فائدہ اٹھاتے ہیں، مثلّث شکل کے پیتل کے آلات (سدس sextants) اور مزولہ (مقیاس الزوایا quadrants) سے کام لیتے ہیں۔ مگر اس نے کہا کہ وہ خود، نیز کھمبایت اور سارے ہندوستان کے ملّاح چند شمال و جنوب کے سیاروں، نیز بعض دیگر اُن نمایاں ستاروں کی مدد سے، جو مرکزِ آسمان کو شرقًا غربًا عبور کرتے ہیں، جہاز رانی کرتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اس قسم کے (یعنی واسکودی گاما کے بتائے ہوئے) آلات کی طرح بنی ہوئی چیزوں سے ارتفاع معلوم نہیں کرتے بلکہ ایک اَور آلے کے ذریعے، جو اس کے پاس موجود ہے اور جسے وہ اس کو دکھانے کے لیے فورًا ہی لے آیا (اس آلے کے لیے قب جغرافیاِ ابو الفداء کا دیباچہ، Reinaud : *Introduction générale à la géographie des orientaux*، در *Géogr. d' Aboulféda*، ۱: ciixl ببعد)۔ یہ آلہ تین تختیوں سے بنا تھا۔ اس کی شکل اور اس کے استعمال کے طریقے پر چونکہ ہم اپنی کتاب *Geographia Universalis*) [جو بد قسمتی سے ناپید ہو گئی ہے] کے اُس باب میں بحث کریں گے جس کا تعلّق جہاز رانی میں مستعمل آلات سے ہے، اس لیے یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آلۂ زیرِ بحث سے عرب وہی کام لیتے ہیں جو پرتگال میں اس آلے سے لیا جاتا ہے جسے ملّاحوں کی زبان میں Arabalestrille کہا جاتا ہے اور جس کا ذکر ہم [*Geographia Universalis* کے] مذکورۂ بالا باب میں کریں گے اور نیز ان کے موجدوں کا۔ بہر حال اس گفتگو میں اور پھر اس کے بعد جو بات چیت یہ لوگ اس رہنما سے کرتے رہے واسکودی گاما نے یوں محسوس کیا جیسے اسے ایک بہت بڑا خزانہ مل گیا ہے (parecia-lhe ter nelle hum grão thesouro)؛ لہٰذا اس خوف سے کہ کہیں وہ اسے کھو نہ بیٹھے، وہ جس قدر جلد ہو سکا جہاز میں سوار ہو کر ۲۴ اپریل ۱۴۹۸ء کو ارضِ ہند کی طرف روانہ ہو گیا۔ (*De Asia*، عَشر (decade) اوّل، کتاب چہارم، باب شَشم، ص ۳۱۸۔ ۳۲۱، مطبوعہ ۱۷۷۸ء).

گوئز (Goes) اور کزتن ایدا (Castanheda) (مقام مذکورہ) کے بیان کے مطابق یہ ایک ''گجراتی رہنما'' تھا اَور بقول باڑوس (Barros) ''گجرات کا ایک مسلمان''۔ پرتگالی مؤرّخ اس کا جو لقب بیان کرتے ہیں وہ دو زبانوں کے الفاظ سے مرکب ہے، ایک Malemo = عربی: معلّم اور باصطلاحِ ملّاحاں ''ماہر جہاز رانی''؛ دوسرا Kanaka = Canaqua سے، یعنی تامل زبان میں سنسکرت لفظ Ganaka = نجومی کی شکل (قب *The Book of Duarte Barbosa*، طبع M. Longworth Dames، Hakluyt Society، ۱۹۲۱ء، ۲: ۶۱۔ ۶۲ اور اس کی تصحیح از Ph. S. van Ronkel، در رسالہ *Museum*، لائڈن ۱۹۲۵ء، ص ۱۸)۔ اس کے برعکس یہ Malemo Canaqua بلا شک و شُبہہ وہی احمد بن ماجد ہے جس کا ذکر البرق الیمانی میں آیا ہے اور جس کے اپنے بیان سے پتا چلتا ہے کہ یہ مشہور معلّم عربی نژاد تھا، جو جلفار میں پیدا ہوا۔ گوئز (Goes)، کزتن ایدا (Castenheda) اور باڑوس (Barros) یا شاید ان کے مآخذ سے جو غلطی سرزد ہوئی واضح ہے، لیکن کیسے؟ میں اس کی توجیہ نہیں کر سکتا.

ابن ماجد سے ہم بعض دوسرے مآخذ کے ذریعے بھی واقف ہیں؛ چنانچہ ترکی امیر البحر سیدی علی اپنے اس مجموعے کے دیباچے میں، جس کا تعلّق جہاز رانی سے متعلّق ہدایات سے ہے، کہتا ہے کہ المحیط کے دیباچے میں یوں بیان کیا ہے: ''میں نے بصرے میں اپنے پانچ ماہ کے قیام کے دوران میں (۱۵۵۴ء)، جو شروع برسات تک قائم رہا اور پھر بصرے سے ہندوستان تک سفر کے دوران میں جو از غرّۂ شعبان تا سلخِ شوّال (۲ جولائی تا ۲۷ ستمبر ۱۵۵۴ء)، یعنی ان آٹھ مہینوں میں دن ہو یا رات، ان ساحلی رہنماؤں اور (مقامی) ملّاحوں سے جو (میرے) جہاز پر موجود تھے، میں نے جہاز رانی کے مسائل پر بات چیت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یوں مجھے معلوم ہوا کہ ہرمز اور ہندوستان کے پرانے بحری رہنما یعنی لَیث بن کہلان، محمد بن شاذان اور سہل بن اَبان بحر ہند میں کس طرح سفر کیا کرتے تھے۔ میں نے وہ کتابیں بھی جمع کیں جنھیں جدید (معلّموں) نے لکھا ہے، مثلاً صوبۂ عمان کے مقام جُلفار کے احمد بن ماجد اور علاقۂ جُرز (جنوبی عرب) کے شحُر نامی مقام کے سلیمان بن احمد نے (قب مادّۂ سلیمان المَہری)، علٰی ہٰذا کتاب الفوائد اور الحاویۃ (مؤلّفہ ابن ماجد، جن کا ذکر نیچے آتا ہے)، تُحفۃ الفُحول، منہاج، قلادۃ الشُّمُوس (تالیفات سلیمان المَہری)۔ میں نے ان سب کتابوں میں سے ہر ایک کا گہرا مطالعہ کیا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان دستاویزوں کے بغیر بحر ہند میں سفر کرنا غیر معمولی طور پر مشکل ہو جاتا۔ (اجنبی) کپتان، کمیدان اور ملّاح یہاں کی جہاز رانی سے ناواقف ہیں، لہٰذا انھیں کسی رہنما کی ہمیشہ ناگزیر ضرورت رہتی ہے، اس لیے کہ ان کے اپنے پاس کوئی معلومات نہیں ہوتیں؛ لہٰذا میں نے اپنا فرض سمجھا کہ اور نہیں تو مذکورۂ بالا کتابوں میں جو عمدہ باتیں درج ہیں، انھیں لکھ لوں اَور ان کا ترجمہ (ترکی میں) بھی کر دوں، پھر اس کے بعد ایک اچھی سی کتاب تصنیف کروں تا کہ جو لوگ اس سے رُجوع کریں وہ کسی بحری

رہنما کا مشورہ لیے بغیر منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ میں نے (ان عربی دستاویزوں کا) جو ترجمہ کیا ہے وہ الملک العزیز (=اللہ) کے فضل و کرم سے بہت جلد مکمّل ہوگیا۔ چونکہ میری کتاب میں جہاز رانی کے تمام عجائبات کا احاطہ کیا گیا ہے، اس لیے میں نے اس کا نام المحیط رکھا ہے، یعنی ''جو کچھ ہمارے ساحلوں کے اردگرد ہے اور جس میں تمام معلومات شامل ہیں'' (*Die topographischen Capitel des Indischen Seespiegels Mohît*، مترجمۂ M. Bittner، دیباچہ اور تیس نقشے از W. Tomaschenk، مطبوعۂ وی انا ۱۸۹۷ء، ص ۵۳)۔ سیدی علی نے اس کے بعد (ص ۵۱) ابن ماجد کا ذکر کرتے ہوئے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ اسے ملّاحوں میں معتبر ترین معلّمِ بحرِ ہند اور جدید (''مؤلّفینِ ہدایاتِ جہاز رانی'') میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد بتاتا ہے۔

المحیط، مؤلفۂ سیّدی علی، کے جو اقتباس شائع ہوئے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب (المحیط) اصل میں ابن ماجد اور سلیمان المَہْری کے راہناموں اور اصول جہاز رانی کے ایک حصّے کا ترکی ترجمہ ہے، اگرچہ بہت سے مقامات پر ناقص ہے۔ نہ تو بِٹنر (Maximilien Bittner) نے اور نہ اس کے پیشرو فان ہامر (von Hammer) نے ان عربی کتابوں اور ان کے مؤلّفین کا پتا چلانے کی کوشش کی جن کے مختصر سے نام کا ترکی امیر البحر نے ذکر کیا ہے۔ ادبیات کی بھی کسی تاریخ میں ان کا حال نہیں ملے گا، البتہ پیرس کے کتاب خانۂ اہلیّہ کی فہرست مخطوطات عربی کے شمارہ ۲۲۹۲ میں مذکور ہیں (اوّل الذکر ۱۸۶۰ء میں حاصل کی گئی اور آخر الذکر میں سوریہ [شام] کے ایک پادری یوسف عسکری (Joseph Ascari) کا ایک تعلیقہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۷۳۲ء میں بھی وہاں موجود تھی)، ان دونوں قیمتی مخطوطوں میں وہ تمام تالیفات شامل ہیں جن سے سیدی علی نے استفادہ کیا، بلکہ بعض دوسری تالیفات بھی، جن کا بظاہر اس ترکی امیر البحر کو علم نہ تھا۔

مخطوطہ شمارہ ۲۲۹۲ میں، جو براہِ راست اصل مخطوطے کی نقل ہے، ۱۸۱ اوراق ہیں، تقطیع ۷۰×۱۸۰ ملی میٹر ہے، ہر صفحے میں انیس سطریں ہیں۔ اس میں ابن ماجد کے انیس راہنامے اور اصول جہاز رانی پر دوسرے رسالے شامل ہیں، جنھیں کاتب نے تاریخ تالیف کا لحاظ کیے بغیر حسبِ ذیل ترتیب سے نقل کیا ہے:-

(۱) کتاب الفوائد فی اصول علم البحر والقواعد، ورق ۱-۸۸ الف، (یہ وہی متن ہے جسے سیدی علی نے فوائد کہا ہے)۔ یہ کتاب نثر میں ہے، اس میں بارہ ابواب ہیں اور اس کی تاریخ ہے ۸۹۵ھ/ ۱۴۸۹-۱۴۹۰ء۔ ابتدائی اوراق میں جہاز رانی اور مقناطیسی سوئی کے افسانوی آغاز سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد ابن ماجد اٹھائیس منازلِ قمر کا ذکر کرتا ہے، اسی طرح ان ستاروں کا جو قطب نما کی بتیس جہات (خَنّ، جمع: اَخنان) سے مطابقت رکھتے ہیں اور بحر ہند کے سمندری راستوں کا اور (اس) سمندر اور مغربی بحر چین کی چند بندرگاہوں کے عرض بلد کا اور خشکی کے قریب ہونے کی ان علامتوں کا جو پرندوں اور ساحل کی ہیئت کذائی سے ظاہر ہوتی ہیں اور ہندوستان کے مغربی ساحل پر خشکی تک پہنچنے (''تَنَخَّ''۔ فصیح عربی میں ''نَدَخَ'') کی گزرگاہوں کا اور دس مشہور جزیروں یعنی جزیرہ نمائے عرب، جزیرۂ قُمر یا مدگاسکر، سمطرہ، جاوہ، الغُور یعنی فارموسا، سیلان، زنجبار، بحرین یعنی اوال، خلیج فارس کے جزیرۂ ابن جاواں (ابن گاواں = برخت) اور سقطری کا، (ضمناً بحرین اور مہرہ کے تاریخی اور سیاسی حالات، نیز نویں صدی ہجری کے رُبع چہارم کی خانہ جنگیوں وغیرہ کے حالات کا)، اور سفر کے لیے موزوں موسمی ہواؤں اور ان میں سے ہر ایک کی تاریخ کا فارسی تقویم کے لحاظ سے۔ یہ تالیف بحر قلزم کے بیان پر ختم ہوجاتی ہے، جس میں اس سمندر کے مقامات لنگر اندازی، اُتھلے حصّے، [شُعبان، یعنی] پانی میں ڈوبی ہوئی یا پانی سے نکلی چٹانیں (reefs) تفصیل سے مذکور ہیں۔ دیسلان (de Slane) نے (پیرس کے مخطوطات عربی کی) فہرست، ص ۴۰۱، پر اس کے متعلّق لکھا ہے کہ ''اس تالیف کے اسلوب میں اطناب پایا جاتا ہے اور ایسی اصطلاحوں کی بھرمار ہے جن کا مفہوم بحر ہند میں جہاز رانی کرنے والوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں''۔ یہ بیان صرف جزئی طور پر صحیح ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مخطوطات، شمارہ ۲۲۹۲ و ۲۵۵۹ کو جہاز رانوں کے لیے تالیف کیا گیا ہے۔ اس میں حسبِ توقّع فنّی اصطلاحیں کثرت سے ہیں اور ان تالیفات سے جو بحری اصطلاحیں مجھے فراہم ہوئی ہیں وہ عربی لغات میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوں گی (حاشیہ ۲، تحت)۔

(۲) حاویۃ الاختصار فی اصولِ علمِ البحار، (یہ وہی تالیف ہے جس کا ذکر سیدی علی نے حاویۃ کے نام سے کیا ہے) (از ورق ۸۸ ب - ۱۱۷ الف)۔ اس کا متن، جو بحر رجز میں ہے، گیارہ فصلوں میں منقسم ہے۔ ابتدا میں بیس سطروں کا ایک مختصر دیباچہ نثر میں ہے۔ پھر پہلی فصل شروع ہوتی ہے، جس میں ان علامتوں کا ذکر ہے جو خشکی کے قرب پر دلالت کرتی ہیں اور جن کا جاننا ناخداؤں (pilots) کے لیے ضروری ہے؛ دوسری فصل میں منازل قمر اور اخنان (جہات) کا ذکر ہے؛ تیسری میں عربی، رومی، قبطی اور فارسی تقویموں کے بارے میں معلومات ہیں؛ چوتھی میں ''باشی'' یعنی بعض ستاروں کے محل میں جس تصحیح کی ضرورت ہے اس کا، موسمی ہواؤں کا، ان مہینوں کا جن میں مختلف ستارے نظر آتے ہیں، ان کے عرض بلد کے غیر متبدّل ہونے کا اور ان کے غائب ہونے کا، جس میں سب تاریخیں فارسی تقویم میں دی گئی ہیں، پانچویں فصل میں حسبِ ذیل علاقوں کے بحری راستوں کا ذکر ہے: عرب، حجاز، سیام — (ابن ماجد کی مراد اس سے جزیرہ نمائے ملایا کا مغربی ساحل ہے، جو اس کے زمانے میں پورے کا پورا سیام سے متعلّق تھا) اور برّالسودان [لغوی معنوں میں ساحلِ سودان] کا نقطۂ انتہا؛ چھٹی فصل میں مغربی ہند کے ساحل پر بحری راستوں کا ان ممالک تک ذکر ہے، جو ہوا کے نیچے (''تحت الریح'') واقع ہیں (ابن ماجد اس سے راس کماری کا مشرق مراد لیتا ہے) مثلاً سمطرہ کے مشرقی ساحل پر جزیرہ بلّیطون (Billiton)،

(بلاد) المہراج یعنی سمطرہ (دیکھیے ورق ۱۰۱ ب، اور ۱۱۳ الف و ب)، چین اور غُور (فارموسا)؛ ساتویں فصل میں مشرقی جزائر، سمطرہ، فال یا لکادیب، قُمر (مد گاسکر)، یمن، سواحل حبشہ، سومال، اَظواح (جنوبی عرب میں) مکران کے ساحلوں کے بحری راستوں کا بیان ہے؛ آٹھویں فصل میں ساحل عرب اور مغربی ہند کی بندرگاہوں کی درمیانی مسافتوں کی تفصیل ہے؛ نویں فصل میں بحر محیط یعنی مغربی ہند کا سمندر، جو شمال کی طرف دور تک چلا گیا ہے، اس کی بندرگاہوں کے عرض ہائے بلد کا ذکر ہے؛ دسویں فصل میں صحیح معنی میں علمِ جہاز رانی کا اور گہرے سمندروں اور بحر محیط کی رووں (currents) کا ذکر ہے، جو برّ السودان، ہند اور چین کے مابین دور تک چلا گیا ہے (یعنی ہمارے نقشوں کے بحر ہند کا)؛ گیارھویں فصل میں اس علمِ نجوم کا ذکر ہے جس کا تعلّق جہاز رانی سے ہے.

حاوية کی تاریخ، جس کا حوالہ سابق الذّکر (۱) میں اکثر دیا گیا ہے، (ورق ۱۱۶ ب پر) لکھی گئی ہے:-

[تمّت لشهر الحج فی جُلفار
اوطان أُسْدِ البحر فی الاقطار
یوم الغدیر الابرک الایّام
اذ خُصّ بالاحسان والصّیام
و کان فی الهجرة یا مولایة
ستّة و ستّین و ثمان مایة]

"(اس کی کتابت) ماہ ذوالحجّہ میں جُلفار (یعنی خلیج فارس کے جنوب مغرب) میں مکمّل ہوئی، جو ساری دنیا کے سمندری شیروں کا وطن ہے، (یہ تکمیل) یوم الغدیر (حاشیہ ۳، تحت) کو ہوئی جو سب سے بڑھ کر بابرکت دن ہے، کیونکہ وہ احسان (خیرات) اور روزے سے مخصوص ہے اور اے میرے دوست! اس وقت آٹھ سو چھیاسٹھ ہجری تھا".

(۳) ایک اَور اُرجوزہ [جس کا نام المعرّبة ہے] خلیج بربرہ (یعنی ہمارے نقشوں کی خلیج عدن) میں جہاز رانی کے متعلّق ہے، از ورق ۱۲۳ ب تا ۱۲۸ الف [بشمول ہر دو]۔ اس کی تاریخ ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء ہے.

(۴) ایک منظوم رسالہ، جس کے شروع میں ایک منثور دیباچہ ۳۳ سطروں میں ہے، بنام قبلة الاسلام فی جمیع الدنیا ہے۔ مؤلف کا بیان ہے کہ یہ کتاب "خصوصًا ان شہروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو سمندر کے قریب ہیں اور ان شہروں کے لیے بھی جہاں مسافر اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس پر تاریخ ۸۹۳ھ/ ۱۴۸۸ء ہے اور وہ اوراق ۱۲۸ الف تا ۱۳۷ الف پر مشتمل ہے.

(۵) ایک ارجوزہ [برّ العرب فی خلیج الفارس]، جو خلیج فارس میں ساحل عرب کے ساتھ ساتھ جہاز رانی کے متعلّق ہے، ورق ۱۳۷ الف — ۱۳۸، بدون تاریخ.

(۶) ایک ارجوزہ [فی قسمة الجمّة علی انجم بنات نعش]، جو بَنات النعش (یعنی دُبّ اکبر اَور دُبِّ اصغر۔ ستارہ ہائے الف، ب، ج، د، ھ، و، ز) کے متعلّق ہے، از ورق ۱۳۹ ب تا ۱۴۵ ب، تاریخ ۹۰۰ھ/ ۱۴۹۴-۱۴۹۵ء.

(۷) ایک اَور ارجوزہ جس کا نام [کنز المَعالِمَة و ذخیر تهم] "معلّمین یا استادانِ جہاز رانی کا خزانہ و گنجینہ" ہے اور جو سمندر سے متعلّق نا معلوم اشیا کی معرفت، نجوم اور سیّاروں، ان کے ناموں اور ان کے اقطاب (poles) کے متعلّق ہے۔ اس نظم پر تاریخ درج نہیں لیکن سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارجوزہ ۱۴۸۹ء سے پہلے کی تالیف ہے، از ورق ۱۴۵ ب تا ۱۴۷ ب.

(۸) ایک ارجوزہ مغربی ہند کے ساحل اور عرب کے ساحل پر، یعنی ۲۵° شمال سے ۶۰° شمال تک، تخ یعنی خشکی تک پہنچنے کے راستوں کا پتا چلانے (حاشیہ ۴، تحت) کے متعلّق ہے۔ اس پر تاریخ درج نہیں از ورق ۱۴۷ ب تا ۱۵۴ ب.

(۹) ایک ارجوزہ [میمیّة الابدال]، ردیف میم میں، جس پر تاریخ درج نہیں، چند شمالی ستاروں کے متعلّق ہے، از ورق ۱۵۴ ب تا ۱۵۶ ب، بشمول ہر دو.

(۱۰) ارجوزة مخمسة، چند شمالی ستاروں کے متعلّق ہے، بدون تاریخ، از ورق ۱۵۶ ب تا ۱۵۷ ب.

(۱۱) تیرہ ابیات کی ایک نظم، ردیف نون میں، جو رومی مہینوں کے متعلّق ہے، اس پر تاریخ درج نہیں (۱۴۸۹ء سے پہلے کی).

(۱۲) ایک ارجوزہ موسوم بہ ضریبة الضرائب، "فریضۂ فرائض"، ان چند ستاروں کے متعلّق ہے، جن سے جہاز رانی میں مدد لی جاتی ہے، بدون تاریخ، از ورق ۱۵۸ الف تا ۱۶۳ الف.

(۱۳) ایک ارجوزہ، جس کا نام ہے ارجوزة منسوب بامیر المؤمنین علی بن ابی طالب۔ اس میں "منازلِ قمر، آسمان میں ان کے صحیح محلّ وقوع، ان کی شکل اور ان کی تعداد کا ذکر بہ تمام و کمال" ہے؛ ۱۴۸۹ء سے قبل کی تالیف ہے، از ورق ۱۶۳ الف تا ۱۶۴ ب.

(۱۴) ایک نظم، ردیف "ر" میں، موسوم بہ قصیدة مکّیة۔ اس میں جدّے سے رأس فرتک (جنوبی عرب) تک، نیز کالی کٹ، دابل، کُنکَن، گجرات (مغربی ہند)، اَظواح، ہرمز وغیرہ تک کے بحری راستوں سے بحث ہے، بدون تاریخ، از ورق ۱۶۴ ب تا ۱۶۶ ب.

(۱۵) ایک ارجوزہ، ردیف "ر" میں، موسوم بہ نادرة الابدال فی الواقع و ذبّان العیوق، از ورق ۱۶۹ تا ۱۷۱ الف (۱۴۸۹ء سے پہلے کا).

(۱۶) ایک قصیدہ، ردیف ب میں، موسوم بہ الذهبیّة، از ورق ۱۷۱ الف تا ۱۷۶ الف، جو ۱۴۸۹ء سے قبل کا لکھا ہوا ہے، اس میں پانی سے باہر نکلی ہوئی چٹانوں (مرق)، عمیق گہرائیوں (مغزر) اور اتھلے پانیوں کا اور ان تدبیروں کی تحقیقات کا جو وہاں اختیار کرنا چاہییں، نیز ان علامات کا جو خشکی کی نزدیکی کا پتا دیتی ہیں، مثلاً پرندے اور ہوائیں، جنوب مغربی موسمی ہواؤں (غلق) کے زمانے

میں راسوں میں لنگر انداز ہونے کے مقامات کا، مغربی ہوا کے وقت خشکی پر اترنے کی جگہوں (منتخات بالکوس) وغیرہ کا ذکر ہے؛ ورق ۴۰ الف، سطر۱۰ کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مملوک برجی سلطان الاشرف سیف الدّین قایتبای (۸۷۳-۹۰۱ھ/ ۱۴۶۸-۱۴۹۵ء) کے دورِ حکومت کی تالیف ہے.

(۱۷) ایک ارجوزہ، ستارہ ضِفدَع (مینڈک) کے مشاہدے کے بارے میں ہے ۔ (اگر ضِفدَع اوّل مراد ہے تو وہ الحوت الیمانی (Pisces Australis) کا سیارہ الف (A) ہے، اگر ضِفدَع ثانی مراد ہے تو وہ فم الحوت الیمانی (Whale) کا ستارہ ب (B) ہے ۔ اس کی ردیف نون ہے اور الفائقة کے نام سے موسوم ہے اور اوراق ۱۷۶ الف سے ۱۷۸ الف پر مشتمل ہے، ۱۴۸۹ء سے پہلے لکھا گیا.

(۱۸) ایک ارجوزہ، جس کی ردیف عین ہے، بعنوان البلیغة ۔ یہ سُہَیل (Canopus) اور سماک الرامح (Arcturus) کے مشاہدے کے متعلّق ہے، ورق ۱۷۸ الف تا ۱۷۹ ب ۔ تاریخ درج نہیں.

(۱۹) اس رسالے میں نو مختصر فصلیں نثر میں ہیں، جن میں بحر ہند کے مختلف مقاموں پر پانی کی گہرائی ناپنے وغیرہ کا ذکر ہے، بدون تاریخ، از ورق ۱۷۹ ب تا ۱۸۱ ب [جہاں کاتب نے لکھا ہے "تمّت الفوائد و الاراجیز"].

دوسرا مخطوطہ جو پیرس کے کتب خانۂ اہلیہ کے عربی مخطوطات کے ذخیرے میں ہے اور جس کا عدد ۲۵۵۹ ہے، چھوٹی چار ورقی تقطیع (quarto)، یعنی ۲۱۵×۱۵۰ ملی میٹر، پر ہے ۔ اس میں ۱۸۷ اوراق ہیں اور ہر صفحے میں پندرہ سطریں ۔ اس نسخے میں ابن ماجد کے حسبِ ذیل رسالے ہیں:-

(۱=۲۰) ارجوزہ بعنوان السبعیة (سات حصّوں میں منقسم ہے ۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں علومِ بحریہ میں سات فنون کا ذکر ہے)، ورق ۹۳ الف تا ۱۰۳ ب، مورّخہ ۸۸۸ھ/ ۱۴۸۳ء؛ رسالے کے آخر میں اس کا نام الارجوزة المعظمة دیا گیا ہے.

ورق ۱۰۳ ب تا ۱۰۹ پر نظم الذهبية (مذکورۂ صدر عدد ۱۶) کا ایک اَور نسخہ ہے ۔ [اس میں مؤلف کا نام "بن (کذا) محمد بن عمر السعدی" دیا گیا ہے ۔ یہ ابن ماجد کا نسب نامہ ہے، جو سہوِ کاتب سے نامکمل رہ گیا ہے].

(۲=۲۱) ایک ارجوزہ، ردیف قاف میں، علمِ ہیئت پر ہے؛ از ورق ۱۰۹ ب تا ۱۱۱ الف؛ ۱۴۸۹ء سے پہلے کا ہے.

(۳=۲۲) ایک مثنوی ہے، جس کا عنوان ہے: "........... اور (کذا) اس کے اور دیگر ستاروں سے متعلّق، جو لنگر اندازی میں کام آتے ہیں، مشاہدات اور دیو سے دابل تک خشکی پر اترنے کے مقاموں اور ساحلوں کی تفصیل"، ورق ۱۱۱ الف تا ۱۱۶/الف ۔ اس نظم کا اصل نام ورق ۱۱۶/الف پر اس بیت میں دیا گیا ہے:

[سمّیتها "هادیة المعالمة"
لانها من العیوب سالمة"]

"میں نے اسے هادية المعالمة کا نام دیا ہے کیونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے" ۔ آخر میں یہ عبارت ہے "تمت القصيدة المسما (ة) الهادية" ۔ یہ ۱۴۸۹ء سے پہلے کی تالیف ہے.

[اس کے بعد حاوية الاختصار (مذکورۂ صدر عدد ۲) کا مکرّر نسخہ ہے، ورق ۱۱۶ ب تا ۱۵۱ الف ۔ آخر میں یہ عبارت ہے: "تمت (کذا) الکتاب المسمّا (کذا) بارجوزة من کلام المعلّم احمد بن ماجد".]

جہاز رانی کے متعلّق پہلے رسالے میں، جو نثر میں ہے (عدد ۱)، ابن ماجد کے دس دیگر ایسے رسالوں کے اشعار کا اقتباس بھی شامل ہے جو اب ناپید ہیں ۔ گویا یہ ابن ماجد کی تالیفات عدد ۲۳ - ۳۲ ہیں ۔ [اگر قطب نما اور مقناطیس پر ایک نظم، جس کا ذکر نیچے آتا ہے، کوئی مستقل چیز تھی تو وہ تالیف عدد ۳۳ قرار پائے گی].

زمانے کے اعتبار سے ان بتّیس رسالوں کی ترتیب یوں ہو سکتی ہے:

(الف) ۱۴۶۲ء حاوية (۲)

(ب) ۱۴۸۳ء السبعية (۲۰)

(ج) ۱۴۸۵ء خلیج عدن پر نظم (۳، المعزبة)

(د) ۱۴۸۸ء قبلة الاسلام پر نظم (۴، قبلة الاسلام)

(ھ) ۱۴۸۹-۱۴۹۰ء، کتاب الفوائد (۱)

(و) ۱۴۹۴-۱۴۹۵ء ارجوزہ (۶، قسمة الجمة علی انجم بنات النعش)

رسائل عدد ۶، ۱۱، ۱۳، ۱۷، ۲۱ - ۳۲ کا حوالہ رسالہ (ھ) اور (الف) میں ہے ۔ گویا یہ ۱۴۶۲ء سے پہلے کی تالیف ہیں ۔ عدد ۱۵ بلحاظ تاریخ عدد ۱۶، ۱۴، سے قبل کا ہے، کیونکہ ان دونوں میں اس کا ذکر ہے ۔ مزید براں عدد ۹، عدد ۱۵ و ۱۶ سے مقدّم ہے اور عدد ۱۲، عدد ۱۴ سے ۔ عدد ۸، ۱۰، ۱۸، ۱۹، کے متعلّق کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس سے ان کی تاریخ کا، چاہے تخمینی طور پر سہی، اندازہ کیا جا سکے ۔ [کراچکوفسکی Krachkovsky نے اپنی روسی ڈائری *Among Arabic Manuscripts* کے باب چہارم میں ایک یادداشت واسکودی گاما کے رہنما پر بھی لکھی ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لینن گراڈ کے مخطوطات میں ایک مجموعۂ رسائل ہے، جس میں چند ترکی رسالوں کے علاوہ ابن ماجد کے تین ارجوزے بھی ہیں، جو مذکورۂ صدر رسائل کے علاوہ ہیں ۔ ڈائری میں تو مزید تفصیل نہیں ہے، لیکن اس کے فرانسیسی ترجمے میں مخطوطے کے پہلے ورق کا عکس شامل ہے ۔ یہاں یہ عبارت پڑھی جاتی ہے: "هذه الارجوزة المسما (ة) بالسّفالية و معنا ها يقتضى معرفة المجارى و القياسات من مليبار و كنكن و جزرات والسند والاطواح الى السيف الطويل و منه الى نواحى السواحل و الزنج و ارض السفال والقمر و جزره و نوادر علوم جميع ما فى تلك النواحى الخ" ۔ فرانسیسی مترجم فیران (Ferrand) کے حاشیے سے واضح ہوتا ہے کہ کراچکوفسکی نے اس مخطوطے پر ایک مختصر حاشیہ ۱۹۳۷ء میں "رسالۂ مجلس جغرافیاے قومی"،

۵۸:۶۹ ـ ۷۶۰ میں لکھا ہے اَور یہ کہ مؤلف ابن ماجد پر ایک مقالہ ایک زیرِ تالیف کتاب ''عربی جغرافیائی ادب'' میں بھی شامل رہے گا].

وہ زمانہ جس کے دوران میں ابن ماجد نے جہاز رانی کے یہ بتّیس رسالے تالیف کیے، ۱۴۶۴ء سے پہلے کی کسی نامعلوم تاریخ اور ۱۴۸۹ ـ ۱۴۹۰ء کے درمیان واقع ہے۔ اس مشہور معلّم کا وہ رسالہ جو اپنی ضخامت اور عملی افادیت دونوں کے لحاظ سے اہمّ ترین ہے بلاشُبہ کتاب الفوائد (عددا) ہے۔ اس میں ۱۷۸ صفحے ہیں، ورق ۱ ب سے ۸۸ الف تک؛ ورق ۴۸ کے بعد ایک ورق ابتدائی ہندسہ اندازی میں چھوٹ گیا تھا۔ اسے ۴۸ مکرر (48-bis.) قرار دیا گیا، کتاب کا ہر صفحہ ۱۹ سطروں پر مشتمل ہے۔ گویا کل ۳۳۸۲ سطریں ہیں، جن میں ایک یا ایک سے زائد سطروں کے ان حواشی (marginal notes) کا بھی اضافہ کرنا چاہیے جو ۲۷ صفحوں پر ہیں۔ یہ کتاب، جو ۱۴۵۹ ـ ۱۴۶۰ء میں مکمّل ہوئی، گویا جہاز رانی کی نظری اور عملی معلومات کا خلاصہ ہے؛ لٰہذا یہ محض ذاتی تجربے اور کوشش کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس سے کچھ زائد اور بہتر ہے۔ ہم اسے قرونِ متوسّطہ کے آخری سالوں کی بحری معلومات کا ایک قسم کا مجموعہ قرار دے سکتے ہیں۔ مزید براں ابن ماجد ازمنۂ جدیدہ کے مؤلّفین علمِ جہاز رانی میں بلحاظ تاریخ قدیم ترین ہے اور اس کی تالیف قابلِ داد ہے، مثلاً اگر عرضِ بلد کی ناگزیر غلطیوں کو نظر انداز کر دیں تو بادبانی کشتیوں کے لیے جہاز رانی کے جو ہدایت نامے مرتب کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ابن ماجد کے اس بیان سے بہتر تو کیا اس کے برابر بھی نہیں ہے جو اس نے بحرِ قلزم کے بارے میں لکھا ہے۔ موسمی ہواؤں، مقامی ہواؤں، سارے بحرِ ہند کو عبور کرنے کے راستوں اور عرض ہائے بلد کے متعلّق اس نے جو معلومات دی ہیں وہ اتنی ہی واضح اور مفصّل ہیں جتنی اس زمانے میں متوقّع ہو سکتی تھیں۔ [بعض اور قابلِ ذکر امور یہ ہیں کہ ورق ۷۲ الف تا ب میں وہ مصریوں اور مغربیوں کے ''قمباص'' (compass، قطب نما) کا اپنے ''بیت الاِبرۃ'' (قطب نما) سے مقابلہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کے سمندر میں تو ہم آسانی سے سفر کر سکتے ہیں، لیکن ہمارے سمندر میں وہ اپنے آلات کی مدد سے ایسا نہیں کر سکتے اور یہ کہ ایک مرتبہ انھوں نے ہم سے حجت کی اور بالآخر انھیں ہماری برتری کا قائل ہونا پڑا۔ ایک اور جگہ (ورق ۷۶ ب تا ۷۷ ب) وہ اس واقعے کا ذکر کرتا ہے کہ ملکوں کے موسم آہستہ آہستہ بدلتے رہتے ہیں].

ایشیا کے برِاعظم اور بحرِ ہند کے جزائر کے مقابلے میں انڈونیشیا سے اسے کم واقفیت تھی، چنانچہ وہ جاوہ کا رخ اس کے اصلی رخ کے بجائے غلطی سے شمالاً جنوبًا بتاتا ہے۔ یہ غلطی، جس کی وجہ معلوم نہیں، سلیمان المَہری کے بحری متون (مخطوطۂ پیرس، عدد ۲۵۵۹) میں بھی موجود ہے، جو سولھویں صدی کے نصف اوّل میں ہوا ہے اور یہیں سے یہ غلطی سیدی علی کے ترکی دیباچے میں بھی داخل ہو گئی۔ یہی ایک اہم تصحیح ایسی ہے جس کی ضرورت ہے۔

مخطوطۂ پیرس، عدد ۲۲۹۲، میں ابن ماجد کی زندگی اور اس کے خاندان کے متعلّق کچھ حالات ضمنی طور پر ملتے ہیں۔ اس کا نام شہاب الدّین احمد بن ماجد بن محمد بن عمر (بعض جگہ: عمرو) بن فضل بن دُوَیک بن یوسف بن حسن بن حسین بن ابی مَعلَق السّعدی بن ابی الرکائب النّجدی ہے (ورق ۲ ب، تحت)۔ وہ اپنے یہ القاب بھی بتاتا ہے: ''دوقبلوں (مکّہ و اورشلم) کا شاعر'' (ناظم القبلتین)، اس نے ان دونوں مقدّس مقامات کی زیارت کی تھی (ورق ۱۳۷ ب)؛ ''رابع اللیوث'' (شیروں کی اولاد) (حاشیہ ۵، تحت) ورق ۱۳۷ الف، ۱۲۸ الف، ۱۴۵ ب، ۱۴۷ ب؛ نیز ''اسد البحر الزّخار'' (ورق ۸۸ ب)۔ ورق ۱۱۷ الف میں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ''میں احمد بن ماجد عرب معلّم (المعلّم العربی) ہوں''.

مخطوطہ عدد ۲۲۹۲ کی بعض عبارتوں سے پتا چلتا ہے کہ ابن ماجد کا باپ اور دادا دونوں معلّم رہ چکے تھے اور بحریات پر کتابیں تالیف کر چکے تھے۔ اس کام کو ان کے بیٹے اور پوتے نے جاری رکھا، چنانچہ ورق ۸۷ الف پر وہ کہتا ہے:

''[بحرِ قلزم کے عربی ساحل کے ضمن میں] یہ کہنا ضروری ہے کہ اس کے متعلّق بہت سی نادرات اور حکمت کی باتیں ہیں، جن کا ذکر وہ شخص ہی کر سکتا ہے جس نے ان کا تجربہ کیا ہو، کیونکہ یہ حاجیوں کے راستے پر ہے اور میرے دادا اس سمندر کے محقّق اور مدقّق تھے اور اس میں کسی [کی برتری] کے معترف نہ تھے۔ میرے والد نے، اللہ ان پر رحم کرے، تجربے اور تکرار سے ان کے علم میں اضافہ کیا تھا، اور ان کا علم ان کے والد کے علم سے بڑھ گیا تھا۔ پھر جب ہمارا یہ زمانہ آیا اور تقریبًا چالیس سال ہم اس کو دہراتے رہے اور ہم نے ان دونوں نادرِ روزگار آدمیوں کے علم کو تحریر و ضبط میں کیا اور اسے مرتب کیا اور خود اپنے تمام تجارب کو بھی، تو ایسی ایسی معلومات اور حکمتوں کا انکشاف ہوا جو ہمارے زمانے میں کسی ایک تنہا شخص کے پاس جمع نہیں ہوئیں، گو ممکن ہے کہ وہ متفرّق لوگوں کے پاس (جستہ جستہ) پائی جاتی ہوں''.

اسی طرح ورق ۸۷ ب پر بھی وہ کہتا ہے کہ ''ملّاح لوگ (ربّانین) میرے والد مرحوم کو (بحرِ قلزم کے) ''دونوں ساحلوں کا ملّاح'' (ربّان البرّین) کہتے تھے۔ انھوں نے مشہور ارجوزۃ الحجازیۃ تالیف کیا، جس میں ہزار سے زیادہ ابیات ہیں، تاہم اس میں ہمیں جو خلل نظر آیا اس کی ہم نے اصلاح کر دی ہے اَور اس میں جو کچھ نہیں تھا اس کا اضافہ کر دیا ہے''۔ اس نظم کا مکرّر ذکر ورق ۸۱ الف پر بھی ہے.

ورق ۸۷ الف پر بحرِ قلزم کے مشرقی ساحل کی ایک نمایاں آبدوز چٹان کا، جو جزیرۂ مرما کے قریب بیس درجہ عرض بلد کے جنوب میں ابھر آئی ہے، ذکر کرتے ہوئے ابن ماجد کہتا ہے کہ ''اکثر لوگ اسے ''ظہرۃُ ماجد'' کا نام دیتے ہیں، کیونکہ والد اس سے اپنے جہاز کو باندھا کرتے تھے (یربط فیہا)''۔ یہ امر اس زمانے کے ملّاحوں میں اس شخص کی شہرت کی دلیل ہے.

مختلف موقعوں پر ابن ماجد نے اپنے باپ کے بیانات پر کامل اعتماد کا اظہار کیا ہے اور پندرھویں صدی عیسوی کے ملّاحوں کے طریق کار سے اختلاف کیا

ہے؛ چنانچہ وہ ورق ۸۴ الف پر کہتا ہے: ''[اللہ کی مشیت کے بعد] اگر مجھے کسی چیز سے سلامتی ملی ہے تو وہ میرے والد کے اقوال تھے نہ کہ ربّان (کی مہارت)''۔ آگے چل کر وہ ایک حقیقی واقعے کا ذکر کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا اپنے باپ کے علم پر بھروسا کرنا بجا تھا؛ چنانچہ ورق ۸۴ ب پر وہ کہتا ہے: ''جب ہم ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء میں وہاں (یعنی اَسماء اور مُسنَد نامی دو جزیروں کے مابین، جو بحر قلزم کے عربی ساحل کی سمت میں سترہ درجے عرض بلد کے جنوب میں واقع ہیں) لنگر انداز ہوئے تو ناخدا اور ربّان (ملّاح) دونوں اس بات پر متفق تھے کہ جزائر اَسماء و مُسنَد کے بیچ میں سے گزرنا چاہیے، مگر میں نے ان کی بات نہ مانی، کیونکہ میں نے اپنے والد کے ارجوزے میں پڑھا تھا کہ: ان (دو جزیروں) کے درمیان ان کے قریب کوئی گزرگاہ نہیں اور اگر [ساحلوں سے] دور رہیں تو آبدوز چٹانوں سے گھر جاتے ہیں اور وہاں صرف ایک گزرگاہ ہے، جس کی گہرائی محض دو باع (fathom) ہے''؛ ہم نے آپس میں مشورہ کیا اور میں نے ان سے کہا ''مناسب رائے یہ ہے کہ ہم اپنے آگے ایک دن پہلے ایک سَنبُوق (چھوٹی کشتی) روانہ کریں''؛ چنانچہ سنبوق پانی کی گہرائی ناپنے کی زنجیر لے کر گئی اور اسے پانی دو باع ہی ملا اور اس سے گہرا کہیں نہیں ملا۔ لوٹتے ہوئے وہ جزائر مسند اور ساسُوہ کے درمیان سے گزری، جہاں اسے راستہ مل گیا اور دن ختم ہونے پر ہمارے پاس پہنچ گئی۔ اس طرح جو بیانات میرے والد کے ارجوزے میں مندرج تھے وہ اس موقع پر ان کی پوری میراث سے بہتر ثابت ہوئے''۔

جہاز رانی، مقناطیسی سوئی، قطب نما اور اصطرلاب (کے آغاز) کی اسطوری تاریخ کے سلسلے میں ابن ماجد (مخطوطۂ عدد ۲۲۹۲، ورق ۲ ب بعد) پر کہتا ہے: ''سب سے پہلے جس نے کشتی تیار کی وہ نوح [علیہ السلام] تھے۔ آپ نے یہ کام جبریل [علیہ السلام] کے اشارے سے کیا تھا، جنھیں باری تعالٰی نے آپ کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا، یہ (کشتی) بنات النعش کے پانچ ستاروں کی صورت پر بنائی گئی تھی؛ اس کا پچھلا حصّہ (''عجز'') تیسرے تارے کی جگہ تھا (ورق ۳ الف) اس کا پیندا (ہیراب =Keel) چوتھے، پانچویں اور چھٹے تارے کی جگہ تھا اور اس کا اگلا حصّہ (''صَدر'') ساتویں تارے کی جگہ تھا۔ ہمارے زمانے (۱۴۸۹ء) میں بھی الزَّنج (استوائی افریقہ کے مشرقی ساحل)، قُمُر (مدغاسکر)، الریم (مریمہ، افریقہ کا ساحل، جو زنجبار کے بالمقابل ہے) اور علاقہ سفالہ کے لوگ بنات النعش (یعنی دُبِ اکبر) کے پانچویں اور چھٹے تارے کو الہیراب (یعنی کشتی کا پیندا) ہی کہتے ہیں''۔

''الصَّرفہ (اسد کے ستارۂ ب) کے استقلال (culmination) کے وقت انھیں دو تاروں سے (عرض بلد کا) قیاس کیا جاتا ہے، جبکہ فراقد (= دُبِ اصغر کے ستارہ ہاے ب و ج) غیر موجود ہوں — کیونکہ ان کی شکل سفینۂ نوحؑ کے پیندے کی سی ہے۔ اس (سفینۂ نوحؑ) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا طول چار سو ہاتھ (''ذراع'') تھا، عرض ایک سو ہاتھ اور مستولوں کو نکال کر گہرائی (بلندی) ایک سو ہاتھ تھی، کشتی کے پچھلے حصّے میں دو چپّو (''مقذاف'') تھے، جو پتوار (rudder) کا کام دیتے تھے، جب یہ کشتی مکمّل ہو گئی اور طوفان آیا تو نوح علیہ السلام ان سب کے ساتھ جنھیں ان کے ہمراہ جانا تھا اس میں سوار ہو گئے، وہ انھیں لے چلی اور انھیں طوفان اور غرق ہونے سے بچا لیا۔ کہتے ہیں کہ اس (کشتی) نے اس مقام کے گرد سات چکر لگائے جہاں بعد ازاں کعبہ تعمیر ہونے کو تھا۔ یہ مقام اس وقت سرخ ریت کا علاقہ تھا، جہاں کوئی عمارت نہیں بنائی جاتی تھی اور طوفان کی وہاں تک رسائی نہیں ہوئی''۔

''جب (ورق ۳ ب) کشتیِ نوحؑ [کوہ جودی پر] ٹھیر گئی اور ان تمام ممالک میں جنھیں اللہ تعالٰی نے آدمِ ثانی حضرت نوحؑ کے بیٹوں، یعنی یافث، سام اور حام میں تقسیم کر دیا، سمندری ساحلوں کے ساتھ ساتھ رہنے والے لوگوں نے جہاز سازی سیکھ لی تو ہر ایک نے سمندر سے قریب ملکوں، بحیروں، خلیجوں اور بحر محیط کے کناروں پر کشتیاں بنانا شروع کر دیں، یہاں تک کہ دنیا میں بنوعبّاس کا دور آیا (۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء)۔ ان کا دارالسلطنت بغداد تھا، جو عراق عرب میں واقع ہے۔ تمام خراسان بھی انھیں کے قبضے میں تھا اور خراسان سے بغداد تک تین چار مہینے کی مسافت ہے''۔

''اس زمانے (یعنی بنی عبّاس کے عہد) میں تین مشہور آدمی گزرے ہیں، یعنی محمد بن شاذان، سَہل بن اَبان اور لَیث بن کَہلان (نہ کہ ابن کاملان)۔ میں نے یہ بات اس (سہل) کے پوتے (اسمٰعیل بن حسن بن سہل) کی ایک تحریر، یعنی رَہمانی (یارہ مانگ، پہلوی راہ نامگ = راہنمہ، دیکھیے حاشیہ ۶، تحت)، مؤرّخہ ۵۸۰ھ/ ۱۱۸۴-۱۱۸۵ء میں دیکھی ہے۔ ان لوگوں نے اس رہمانی کی تالیف کی طرف توجّہ کی جس کا آغاز الفاظ ''انّا فتحنا لک'' سے ہوتا تھا اور جس میں نہ تو کوئی ارجوزہ تھا اور نہ کوئی قید (record)، بلکہ ایک ایسی تحریر جو ملفّق (پیوند دار) تھی، جس کا نہ کوئی آخر تھا اور نہ اس میں کوئی صحت تھی، مگر جس میں اضافہ بھی کیا جا سکتا تھا اور کمی بھی۔ [دراصل] یہ لوگ مؤلّف تھے نہ کہ مصنّف۔ وہ بحری سفر بھی کرتے تھے تو صرف سیراف سے ساحلِ مکران تک (ورق ۴ الف)۔ سیراف سے مکران تک وہ سات دن میں پہنچتے تھے اور مکران سے خراسان تک ایک مہینے میں۔ اس طرح انھوں نے راستے کو مختصر کر دیا ورنہ [اس سے پیشتر] بغداد سے یہ تین ماہ کی مسافت تھی۔ انھوں نے ہر ملک میں ساحل کے لوگوں سے وہاں کے حالات دریافت کرنا شروع کیے اور انھیں تاریخ وار مرتّب کرتے گئے''۔

''ان کے زمانے کے مشہور معلّموں میں عبدالعزیز ابن احمد المغربی، موسٰی القَنذَرانی اور میمون ابن خلیل تھے اور ان سے پہلے احمد بن تبرُوَیہ تھا کہ اس نے بھی جہاز رانی پر کتابیں لکھی تھیں اور اسی کی کتابوں سے انھوں نے اپنا مواد اخذ کیا تھا؛ نیز معلّم خواشیر بن یوسف بن صلاح الاَرکی کے سفر نامے (وصف) سے، جو ۴۰۰ھ/ ۱۰۰۹-۱۰۱۰ء اور اس سے متّصل زمانے میں دَیبُوہ کرہ الہندی کے جہاز میں سفر کیا کرتا تھا۔ ان کے زمانے کے مشہور ناخداؤں میں احمد بن محمد بن عبدالرحمٰن

ابن ابوالفضل بن ابوالمُغَیری یا المُغیِری تھا۔ ان کا علم زیادہ تر [اپنے] ساحلوں (برور) اور دیگر ساحلوں کے بارے میں تھا، جو زیادہ تر ہوا کے نیچے (تحت الریح) واقع تھے (یعنی وہ ممالک جو راس کماری کے مشرق میں واقع ہیں)، نیز ساحلِ چین کے بارے میں؛ مگر یہ بندرگاہیں اور شہر (جن کا انھوں نے ذکر کیا ہے) اب ناپید ہوچکے ہیں، بلکہ ان کے نام بھی غیر معروف ہوگئے ہیں (تَنَکَّرَت)؛ لہٰذا ان سے کوئی ایسی چیز حاصل نہیں کی جاسکتی جس میں وہ صحت پائی جائے جو ہماری اس کتاب میں مندرجہ معلومات، تجارب اور نئی دریافتوں میں موجود ہے، کیونکہ یہ ایسی کتاب ہے جس میں ہر چیز کی جانچ اور تصدیق تجربے سے کی گئی ہے اور تجربے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ سابق مصنّفین جس نقطے تک پہنچے ہوں اسی سے ان کے بعد آنے والوں کو شروع کرنا چاہیے؛ اور ہم ان کے علم اور تالیفات کی قدر کرتے ہیں؛ اللہ ان پر رحم کرے! ہم نے ان کے کام کو یہ کہہ کر خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ: ''میں ان تین کے بعد چوتھا ہوں (أنا الرابع بعد الثلاثة)''؛ البتہ بعض موقعوں پر سمندر سے متعلّق ہماری اس کتاب کے ایک ورق میں اس سے زائد بلاغت، صحت، کارآمدگی اور قیمتی مشورہ موجود ہے جتنا کہ ان کی سب تالیفات میں ہے'' (ورق ۴ ب).

''ان تینوں شخصوں نے اپنا طرزِ بیان (وصف) اور اپنی قوت ان لوگوں سے اخذ کی ہے جن کا ذکر ہوا، نیز بعض دوسرے لوگوں سے۔ [ان کا معمول یہ تھا کہ] وہ ہر ایک شخص سے اس کے اپنے ساحل اور سمندر کے متعلّق معلومات حاصل کیا کرتے تھے اور ان معلومات کو مدوّن کرلیتے تھے۔ گویا یہ لوگ مؤلّفین ہیں نہ کہ مجرّبین اور میں اپنے سوا کسی ایسے چوتھے شخص سے واقف نہیں جس کا نام ان تین کے ساتھ لیا جاسکے۔ میں نے یہ کہہ کر کہ میں ان میں کا چوتھا ہوں ان کی بزرگی اور عظمت کا اعتراف اس لیے کیا ہے کہ وہ تقویم ہجری (یعنی صرف زمانے) میں مجھ سے متقدّم ہیں۔ میرے مرنے کے بعد ایسا زمانہ اور ایسے لوگ یقیناً آئیں گے، جو ہم میں سے ہر ایک کو اس کا صحیح مقام عطا کریں گے۔ جب میں نے ان (پیشروؤں) کی تالیف سے آگاہی حاصل کی اور دیکھا کہ وہ ناقص ہے، جس میں نہ تو ضبط و تدوین اور صحت ہے اور نہ کوئی ترتیب، تو میں نے اس میں ان چیزوں کو (انتخاب کرکے) ترتیب دی جو صحیح تھیں اور ان نئی باتوں کا ذکر کیا جو میری اختراع ہیں اور میری تصحیح اور سالہا سال کے تجربوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ امور میں نے اپنے ارجوزوں، قصیدوں اور اس کتاب میں بیان کردیے ہیں جو ۸۸۰ھ/ ۱۴۷۵-۱۴۷۶ء (دیکھیے حاشیہ ۷، تحت) میں مکمّل ہوئی۔ اس فن کے ماہرین نے اس کتاب کو پسند کیا ہے، اسے استعمال کیا ہے اور مشکلات کے وقت اس پر اعتماد کیا ہے، مثلاً پہاڑوں کی ہیئت، (ستاروں سے عرضِ بلد کے) قیاسات، ستاروں کے نام اور ان کی شناخت اور ان کی رہنمائی سے جہاز رانی۔ متقدّمین سے جو معلومات ہم تک پہنچی ہیں میرے معاصرین کا علم ان سے کچھ زیادہ نہیں، مثلاً مناسب بحری گزرگاہوں، الترفات (یعنی ان معامل (coefficients) کا، جن سے پتا چلتا ہے کہ کسی راس تک پہنچنے کے لیے کتنی مسافت طے کرنا پڑے گی تاکہ عرض بلد میں اتنی ہی تبدیلی پیدا کرلی جائے جتنی شمالاً اس کے راستے میں) اور الرحبات کے بارے میں۔ انھیں فاصلوں کا بھی کوئی علم نہ تھا، چنانچہ ہم اس کا ذکر اپنے ارجوزۃ الذھبیة (حاشیہ ۸، تحت) میں کرچکے ہیں اور کسی اور مقام پر دوبارہ اس کی طرف اشارہ کریں گے''۔

''حقیقت یہ ہے کہ متقدّمین ان امور میں زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے اور شدّتِ حزم اور سمندر کے خوف اور ڈر کے باعث صرف انھیں لوگوں کی ہمراہی میں سمندری سفر اختیار کرتے تھے جو سمندر سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ لوگ جہاز کو اچھے ساز و سامان (اعتداد) سے لیس کرتے، موسم سے ہرگز تاخیر نہ کرتے اور جہاز پر معمول سے زیادہ بوجھ نہیں لادتے تھے۔ ہم علم اَور تجربے میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ فنونِ بحری میں سے ہر فن کا کوئی نہ کوئی موجد ہے۔ کشتی کے موجد جیسا کہ ہم نے بیان کیا، نوح [علیہ السّلام] ہیں۔ باقی رہا مقناطیس، جس پر لوگ اعتماد کرتے ہیں (ورق ۵ الف) اور جس کے بغیر [جہاز رانی کا] فن مکمّل نہیں ہوتا اور جو قطبین کی سمت بتاتا ہے، تو وہ داؤد [علیہ السلام] کی دریافت ہے۔ یہی وہ پتھر ہے جس سے [حضرت] داؤد[ع] نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ جہاں تک چاند کی منزلوں اور برجوں کا تعلّق ہے، انھیں دانیال [علیہ السلام] نے معیّن کیا تھا، جس میں [نصیر الدین] الطوسی (م ۱۲۶۱ء) نے اضافے کیے۔ [اس کے بعد ابن ماجد نے قطع کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طوسی اور فردوسی ہم عصر تھے اور یہ کہ فردوسی کتاب مقاتل شُجعان العرب (؟الفرس) کا مصنّف ہے اور بحیثیت شاعر ایرانیوں میں ویسا ہی اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے جیسا امرؤالقیس کو عربوں میں حاصل ہے؛ نیز یہ کہ فردوسی اور طوسی ایک ہی قافلے کے ساتھ طوس سے نکلے، پھر سولہ سال تک ایک دوسرے سے غائب رہنے کے بعد شہر [طوس] میں دوبارہ داخل ہوتے وقت ان کی ملاقات ہوئی تو طوسی نے اپنی تالیفات کا ذکر کیا اور فردوسی نے اپنی مثنوی (شاهنامه) کا اور دوست کی خواہش پر اس مثنوی میں سے یہ شعر سنایا:

بترس از خدا و میازار کس
ره رستگاری همینست و بس

''خدا سے ڈر اور کسی کو ایذا نہ پہنچا۔ نجات کا طریقہ فقط یہی ہے''.

اس پر طوسی نے اعتراف کیا کہ یہ بیت میری سب تالیفات کا خلاصہ ہے۔ اس قطع کلام کے بعد ہم اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں]۔ ''رہے جہت نما ستارے اور ان کے نام تو یہ ایک قدیم تصنیف (میں) پائے جاتے ہیں جو مذکورۂ بالا شیروں (یعنی مؤلّفوں) سے پہلے کی ہے، مگر یہ جہات (جو اس کتاب سے معلوم ہوتی ہیں) محض تقریبی ہیں اور اس کے اَزوام (زام = تین گھنٹے کی بحری مسافت) بھی تقریبی ہیں، یقینی نہیں (یعنی ستاروں کی حرکت کا رُخ جو ان میں دیا گیا ہے اور ان کی مدّت، جو زام کے ذریعے ظاہر کی گئی ہے، یقینی نہیں بلکہ تقریبی ہے)۔ اسی طرح ان سواحل کا بیان جو ہمیں تجربے کی بنا پر معلوم ہیں ہم نے احتیاط

سے لکھا ہے اور بار بار کے تجربے نے ہماری رہنمائی کی ہے اور اُن ساحلوں کے حالات جن سے ہم گزرے ہیں (ہمارے نزدیک) ان کی تصنیف سے بہتر ہیں......''

''رہابیت الابرہ (قطب نما) میں مقناطیس لگانا [اصل میں ''الابرہ'' سے پہلے ''بیت'' کا اضافہ کر دیا گیا ہے، جو بظاہر غلط ہے۔ اس کے بغیر عبارت (ضرب الابرۃ بالمغناطیس) زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، یعنی (قطب نما کی) سوئی میں مقناطیسی قوّت پیدا کرنا (magnetizing the needle)]؛ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دانیال [علیہ السّلام] کی ایجاد ہے کیونکہ وہ لوہے اور اس کے خواص سے بخوبی واقف تھے؛ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خضر (بذیل مادّہ) [علیہ السّلام] کی دریافت ہے۔ جب وہ آبِ حیات کی تلاش میں نکلے اور تاریکی اور اس کے سمندر (= بحرِ ظلمات) میں گھس گئے اور قطبوں میں سے ایک کا رُخ کیا (اور چلتے رہے) تا آنکہ آفتاب ان کی نگاہ سے اوجھل ہوگیا، تو کہا جاتا ہے کہ انھیں مغناطیس (قطب نما) کی مدد سے راستہ ملا، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ روشنی کی مدد سے راستہ ملا۔ مغناطیس (ورق ۶ الف) ایک پتھر (lode-stone) ہے، جو صرف لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسی طرح مغناطیس ہر وہ شے ہے جو اسے (یعنی لوہے کو) اپنی طرف کھینچے۔ کہا جاتا ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین مغناطیس اور اللہ تعالٰی کی قدرت کے ذریعے معلّق ہیں۔ مغناطیس کے بارے میں لوگوں نے بہت سی باتیں کہی ہیں، [لیکن میں نے ان میں سے کسی سے استشہاد نہیں کیا سوائے اپنے ایک طویل منظوم قصیدے کے اس شعر کے:

دیارُک مغناطیسُ رِجلای اِنْ [مَشَیتُ]

و شخصُک مغناطیسُ قلبی و ناظری

تیرا دیار میرے پاؤں کے لیے جب بھی میں چلوں، مقناطیس ثابت ہوتا ہے اور تیری ذات میرے دل اور میری آنکھوں کے لیے مقناطیس کا کام کرتی ہے''].

ابن ماجد یہ بھی بیان کرتا ہے (ورق ۱۴ الف، نیچے سے تیسری سطر ہے) کہ ''اصطرلاب کی مدد سے قیاس (یعنی مشاہدۂ کواکب) کی ایجاد کا سہرا ادریس [(بذیل مادّہ) علیہ السّلام] کے سر ہے۔ آپ ہی اصطرلاب الدرج کے موجد ہیں اور [قدیم] لوگوں نے درجوں کو اصابع (انگلوں) میں تبدیل کر دیا۔ انھوں نے اس کا ذکر تانبے کے شہر کی کہانی (حاشیہ ۹، تحت) میں بھی کیا ہے۔ اصطرلاب کو محمد بن شاذان اور اس کے دونوں ساتھیوں نے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں نے مرتب کیا ہے، کیونکہ جہازوں کا بڑے سمندر میں (اصطرلابی) قیاس کی مدد سے سفر کرنا انبیا [علیہم السّلام] کے زمانے سے چلا آتا ہے اور یہ تینوں تو عباسی عہد میں ہوئے۔ یہ بات خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابوں (تواریخھم) سے منقول ہے''.

ابن ماجد نے اپنے پیشرووں کو یہ کہہ کر داد دی ہے کہ وہ ''تین کے بعد چوتھا'' یا ''شیروں میں چوتھا'' ہے، لیکن وہ اس بات سے نہیں چوکا کہ ملّاحوں کو ان کی تالیفات کے نقائص اور اغلاط پر مُتنبّہ کرے اور ان کا مقابلہ اپنی تصنیف الحاویۃ کے وسیع استنادات سے کرے؛ چنانچہ وہ کہتا ہے (مخطوطۂ ۲۲۹۲، ورق ۳۱ الف): ''سہیل قطب جنوبی سے نوروز کے دو سو بائیسویں دن بعدِ فجر طلوع ہوتا ہے اور نوروز کے چالیسویں دن سے غائب ہو جاتا ہے۔ اگر تم جہاز رانوں میں سے کسی سے اس کے متعلّق پوچھو تو وہ ہرگز کچھ نہ بتا سکے گا، بلکہ اگر اس نے اس (ہماری) تالیف کا مطالعہ نہیں کیا ہے تو وہ اس سوال کا جواب ہرگز نہ دے سکے گا، خواہ اس نے محمد بن شاذان اور اس کے ساتھیوں کی تصانیف ایک سو سال تک کیوں نہ رٹی ہوں''۔ مخطوطہ ۲۵۵۹ (ورق ۱۲۶ ب، سطر ۵ ببعد) کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''قدما'' یعنی مذکورۂ بالا تین اشخاص کی تالیفات سولھویں صدی کے نصف اوّل تک مستعمل تھیں.

ابن ماجد کے بیان کے مطابق یہ تینوں، یعنی محمد بن شاذان، سَہل بن ابان اور لیث بن کہلان، نہ تو معلّم (= افسر جہاز رانی) تھے اور نہ ماہرینِ جہاز رانی یا ملّاح، بلکہ محض ہدایاتِ جہاز رانی اور بحری راستوں کی کتابوں کے فاضل مؤلف تھے اور انھوں نے اپنی تالیفات میں بحری سفروں کے تذکروں سے استفادہ کیا تھا۔ کتاب الفوائد (عددا) کی متعلّقہ عبارت سے دو اَور معیّن باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں، یعنی یہ تینوں، یا کم از کم سہل بن ابان، بارھویں صدی کے [اور صحیح یہ ہے کہ دسویں صدی کے، دیکھیے حاشیہ ۶ الف، تحت] نصف اوّل کے اشخاص ہیں اور جن بحری سفروں کے تذکروں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بالخصوص ہوا کے نیچے کے (یعنی راس کماری کے مشرق اور چین کے) ممالک کے حالات پر مشتمل تھے۔ یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان تینوں کی تالیفوں کا ماخذ ہند، ہند ماوراے گنگا، انڈونیشیا اور چین کے سفرنامے ہوں گے، مثل سلیمان التاجر کے سفرنامے کے، جو ۸۵۱ء میں لکھا گیا تھا اور جس کی تصحیح اور تکمیل تقریبًا ۹۱۶ء میں (حاشیہ ۱۰، تحت) ابو زید حسن نے کی تھی؛ ابو زید علمِ جغرافیہ سے دلچسپی رکھتا تھا، بغداد میں اس کی سکونت تھی اور قلمی کتابوں سے نیز اپنے زمانے کے ملّاحوں سے جو معلومات حاصل ہو سکتی تھیں ان سب کو اس نے جمع کیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی ان تین اشخاص نے بھی کیا ہوگا جن کا کام ابن ماجد کہتا ہے کہ اس نے جاری رکھا، کیونکہ وہ بالخصوص یہ جتاتا ہے کہ دوسرے لوگوں سے اس کی حیثیت اس لحاظ سے مختلف تھی کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے طویل ذاتی تجربے کی بنا پر لکھا ہے.

بقول ابن ماجد مذکورۂ بالا تین آدمیوں کی تصانیف میں بعض ایسی بندرگاہوں اور شہروں کا ذکر تھا جو پندرھویں صدی عیسوی میں معدوم ہو چکے تھے۔ اس سے مراد مقامات کے قدیم نام ہیں جن سے چینی کتابوں اور بطلمیوس کی فہرستوں میں بیان شدہ جغرافیائی ناموں کو پہچاننے میں بڑی مدد ملتی۔ اگرچہ معلومات کا یہ ماخذ اب گم ہو چکا ہے، تاہم یہ معلوم کرنا بجائے خود اہم ہے کہ ایسی ایک چیز کبھی موجود تھی۔ مشرق میں ہر بات ممکن ہے یعنی ان تینوں، نیز احمد بن تبرویہ اور خواشیر بن یوسف بن صلاح الارکی کی تالیفات کے قلمی نسخوں کے

دستیاب ہونے کا امکان باقی ہے۔ پیرس کے کتب خانۂ اہلیہ میں مخطوطات عدد ۲۲۹۲ اور ۲۵۵۹ کو حاصل کر لینا ایک حُسنِ اتفاق ہے جس کے دوبارہ ظہور میں آنے کی ہمیشہ توقّع کی جا سکتی ہے۔

کتاب الفوائد (عدد ۱)، جس کا مذکورۂ بالا خلاصہ اور اقتباسات اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن ماجد کے پختہ تجربے کا نتیجہ ہے۔ اس کی تاریخ پیدائش ہمیں معلوم نہیں۔ اگر اس کی عمر حاویۃ (عدد ۲) کی تالیف کے وقت پچیس یا تیس سال کی ہو تو اس کتاب الفوائد کی تالیف کے وقت اس کی عمر باون یا ستاون سال کی ہوگی اور نظم عدد ۶ کی تالیف کے وقت، جس کی تاریخ ۱۴۹۴–۱۴۹۵ء ہے، چھپن تا ترپن (کذا) یا تریسٹھ (کذا) سال کی ہونا چاہیے۔ اس کے تین چار سال بعد ۱۴۱۸ء میں واسکودی گاما مِلندی پہنچا، جہاں ابن ماجد رہنمائی کے لیے اس کے جہاز پر سوار ہوا۔ ہمیں اس معلّم کی تاریخ وفات بھی معلوم نہیں۔ پرنسپ (James Prinsep) کہتا ہے کہ ابن ماجد کی یاد ہند اَور محلذیب (مالدیپ) میں انیسویں صدی کے نصف اوّل تک تازہ تھی۔ وہ لکھتا ہے: ''لٰہذا میں نے کوشش کی کہ ایک عربی قطب نما حاصل کروں، مگر تمام جہازوں میں ایک بھی نہ ملا۔ آخر کار میرے دوست سید حسین سِیدی کو اس کی تصویر ایک کتاب میں ملی، جو عملی جہاز رانی کے متعلّق تھی۔ اس کا نام ماجد کتاب یعنی ماجد کی کتاب تھا یا جیسا کہ میرے محلذیبی دوست نے از راہ مزاح کہا: ''عربوں کی جان ہیملٹن کتاب''۔ یہ کتاب ایک ناخدا کے پاس تھی۔ سید حسین نے وہ صفحہ [جس میں تصویر تھی] مجھے دکھانے کے لیے بلا تکلف پھاڑ لیا، کیونکہ ناخدا کتاب کسی کو دینا نہ چاہتا تھا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کے بغیر اسے واپسی کا سفر انجام دینے میں بڑی دشواری پیش آتی (*Notes on the Nautical Instruments of the Arabs*، در *JASB*، ۱۸۳۶ء، ۲: ۷۸۸)۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب سے مراد ہمارے مخطوطات عدد ۲۲۹۲ اور ۲۵۵۹ کے مماثل کوئی رسالہ ہوگا جس میں ان آلات کی شکلیں ہوں گی جو جہاز رانی میں مستعمل تھے اور شاید بحری نقشے بھی، یا شاید مخطوطہ عدد ۲۲۹۲ ہی کا کوئی نسخہ ہو جس کے باعث اسے ماجد کتاب کا نام دیا گیا تھا۔ R. F. Burton اپنی کتاب بعنوان *First Footsteps in East Africa or Exploration of Harar*، (لنڈن ۱۸۵۶ء، ص ۳–۴) میں ذیل کا واقعہ بیان کرتا ہے: ''اتوار ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ہمارے کثیر سامان و اسباب کے متعلّق اعلان کیا گیا کہ وہ جہاز پر لاد دیا گیا ہے اور میرے دوست ''ایس S'' نے میری پیٹھ پر برکت کا چپّل مارا، اور تقریباً چار بجے ہم بندرگاہ مُعَلّی (عدن کا وہ حصّہ جو دیسی کشتیوں کے لیے مخصوص ہے) میں جہاز پر سوار ہوے۔ ہم نے اپنی ''ململ'' (بادبانوں) کو پھیلایا اور اس آتشیں بندرگاہ سے سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ہم نگرانِ کشتی کے سامنے سے گزرے تو ہم نے اپنا اجازت نامہ اس کے سپرد کر دیا۔ کھلے سمندر کے جوکھم میں پڑنے سے قبل ہم نے شیخ ماجد (کذا) کے لیے، جو بحری قطب نما کا موجد تھا، فاتحہ پڑھی اور جب شام آئی تو ہم نے دیکھا کہ ہمارا جہاز سمندر کی صاف شفاف موجوں پر خراماں خراماں جا رہا ہے''۔ برٹن ایک حاشیے میں یہ بھی اضافہ کرتا ہے: ''اگر اہلِ مشرق دائرے یعنی قطب نما جیسی چیز کی ایجاد کے متعلّق بھی کوئی افسانہ نہ گڑھ لیتے تو یقیناً حیرت کی بات ہوتی۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ ماجد ایک شامی ولی تھے، جنھیں اللہ نے یہ قوت عطا کی تھی کہ وہ [کرۂ] زمین کو اس نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ ان کے ہاتھ میں ایک گیند ہے۔ اکثر مسلمان قطب نما کے اس طرح پانے کے مسئلے میں متفق ہیں اور دیندار ملّاح اب بھی اس ولی کے لیے فاتحہ پڑھا کرتے ہیں''۔ یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ شیخ ماجد کوئی شامی ولی نہیں، بلکہ محض معلّم ابن ماجد ہے، جسے اس کی ان خدماتِ جلیلہ کے عوض جو اس نے پندرھویں صدی عیسوی میں جہاز رانی کے متعلّق تالیفات لکھ کر سر انجام دی تھیں ایک ولی کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ جس طور پر تبدیلِ شخصیت کا یہ عمل پیش آیا وہ بالکل عیاں ہے اور اس قسم کی اور بھی متعدّد مثالیں موجود ہیں۔

۱۹۱۳ء میں میرے مرحوم رفیقِ کار اور دوست اوتاوی (Paul Ottavi) نے، جو زنجبار اور مسقط میں تقریباً پندرہ سال مقیم رہے، ان بحری مرکزوں میں ابن ماجد اور سلیمان المَہری کی بحریاتی تصانیف کی تلاش کی، مگر معلوم ہوا کہ وہاں کے مسلمان ملّاح ان دو معلّموں کے نام تک سے ناواقف ہیں۔

[ابن ماجد کے تین نئے بحری رہنما لینن گراڈ کے مخطوطے کی اساس پر شوموفسکی (Theodore Shumovski)، نے ۱۹۵۷ء میں روس میں شائع کیے ہیں۔ ان میں عربی متن مخطوطوں کے عکس کی صورت میں ہے، ان کا روسی ترجمہ بھی ہے اور ایک مفصّل اور خاصا مفید مقدّمہ بھی روسی زبان میں ہے۔ کئی اشاریے اور ایک جغرافیائی نقشہ بھی ہے۔ کتاب کی جلد پر عربی نام ثلاثۃ ازھار فی معرفۃ البحار چھپا ہے اور اندر پہلے سرلوح پر ثلاث رھمانجات المجھولۃ۔ یہ دونوں نام غالباً طابع کی ایجاد ہیں۔ بہرحال وہ تینوں منظوم رسالے یہ ہیں:

(الف) الارجوزۃ المسما (ۃ) بالسفالیۃ و معناھا یقتضی معرفۃ المجاری والقیاسات من ملیبار و کنکن و جوزرات والسند والاطواح الی السیف الطویل ومنہ الی نواحی السواحل والزنج وارض السفال والقمر وجزرہ الی آخر الارض من الجنوب . . . اختراع رابع الثلاثۃ حاج الحرمین الشریفین شہاب الدّین احمد بن ماجد۔ یہ رسالہ خاص طور پر پاکستانی ملّاحوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا، ستائیس صفحے، ہر صفحے میں تیس سطریں۔

(ب) (الارجوزۃ) المسماۃ الملعقیۃ (کذا) من بر الھند الی بر سیلان و ناک باری و شمطرۃ و بر السیام و ملعقۃ (کذا)، جاوۃ و ما کان فی طریقھم من الجزر والشعبان ومناتخھن وصفتھن والبلدفیھن، وقفاصی وغیرھا وجمیع ما یتعلّق بہ المشارق، والجنوب والغور، والصین الی حدود الحزات الشارفۃ علی البحر المحیط الذی لا خلفہ سوی جبل قاف، وہی نظم رابع الثلاثۃ احمد بن ماجد؛ چودہ صفحے، ہر صفحے میں بیس سطریں۔ غالباً ملعقیہ (Malacca) کی وجہ تسمیہ یہ ہے

کہ وہ نقشے میں ایک چمچے (ملعق) کی طرح نظر آتا ہے۔ قفاصی (Celebes?) کا تعلّق جزائر انڈونیشیا و ملایا سے ہے۔

(ج) هذه الارجوزة التائية وهي من جدة الى عدن في وصف المجاري و القياس في البحر الكبير، قالها حاجّ الشريفين رابع الليوث شهاب الدّين، تین صفحے، ہر صفحے میں اکیس سطریں]۔

مآخذ: (۱) V. Hammer: *Extracts from the Mohi't, that is the Ocean, A Turkish work on Navigation in the Indian Seas*، در JASB، ۱۸۳۴ء، ص ۵۴۵-۵۵۳؛ ۱۸۳۶ء، ص ۴۴۱-۴۶۸؛ ۱۸۳۷ء، ص ۸۰۵-۸۱۲؛ ۱۸۳۸ء، ص ۷۶۷-۷۸۰؛ ۱۸۳۹ء، ص ۸۲۳-۸۳۰؛ (۲) D. Lopes: *Extractos da historia da conquista do Yaman pelos Othmanos*، مقالہ جو بین الاقوامی مستشرقین کانگریس کے دسویں اجلاس، منعقدکردہ مجلس جغرافیہ، لزبن، ۱۸۹۲ء میں پیش کیا گیا؛ (۳) L. Bonelli: *Del Muḥît o descriz ione dei mari delle Indie 'dell' ammiraglio turco Sidî 'Ali detto Kiâtib-i-Rûm*، در RRAL، ۱۸۹۴ء، ص ۷۵۱-۷۷۷؛ (۴) وہی مصنف: *Ancora del Muḥît o descrizione die mari delle Indie*، وہی رسالہ ۱۸۹۵ء، ص ۳۶-۵۱؛ (۵) M. Bittner: *Zum Indischen Ocean des Seidî 'Alî*، در WZKM، ج ۱۰؛ (۶) M. Gaudefroy و Demombynes: *Les sources arabes du Muḥît turc*، در JA، سلسلہ ۱۰، ج ۲۰، ۱۹۱۲ء، ص ۵۴۷-۵۵۰؛ (۷) G. Ferrand: *Relations de voyages et textes géographiques arabes, persans et turks relatifs à l' Extrême-Orient du VIII^{e} au XVIII^{e} siècles*، پیرس ۱۹۱۴ء، ۲: ۴۸۴-۵۴۱؛ (۸) وہی مصنف: *Le pilote arabe de vasco de Gama et les instructions nautiques des Arabes au XV^{e} siécle*، در *Annales de géographie*، پیرس ۱۹۲۲ء، ص ۲۹۰-۳۰۷؛ (۹) وہی مصنف: *Instructions nautiques et routiers arabes et portugais des XV^{e} et XVI^{e} siècles, i, Le pilote des mers de l' Inde, de la Chine et de l' Indonésie, par Šihāb-ad-dīn Aḥmad bin Mājid*، عربی متن، پیرس ۱۹۲۳ء (اس کے بعد سلیمان المَہری کی تالیف کا متن اور ترجمے کی جلدیں شائع ہوں گی)؛ (۱۰) وہی مصنف: *L' élément persan dans les textes nautiques arabes des XV^{e} et XVI^{e} siècles*، در JA، ۱۹۲۴ء، ص ۱۹۳-۲۵۷۔

حواشی:

۱- یورپ اور مشرق میں اس کے متعدد نسخے موجود ہیں۔

۲- مخطوطۂ پیرس، عدد ۲۲۹۲ کا ایک اَور نسخہ اتفاق سے دمشق میں ابھی دستیاب ہوا ہے، جسے وہاں کی المجمع العلمی العربی کے کتب خانے میں منتقل کر دیا گیا ہے، دیکھیے مجلّة المجمع العربی، فروری ۱۹۲۱ء، دمشق، ص ۳۳-۳۵۔ مخطوطۂ پیرس، عدد ۲۵۵۹ کا ایک اَور لیکن ناقص نسخہ جدّے میں [شیخ محمد نصیف کے ہاں] ملا ہے، جہاں ہمارے رفیق احمد زکی پاشا نے ازراہِ عنایت ہماری درخواست پر تلاش کی تھی [ایک مخطوطہ اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانے میں بھی ہے]۔

۳- اس مخصوص شیعی تعبیر کے استعمال سے بظاہر یہ پتا چلتا ہے کہ یہ مؤلّف خود بھی شیعی تھا، یا کم از کم شیعیانِ علی کی طرف مائل تھا۔

۴- نَتَخ کا مطلب یہاں اس کے مخصوص مفہوم میں لیا جانا چاہیے، یعنی کسی راس یا کسی خشکی کا جائزہ لینا تاکہ صحیح راستے کا پتا چلایا جا سکے۔

۵- اپنے پیشرو لیث بن کہلان کے نام کی رعایت سے مراعاتِ لفظی ("لیث" عربی میں شیر کو کہتے ہیں)۔

۶- اس اہم اصطلاح کے لیے قب JA، ۱۹۲۴ء، ص ۲۰۹-۲۱۵۔

[۶- الف- اصل عربی عبارت یوں ہے: "راهمانی تاریخه خمسمائة و ثمانين سنة"۔ مقالہ نگار نے اس کا ترجمہ "مؤرخہ ۵۸۰ھ" کیا ہے لیکن "تاریخہ" کے معنی "اس کی قدامت" بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ *Sur d' anc- iennes instructions nautiques arabes pour les mers de l' Inde*، کے عنوان سے سوواژے (J. Sauvaget) نے رسالہ JA، پیرس ۱۹۴۸ء، ص ۱۱-۲۰ میں تفصیل سے ظاہر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عجائب الهند کے راویوں کے ناموں سے مقابلہ کرنے سے یہ پایا جاتا ہے کہ یہ تینوں مؤلّف ہم عصر تھے۔ اس طرح یہ مؤلّف دسویں صدی کے قرار پاتے ہیں کیونکہ زیرِ بحث کتاب ۸۹۵ھ کی تالیف تھی اور اس سے (۵۸۰) سال قبل ۳۱۵ھ چل رہا تھا۔ تاہم تاریخه خمس مائة وثمانين کا یہ مطلب بھی کہ وہ پانسواسّی سال پرانی ہے، بہت مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ یہ اس کا سنِ تالیف ہے اور مؤلّف کا زمانہ دسویں نہیں بلکہ بارھویں صدی عیسوی تھا؟]۔

۷- زیرِ بحث کتاب کے سب نسخوں میں تاریخ "آٹھ سو پچانوے ہجری" ہے۔

۸- یہ شرح ہم تک نہیں پہنچی۔

۹- اسطوری "مدينة النحاس" (تانبے کے شہر) کے لیے دیکھیے Gaudefroy و Demombynes: *Les cent et une nuits*، پیرس ۱۹۱۱ء، ص ۲۸۴-۳۴۸، نیز وہ تصانیف جن کا حوالہ وہاں دیا گیا ہے۔

۱۰- قب سلسلة التواريخ، یا *Relation des voyages faits par les Arabes et les persans dans l' Inde et à la Chine dans le IX^{e} siècle de l' ère chrétinne*، عربی متن از Langlès، ترجمہ و حواشی از Renaud، ۱۸۴۵ء۔ میں نے اسی کا نیا [فرانسیسی]

ترجمہ بعنوان ذیل شائع کیا ہے: *Voyage du marchand arabe Sulaymān en Inde et en Chine rédigé en 851, suivi de remarques par Abū Zayd Ḥassan (vers 916)*، پیرس ۱۹۲۲ء۔

[ایک اور فرانسیسی ترجمہ مع متن عربی، تصحیحات اور حواشی کے سوواے (Sauvaget) نے کیا ہے، جو بعنوان *Relation de la Chine et de l' Inde*، پیرس ۱۹۴۸ء، شائع ہوا ہے]۔

(GABRIEL FERRAND [و ادارہ])

⊗ **ابن مَاجہ**: ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ الرَّبَعی القزْوِینی؛ شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) نے یہ نام اسی طرح لکھا ہے، لیکن ابو یَعْلٰی خَلِیلیؔ القزْوِینی (م ۴۴۶ھ) نے اسے یوں لکھا ہے: ابوعبداللہ بن محمد بن یزید بن ماجہ، جو درست نہیں۔ ابن ماجہ محمد کی صفت ہے نہ کہ ان کے دادا عبداللہ کی۔ یہ ابن ماجہ کیوں کہلاتے تھے؟ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ماجہ ان کے والد کا لقب تھا (النّوَوی: تہذیب الاسماء؛ الفیروز آبادی: القاموس، تحت مادّہ م و ج؛ السندی: حاشیہ سننِ ابن ماجہ)۔ القاموس میں ہے کہ ماجہ ان کے والد کا نہیں دادا کا لقب تھا، لیکن شاہ عبدالعزیز نے عجالۂ نافعہ (مطبع مجتبائی دہلی، ص ۲۸) میں اسے غلط بتایا ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدثین (ص ۱۱۲) میں اپنی یہ تحقیق درج کی ہے کہ ماجہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ ابوالحسن السندی (م ۱۱۳۸ھ) نے اپنی شرح الاربعین اور مرتضٰی الزّبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے تاج العروس میں بھی یہی لکھا ہے کہ ماجہ محمد کی والدہ کا نام تھا۔

محمد فؤاد عبدالباقی نے اپنی طبع سننُ ابن ماجہ (قاہرہ ۱۹۵۳ء، ص ۱۵۲۰-۱۵۲۳) میں یہ بحث کی ہے کہ ماجہ کے آخر میں ''ہ'' ہے یا مدوّر ''ۃ'' اور دونوں کو جائز قرار دیا ہے، گو اپنی راے میں ''ہ'' کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

ابن ماجہ عجمی نژاد تھے۔ ان کی نسبت الرَّبَعی اس لیے ہے کہ وہ عرب قبیلہ رَبِیْعَہ کے مولیٰ تھے۔ اس طرح یہ نسبت نسلی نہیں بلکہ نسبت ولاء ہے۔ یہ تصریح کہیں نہیں ملتی کہ یہ نسبت ربیعہ بن نزار کی طرف ہے یا ربیعہ الازد کی طرف یا کسی اور قبیلے کی طرف۔

ابن ماجہ ۲۰۹ھ/ ۸۲۴ء میں پیدا اور ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ/ ۱۸ فروری ۸۸۶ء کو، جب کہ المعتمد علی اللہ کا عہد خلافت تھا، فوت ہوے۔ بجز امام نسائی (م ۳۰۳ھ) تمام مصنّفین صحاح سِتّہ کی وفات اسی خلیفہ کے عہد میں ہوئی ہے۔ محمد بن الاسود القزوینی اور الطرائفی ایسے شعرا نے ان کے مرثیے لکھے۔

ابن ماجہ کے بچپن کا زمانہ ممالکِ اسلامیہ میں علوم وفنون کی ترقی کا زمانہ تھا۔ علم دوست مامون الرشید سریر آراے خلافت تھا۔ جب وہ بڑے ہوے تو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث وآثار جمع کرنے کے لیے عرب، عراق، شام، مصر اور خراسان کے سفر کیے۔ ان کی یہ رحلتِ علمیہ ۲۳۰ھ کے بعد شروع ہوئی (خلاصۂ تذہیب، تحت ترجمۂ اسمٰعیل بن زرارہ)۔ اس وقت جا بجا اسناد و روایت کے دفتر کھلے ہوے تھے اور بڑے زور وشور سے حدیث کا درس جاری تھا۔ یہ واثق باللہ کا عہد تھا، جو مامون اصغر کہلاتا تھا۔

ابن ماجہ کی سب سے اہم تصنیف ان کی سُنَن ہے، جس میں ۴۳۴۱ احادیث ہیں۔ ان میں سے ۳۰۰۲ حدیثیں تو وہ ہیں جو صحاح کی باقی پانچ کتابوں میں بھی موجود ہیں اور باقی ۱۳۳۹ حدیثیں ایسی ہیں جو زوائدِ ابن ماجہ ہیں۔

ابن ماجہ کی سنن عمومًا صحاح سِتّہ میں شمار ہوتی ہے۔ کہتے ہیں سب سے پہلے ابوالفضل محمد بن طاہر (م ۵۰۷ھ) نے اسی کتاب کو صحاح سِتّہ میں شمار کیا تھا۔ متاخّرین میں سے السُّیوطی (م ۹۱۱ھ)، عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ)، عبدالغنی المجدّدی (م ۱۲۹۵ھ) اور عام محدّثین اور مصنّفینِ اطراف و رجال نے اسے صحاح سِتّہ میں شمار کیا ہے اور یہی عام متاخّرین کا فیصلہ ہے (مقدمۂ شرح سننِ ابن ماجہ از السندی)؛ لیکن ابن السکن (م ۳۵۳ھ)، ابن مَندہ (م ۳۹۵ھ)، ابو طاہر (م ۵۷۶ھ)، ابن الأثیر (م ۶۰۶ھ)، ابن صلاح (م ۶۴۳ھ)، النّوَوی (م ۶۷۶ھ)، المِزّی (م ۷۴۲ھ) ایسے علما اسے صحاح سِتّہ میں شامل نہیں کرتے، بلکہ اس کے بجاے یا تو وہ صحاح خمسہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں اور یا بعض لوگ امام مالک (م ۱۷۹ھ) کی موطا کو صحاح سِتّہ کے زمرے میں شامل کرتے ہیں۔ عبدالغنی النابلسی لکھتے ہیں کہ چھٹی کتاب کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہلِ مشرق کے نزدیک وہ ابوعبداللہ محمد بن ماجہ قزوینی کی کتاب السنن ہے اور اہلِ مغرب کے نزدیک امام مالک بن انس الاصبحی کی کتاب موطا (ذخائر الحوادیث، مقدمہ)؛ چنانچہ ابن طاہر کے معاصر محدّث رزین (م ۵۲۵ھ) نے اپنی کتاب التجرید الصحاح والسنن میں کتب خمسہ کی حدیثوں کے ساتھ سنن ابن ماجہ کے بجاے موطا امام مالک کی حدیثوں کو شامل کیا ہے۔ ابن الأثیر (م ۶۰۶ھ) نے اپنی کتاب جامع الاصول میں امام رزین ہی کی راے کو ترجیح دی ہے اور یہی راے ابوجعفر بن زبیر الغرناطی کی ہے (تدریب الرّاوی، ص ۵۶)۔ جن لوگوں نے سنن ابن ماجہ کو صحاح سِتّہ میں شامل نہیں کیا ان کے نزدیک اس سنن میں بعض احادیث ''ضعیف'' اور ''مُنکَر'' ہیں، بلکہ فضیلت قزوین والی روایت کے متعلق تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ وہ ''موضوع'' ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدّثین میں ابوزرعۃ الرازی (م ۲۶۴ھ) کی شہادت سے لکھا ہے کہ سنن ابن ماجہ کی ضعیف ومنکر احادیث کی تعداد بیس سے بھی کم ہے اور بعض لوگوں نے ان کی تعداد دس سے کچھ اوپر بتائی ہے (شروط الائمّۃ السِتّۃ، ص ۴۶)۔ فؤاد عبدالباقی نے ان کی تعداد بڑھا کر سات سو بارہ تک پہنچا دی ہے (سنن ابن ماجہ، طبع فؤاد عبدالباقی، ص ۱۵۲۰)۔ بعض علما نے سنن ابن ماجہ کو موطّا پر مقدّم کیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کتبِ خمسہ سے بہت سی روایتیں زائد ہیں برخلاف موطّا کے کہ اس میں ایسا نہیں ہے (السخاوی: فتح المغیث، طبع لکھنؤ، ص ۳۳)؛ ورنہ صحت وقوّت روایات کے لحاظ سے موطا کو

مسلّمہ طور پر سنن ابن ماجہ پر بدرجہا فوقیت حاصل ہے۔

صلاح الدّین خلیل علائی (م ۷۶۱ھ) نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ صحاح سِتّہ میں چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ کے بجائے سنن دارمی قرار دی جانا چاہیے (فتح مغیث، ص ۳۳۳)۔ السیوطی نے کہا کہ یہی رائے علامہ ابن حجر العسقلانی کی ہے (تدریب الرواة، ص ۵۷)، لیکن علامہ ابن حجر کے عمل اور رویّے سے اس کی تائید نہیں ہوتی؛ چنانچہ بلوغ المرام میں انھوں نے صحاح سِتّہ کی دوسری کتب سے تخریج کی لیکن بجز ایک جگہ کے کہیں دارمی کا نام بھی نہیں لیا؛ اسی طرح حافظ مغلطائی کے مقابلے میں جو رویہ انھوں نے اختیار کیا وہ سنن دارمی کے حق میں نہیں (توضیح الافکار، ۱: ۳۹؛ تدریب الرواة، ص ۵۷)؛ بہر حال علائی کی بات چل نہ سکی۔

سنن ابن ماجہ کے مشہور راوی یہ ہیں: ابوالحسن بن قطان، سلیمان بن یزید، ابوجعفر محمد بن عیسٰی، ابوبکر حامد الابہری سعدون اور ابراہیم بن دینار۔

سنن ابن ماجہ کا متن متعدّد بار چھپ چکا ہے، مثلاً دہلی ۱۲۳۳ھ، ۱۲۷۳ھ، ۱۲۸۲ھ، ۱۳۰۷ھ؛ لاہور ۱۳۱۱ھ، قاہرہ ۱۳۱۳ھ، کراچی ۱۳۷۲ھ، مع شروح از السّیوطی، عبدالغنی مجددی و فخر الحسن گنگوہی؛ قاہرہ ۱۹۵۲-۱۹۵۴ء، طبع محمد فؤاد عبدالباقی مع شرح، یہ طباعت غالبًا سب سے بہتر ہے۔

سنن ابن ماجہ کی متعدّد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں، مثلاً (۱) از علی بن عبداللہ ابن نعمة الاندلسی (م ۵۶۷ھ)؛ (۲) از ابن احمد العراقی المصری (م ۷۱۱ھ)؛ (۳) از علاء الدّین مغلطائی (م ۷۶۲ھ)، لیکن یہ غیر مکمّل رہی۔ اس کا قلمی نسخہ ٹونک میں موجود ہے؛ (۴) از ابن رجب زبیری؛ (۵) از ابن الملقن (م ۸۰۴ھ): بما تمس الیه الحاجة علی سنن ابن ماجة، یہ شرح صرف ان احادیث کی ہے جو زوائد علی الخمسہ ہیں؛ (۶) از دمیری (م ۸۰۸ھ): الدیباجة فی شرح سنن ابن ماجة، یہ شرح پانچ جلدوں میں ہے، لیکن مکمّل نہیں؛ (۷) از سبط ابن العجمی (م ۸۴۱ھ)؛ (۸) از السیوطی (م ۹۱۱ھ): مصباح الزُّجاجة، دہلی ۱۲۸۲ھ، اس کی تلخیص از علی بن سلیمان (م بعدِ ۱۳۰۰ھ): نور مصباح الزجاجة بھی چھپ چکی ہے، تلخیص نور المصباح از الدمیاطی، قاہرہ ۱۲۹۹ھ؛ (۹) از ابوالحسن السندی (م ۱۱۳۸ھ)؛ (۱۰) از عبدالغنی المجددی (م ۱۲۹۵ھ): انجاح الحاجة، دہلی ۱۲۸۲ھ؛ (۱۱) از فخر الحسن گنگوہی، جس میں سنن کے مشکل الفاظ کی لغوی تشریح پر زیادہ زور ہے، دہلی ۱۲۸۹ھ؛ (۱۲) از محمد علوی: مفتاح الحاجة، مطبوعۂ صبح المطابع لکھنؤ؛ (۱۳) از وحید الزمان: رفع العجاجة قاہرہ ۱۳۱۳ھ؛ وہی مصنّف: اردو ترجمہ، لاہور ۱۹۱۰ء؛ (۱۴) از محمد ہزاروی: مفتاح الحاجة، لکھنؤ ۱۳۱۵ھ؛ (۱۵) شرح از فؤاد عبدالباقی، اس کے آخر میں ''مفتاح السّنن'' کے نام سے اطراف کو بھی مرتب کیا گیا ہے۔

احمد بن محمد البوصیری (م ۸۴۰ھ) اور ابن حجر الہیتمی (م ۹۷۴ھ) نے زوائد سنن ابن ماجة علی کتب الحفّاظ الخمسة کے نام سے علٰیحدہ علٰیحدہ کتابیں مرتّب کیں۔ ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) اور حافظ مزّی (م ۷۴۱ھ) نے اس سنن کے رجال و اطراف کو جمع کیا۔ حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے اس کے ان رُواة پر جن سے صحیحین میں کوئی روایت نہیں المجرد فی اسماء رجال ابن ماجة کلھم سوی من اخرج له منھم فی احد الصحیحین کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی۔ اس کا مخطوطہ کتب خانۂ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ سنن ابن ماجہ اور اس کی شروح اور دیگر متعلّقہ کتابوں کے مخطوطے جس جس جگہ محفوظ ہیں براکلمان نے ان کا ذکر کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ثلاثیات، یعنی ایسی روایات کی تعداد، جن کی سند میں امام ابن ماجہ اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، پانچ ہے، جب کہ سنن ابو داؤد اور جامع الترمذی میں ان کی تعداد ایک ایک ہے اور صحیح مسلم اور سنن النسائی میں ایک بھی نہیں۔

ابن ماجہ نے ایک ضخیم تفسیر بھی مرتّب کی تھی، جس میں قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلے میں احادیث و آثار کو بالاسناد جمع کیا گیا ہے۔ جمال الدّین مزی نے تہذیب الکمال میں ابن ماجہ کی سنن کے علاوہ اس تفسیر کی اسانید کے راویوں کے حالات لکھے ہیں۔ ابن کثیر اور السیوطی نے اس تفسیر کا ذکر کیا ہے۔

اُن کی تیسری تصنیف التأریخ ہے۔ یہ صحابہ کرامؓ سے لے کر مصنّف کے عہد تک کی تاریخ ہے۔ ابن طاہر المقدسی (م ۵۰۷ھ) نے قزوین میں اس کا نسخہ دیکھا تھا۔ ابن خلّکان نے اسے ''تاریخ ملیح'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور ابن کثیر اسے ''تاریخ کامل'' کہتے ہیں۔ ابن ماجہ کی تفسیر اور تاریخ دونوں ناپید ہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ابن ماجہ کی تالیفات میں تاریخ قزوین کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن ممکن ہے کہ وہ کوئی مستقل کتاب نہ ہو، بلکہ ان کی التأریخ کا ایک جزو ہو۔

ابن ماجہ کے اساتذہ میں یہ نام بھی ملتے ہیں: ابوبکر بن ابی شیبہ، عبداللہ بن سعید الاَشج، محمد بن عبداللہ، ابو کُریب، ہناد، احمد بن بدیل، طحان، بندار، محمد بن مثنّٰی، ابوثور، جوہری، ابو اسحٰق ہروی، ابوبکر صاغانی، الاَحوص، احمد بن سنان، ہشام بن عمار، ابوزرعہ، حاتم رازی، دارمی، ذُہلی، محمود بن غیلان۔

جمال الدّین مزی نے تہذیب الکمال اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابن ماجہ کے تلامذہ کی فہرست میں بہت سے نام گنوائے ہیں۔

مآخذ: (۱) ابن الجوزی: المنتظم، ۵: ۹۰؛ (۲) یاقوت: معجم البلدان، تحت مادّۂ قزوین؛ (۳) ابن الاَثیر: الکامل، مصر ۱۳۰۱ھ، ۷: ۱۷۱؛ (۴) ابن خلّکان: وفیات الاعیان، ۱: ۴۸۴؛ (۵) الذہبی: تذکرة الحفّاظ، ۲: ۱۸۹ بعد؛ (۶) الیافعی: مرآة الجنان، ۲: ۱۸۸؛ (۷) ابن کثیر: البدایة و النہایة، ۱۱: ۵۱؛ (۸) وہی مصنّف: الباعث الحثیث، مصر ۱۳۵۳ھ، ص ۹۰ بعد؛ (۹) الفیروزآبادی: القاموس، تحت مادّہ م، ج، ہ؛ (۱۰) ابن حجر العسقلانی: تہذیب التہذیب، ۹: ۵۳۰؛ (۱۱) ابن تغری بردی: النُّجوم الزاہرة، ۲: ۷۶ بعد؛ (۱۲) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع یالتقایا، عمود ۱۰۰۴؛

(۱۳) ابن العماد: شذرات الذہب، ۲: ۱۶۴؛ (۱۴) المرتضی الزبیدی: تاج العروس؛ (۱۵) شاہ عبدالعزیز: عجالۂ نافعہ، مطبع مجتبائی دہلی، ص ۲۸؛ (۱۶) وہی مصنف: بستان المحدثین، ص ۱۲۴ بعد؛ (۱۷) صدیق حسن خاں: اتحاف النبلاء، طبع کان پور، ص ۸۸ بعد؛ (۱۸) وہی مصنف: الحطۃ بذکر صحاح ستۃ، کان پور ۱۲۸۳ھ، ص ۱۲۸؛ (۱۹) محمد جعفر کتانی: الرسالۃ المستطرفۃ، بیروت ۱۳۳۲ھ؛ (۲۰) محمد عبدالرشید نعمانی: امام ابن ماجہ اور علم حدیث، کراچی نواح ۱۳۷۶ھ؛ (۲۱) براکلمان، ۱: ۱۶۳ و تکملہ، ۱: ۲۷۰؛ (۲۲) آ، طبع اوّل، لائڈن، ۲: ۴۰۰.

(عبدالمنان عمر)

✱ **ابن ماسَوَیہ**: یا ابن ماسُوَیہ (قرونِ وسطی کے لاطینی ترجموں میں Mesua)، ابوزکریا یوحنا (یحیی)، ایک عیسائی طبیب، جندیسا پور کے ایک دوا فروش کا بیٹا، جسے ہارون الرشید کے عہد میں ترجمے کے کام پر مامور کیا گیا۔ اس نے خلیفہ کے درباری طبیب جبریل بن بختیشوع [رک بآں] سے طب کی تعلیم حاصل کی، حتّٰی کہ المأمون کے عہد میں اسے خود ہی یہ عہدہ مل گیا، جس پر وہ اپنی وفات (۲۴۳ھ/۸۵۷ء) تک برابر متمکن رہا۔ [ابن ماسویہ کا انتقال بعہدِ المتوکل سامرا میں ہوا۔ ہارون الرشید سے المتوکل تک کے دور میں وہ برابر خلفا کی خدمت میں حاضر رہا۔ وہ سفر وحضر میں ان کے لیے ہر قسم کی دوائیں تیار رکھتا، حتّٰی کہ جب دستر خوان بچھتا تو اس کی موجودگی ضروری ہوتی]۔ حنین بن اسحٰق [رک بآں]، جس کے لیے اس نے اپنی کتاب النوادر الطبیۃ تصنیف کی، اس کے شاگردوں میں سے تھا۔ اس کتاب کا ایک لاطینی ترجمہ یوحنا الدمشقی (John of Damascus) سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ ۱۵۷۹ء میں بازل (Basle) سے *Aphorismi Maimonidis* کے ضمیمے کے طور پر شائع ہوا (ص ۵۲۸-۵۴۲)۔ ابن ماسویہ نے متعدد رسائل بھی تصنیف کیے، جن کے نام Leclerc نے ابن ابی اُصَیبِعہ کے حوالے سے دیے ہیں [البرہان، الازمنۃ، ماء الشعیر، خواص الاغذیۃ اور الحُمّیات۔ کہا جاتا ہے کہ دغل العین کے عنوان سے اس نے امراضِ چشم میں جو رسالہ تصنیف کیا ہے وہ عربی زبان میں اس موضوع پر پہلا باقاعدہ بیان ہے۔ خلیفہ المعتصم کے ایما پر اس نے بندروں کی تشریح (dissection) کی۔ ابن القفطی نے ان کے علاوہ بعض اَور کتابوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً کتاب الجذام اور کتاب الفصد]۔ بانکی پور کے کتب خانے میں کتاب المشجّر کا ایک نسخہ موجود ہے۔

مآخذ: (۱) الفہرست، ص ۲۹۵؛ (۲) ابن ابی اُصَیبِعہ، ۱: ۱۷۵ بعد؛ (۳) ابن القفطی: تأریخ الحکماء، طبع Lippert، ص ۳۸۰ بعد؛ (۴) براکلمان، ۱: ۲۳۲ [و تکملہ، ۱: ۴۱۶]؛ (۵) Steinschneider: *Die arab. Übersetzungen aus dem Griechischen* etc.، در *Virchows Archiv*، ج ۱۲۴؛ (۶) فہرست کتب خانۂ بانکی پور، ج ۴، عدد ۱؛ [(۷) الزرکلی: الأعلام طبع دوم، ۹: ۲۷۹؛ (۸) سارٹن (Sarton): *Introduction to the History of Science*، ۱: ۵۷۴].

(ادارۂ آ)

✱ **ابن ماکُولا**: ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن علی بن جعفر العجلی، المعروف بہ ابن ماکولا، جلال الدولہ بُویہی کا وزیر تھا [اور اس نے کئی بار یہ عہدہ سنبھالا]۔ وہ ۳۶۵ھ/۹۷۵-۹۷۶ء میں پیدا ہوا۔ ۴۲۳ھ/۱۰۳۲ء میں اسے جلال الدولہ نے وزیر مقرر کیا، مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد معزول کر دیا۔ اس کا جانشین ابو سعد محمد بن الحسین بن عبدالرحیم بھی اس عہدے پر صرف چند دن ہی قائم رہا۔ ترکی سپاہ نے، جو دارالخلافہ میں مقیم تھی، اس پر حملہ کیا اور یہاں تک بدسلوکی سے پیش آئی کہ اسے روپوش ہونا پڑا۔ اس پر ابن ماکولا کو پھر اپنا عہدہ واپس مل گیا۔ ۴۲۴ھ/۱۰۳۳ء میں جب جلال الدولہ کو بھاگ کر کَرخ جانا پڑا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا؛ لہٰذا ابوسعد منصبِ وزارت پر قابض ہو گیا، لیکن اگلے سال جلال الدولہ نے ابوسعد کو معزول کر دیا اور ابن ماکولا نے پھر چند دن کے لیے وزارت سنبھالی، گو ۴۲۶ھ/۱۰۳۴-۱۰۳۵ء میں پھر یہی ہوا کہ ابوسعد کو پھر سے وزیر بنا دیا گیا تھا، لیکن جونہیں وہ فارس بن محمد [رک بآں] کی ملاقات کے لیے روانہ ہوا ابن ماکولا پھر وزیر بن گیا۔ اس بار وہ دو ماہ اور آٹھ دن برابر اس عہدے پر متمکن رہا۔ اس کے بعد فوج نے اسے نکال باہر کیا اور ابوسعد وزیر بن گیا۔ اس واقعے کے ایک یا دو سال بعد ابن ماکولا کو قِرواش بن المُقلَّد العُقَیلی کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے اسے ہِیت میں قید کر دیا۔ یہیں ہیت میں دو سال پانچ ماہ قید رہنے کے بعد وہ ۴۳۰ھ/۱۰۳۸-۱۰۳۹ء میں فوت ہو گیا۔ [جہیار الدیلمی نے، جو پہلے مجوسی تھا اور اسلام لے آیا، اس کی مدح میں قصائد لکھے ہیں۔ ابن ماکولا حافظ قرآن تھا اور شعر و ادب کا شائق]۔

مآخذ: (۱) ابن الأثیر: الکامل (طبع ٹورن برگ)، ۹: ۲۸۸، ۲۹۳ بعد، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۱۷؛ [(۲) ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ، مطبعۃ السعادہ، ۱۲: ۴۶].

(K.V. ZETTERSTÉEN)

⊗ **ابن ماکولا**: (سابق الذکر کا بیٹا) ابونصر علی بن ہبۃ اللہ، حافظ حدیث، نحوی اور شاعر۔ معتبر روایات کے مطابق وہ ۵ شعبان ۴۲۱ھ/۹ اگست ۱۰۳۰ء کو بمقام عُکبراء پیدا ہوا۔ اس نے اپنے باپ سے، جو حافظ قرآن تھا، قید کے زمانے میں بھی علم حاصل کیا۔ اس کے دیگر اساتذہ میں ابوالقاسم بن بشران (م ۴۳۰ھ)، ابوطالب بن غیلان (م ۴۴۰ھ)، ابوطالب الطبری (م ۴۵۰ھ) اور عبیداللہ بن شاہین مشہور ہیں۔ ابن ماکولا نے طلبِ علم میں دمشق، مصر، جبال، جزیرہ، خراسان اور ماوراء النہر تک کا سفر کیا۔ اس نے سفارت کے فرائض بھی سرانجام دیے، چنانچہ ایک بار خلیفہ المقتدی بامر اللہ (۴۶۷-۴۸۷ھ/۱۰۷۵-۱۰۹۴ء) نے اسے ایلچی بنا کر سمرقند بھیجا تاکہ وہاں کے فرمانروا سے اپنے نام کی بیعت لے سکے اور

خطبے میں اس کا نام جاری ہو۔ آخر میں ابن ماکولا ایک بار بغداد سے خوزستان کی طرف گیا۔ راستے میں اہواز کے قریب ۴۸۶ھ/۱۰۹۳ء (بروایتے ۴۸۷ھ/ ۱۰۹۴ء) میں مارا گیا۔ اس کے باپ ہبۃ اللہ کو بھی، جو ہیت میں محبوس تھا، ۴۳۰ھ/ ۱۰۳۹ء میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا تھا۔ اس کے تایا ابوعلی الحسن ابن ماکولا کو بھی ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء میں قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کا چچا ابوعبداللہ الحسین بن علی ابن ماکولا (۳۶۸ – ۴۴۷ھ/ ۹۷۸ – ۱۰۵۶ء) پہلے بصرے میں قاضی تھا اور ۴۲۰ھ سے اپنی وفات تک بغداد کا قاضی القضاۃ رہا۔

ابو نصر ابن ماکولا کی تصنیفات حسبِ ذیل ہیں: (۱) الاکمال (فی المختلف و المؤتلف من الاسماء)، جس میں اس نے ابن حبیب الدارقطنی، عبدالغنی اور ابوبکر الخطیب کی متعلقہ کتابوں کا مواد جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب ۴۶۴ھ اور ۴۶۷ھ کے درمیان مرتب کی گئی۔ اس کا پہلا جز شائع ہو چکا ہے (حیدر آباد ۱۹۶۲ء)؛ (۲) تکملۃ الاکمال؛ (۳) تہذیب مُسْتَمَرّ الاوہام (تالیف ۴۶۷ھ)، اس کے مخطوطات کے لیے دیکھیے براکلمان؛ (۴) کتاب الوزراء؛ (۵) مفاخرۃ القلم والسیف والدینار.

مآخذ: (۱) تاریخ بغداد، ۸۰:۸ و ۱۲:۴۱۶؛ (۲) معجم البلدان، بہ اِمداد اشاریہ؛ (۳) ارشاد الأریب، ۵:۴۳۵ – ۴۴۰ (= معجم الادباء، ۱۵:۱۰۲ – ۱۱۱)؛ (۴) ابن الأثیر، ۱۰:۸۳؛ (۵) ابن الجوزی: المنتظم، ۸:۶۱، ۱۰۳، ۱۶۷ و ۹:۵، ۷۹؛ (۶) ابن خلّکان (طبع دمشق)، ۲:۹ – ۱۰؛ (۷) ابو الفداء، ۲:۲۰۴؛ (۸) فوات، ۲:۹۳ – ۹۴؛ (۹) الذہبی: تذکرۃ، ۴:۲ – ۷؛ (۱۰) دول الاسلام، ۱:۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۳؛ (۱۱) طبقات الحفّاظ، ط ۱۵:۱؛ (۱۲) حاجی خلیفہ، شمارہ ۲۸۴۹؛ (۱۳) شذرات، ۳:۳۸۱ – ۳۸۲؛ (۱۴) ہامر۔ پرگشتال: *Lit.-gesch. d. Araber*، ۶: ۴۹۷ – ۴۹۸؛ (۱۵) وسٹنفلٹ: *Gesch.*، شمارہ ۲۱۵؛ (۱۶) براکلمان، ۱:۳۵۴ – ۳۵۵ و تکملہ، ۱:۶۰۲.

(احسان الٰہی رانا)

---

* **ابن مالک:** جمال الدّین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن مالک [الطائی، الجیّانی، النحوی، نزیلِ دمشق]، جو ابن مالک کے نام سے مشہور ہے۔ براکلمان (Brockelmann) اور ان لوگوں کے برعکس جنھوں نے اس کا تتبّع کیا ہے وہ ۶۰۰ھ/ ۱۲۰۳ – ۱۲۰۴ء میں اندلس کے شہر جیّان (Jaën) میں پیدا ہوا اور بعض کے نزدیک اس سے ایک یا دو سال بعد [بقول صاحبِ شذرات الذہب، ۶۰۰ – ۶۰۱ھ میں]۔ جیّان میں اس نے ابوالمظفر (ابوالحسن) ثابت بن الخیار الملقب بن ابی طَیْلَسان، ابورَزین بن ثابت بن محمد بن یوسف بن الخیار الکَلاعی اللبلی، ابوالعباس احمد بن نُوار، ابوعبداللہ محمد بن مالک المَرْشانی وغیرھُم سے تعلیم پائی۔ اس کے بعد اس نے مشرق کا رُخ کیا اور ابن الحاجب، ابن یعیش اور ابوعلی الشَّلَوْبِیْن جیسے نحویوں سے استفادہ کیا۔ دمشق میں اس نے مُکَرّم اور ابوالحسن بن السَّخاوی وغیرھُما سے حدیث پڑھی۔ اس کے شاگردوں میں اس کے بیٹے بدر الدّین محمد کے علاوہ، جس نے اپنے باپ کی متعدّد نحوی تصانیف کی شرحیں کیں، قاضی القضاۃ بدر الدّین ابن جماعہ، شاعر بہاء الدّین بن النحاس الحلبی، ابوزکریا النَّوَوِی اور شیخ ابوالحسین الیُونِیْنی وغیرھُم کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد اس نے اوّل حلب میں نحو پر درس دینا شروع کیا اور وہیں مدرسۃ العادلیہ کا امام مقرّر رہا۔ کچھ دنوں بعد اس نے حماۃ میں درس دیا اور بالآخر دمشق میں، جہاں ۱۲ شعبان ۶۷۲ھ/ ۲۱ فروری ۱۲۷۴ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ [ابن مالک کو حجۃ العرب کہا گیا ہے۔ وہ بڑا فاضل تھا اور عربی ادب اور لغت میں مہارتِ کامل رکھتا تھا، حتّٰی کہ اس کی شہرت کے سامنے سیبَوَیہ کی شہرت بھی تقریبًا ماند پڑ گئی تھی، وہ جیسا عابد و زاہد، دیانتدار، راستباز اور رقیق القلب انسان تھا ویسا ہی عقیل و فہیم، خوش اخلاق اور زیرک بھی۔ اوّل وہ مالکی تھا، لیکن دمشق میں اس نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ النَّوَوِی نے اس سے روایت کی ہے۔ ابن مالک کی تصنیفات متعدّد ہیں، جن کی دوستوں نے تحسین و ستائش اور دشمنوں نے تنقیص و تغلیط کی ہے؛ لیکن ان کے مطالعے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ نحو کے اصول و قواعد کی ترتیب و تدوین اور ان کا جو مربوط و منضبط بیان ہمیں ابن مالک سے ملا ہے وہ فی الحقیقت اس علم کی بڑی خدمت ہے، البتہ اس کی تحریر میں وہ سادگی اور وضاحت نہیں جو ایک درسی کتاب میں ہونا چاہیے].

ابن مالک کی تصنیفات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) کتاب تسہیل الفوائد و تکمیل المقاصد، نحو پر ایک رسالہ ہے، جس کا ایجاز اغلاق کی حد کو پہنچ گیا ہے، طبع فاس ۱۳۲۳ھ؛ (۲) الکافیۃ الشافیۃ، بحر رجز کے ۲۷۵۷ یا ۳۰۰۰ اشعار پر مشتمل نحو پر ایک رسالہ، Krafft: *Die arab.... Hss. der... Ak. zu Wien*، شمارہ ۱۳۱؛ الجزائر، فانیاں (Fagnan): *Cat.*، عدد ۱۰۶۷؛ الجزائر کی مسجد جامع، عدد ۱۴، ج ۳، (ناقص)؛ (۳) کتاب الخلاصۃ الالفیۃ، جسے اختصار سے کتاب الالفیۃ بھی کہا جاتا ہے، سابق الذّکر رسالے کا بحر رجز کے ایک ہزار اشعار میں خلاصہ [مصنّف نے دیباچے میں کہا ہے کہ ابن معطی [رَحَّ بآن] (م ۶۲۸ھ) نے اس سے پہلے الفیۃ کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا]، بیروت میں ۱۸۸۸ء، قاہرہ میں ۱۳۰۶ھ اور ۱۳۰۷ھ وغیرہ اور لاہور میں ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ دساسی (de Sacy) نے فرانسیسی میں شرح کے ساتھ ایک ایڈیشن شائع کیا ہے (*Alfiyya ou la quintessence de la gr. ar.*، پیرس ۔ لنڈن ۱۸۳۳ء) اور اپنی کتاب *Anthologie gramm.*، پیرس ۱۸۲۹ء، ص ۱۳۴ – ۱۴۴ اور ۳۱۵ – ۳۴۷ میں اس کے آٹھ ابواب کا ترجمہ کیا ہے۔ L. Pinto: *L' Alfiyya trad. en fr. avec le texte en regard et des notes explic.*، قسطنطینیہ ۱۸۸۷ء؛ A. Goguyer: *Manuel pour l'etude des grammairiens arabes, L' Alfiyya d' Ibn* *dans les deux langues*

Malik, suivie de la Lamiyyah du même auteur avec trad. et notes en fr. et un lexique des termes techn.، بیروت ۱۸۸۸ء؛ (۴) لامیة الافعال یا کتاب المفتاح فی ابنیة الافعال، بحر بسیط میں ۱۱۴ اشعار کی نظم، جس کا قافیہ لام ہے اور جس میں اوزانِ فعل پر بحث کی گئی ہے، فرانسیسی ترجمہ از Goguyer؛ (۵) عُمدة الحافظ و عدّة اللّافظ نحو پر ایک مختصر رسالہ، برلن *Verz.*، عدد ۶۶۳۱؛ (۶) تحفة المودود فی المقصور والممدود، بحر طویل میں واو کی روی کے ساتھ ۱۶۲ اشعار کی ایک نظم، جس میں الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے تقریبًا تمام وہ الفاظ درج کر دیے گئے ہیں جن کے مختلف معانی ہیں۔ اس کے ساتھ مصنّف کی لکھی ہوئی مختصر شرح بھی ہے، جو قاہرہ میں ۱۸۹۷ء اور ۱۳۲۹ھ میں چھپی؛ (۷) کتاب [اکمال] الاعلام بمُثلَّث الکلام، رجز مُزْدَوِج میں ایک نظم ہے، جس میں ان الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے جو حرکاتِ ثلاثہ کے اختلاف سے تین طرح پڑھے جاتے ہیں اور جو صلاح الدّین کے پوتے سلطان الملک النّاصر کے نام سے منتسب ہے اور ۱۳۲۹ھ میں قاہرہ میں شائع ہوئی؛ (۸) سَبْکُ المَنْظُوم و فکُّ المخْتُوم، صرف و نحو کا خلاصہ، برلن، عدد ۶۶۳۰؛ (۹) عدد ۵ کی شرح، برلن ۶۶۳۲؛ (۱۰) ایجاز التّعریف فی علم التصریف، صرف ایک مختصر سا رسالہ، اسکوریال، درانبورغ (Derenbourg): *Les man. arab.*، عدد ۸۶، ۳؛ (۱۱) کتاب العروض، علم عروض پر ایک مختصر سی کتاب، اسکوریال، درانبورغ، عدد ۳۳۰، ۲؛ (۱۲) کتاب شواهد التوضیح و التصحیح لمشکلات الجامع الصحیح، صحیح بخاری کی ۹۹ عبارتوں کی نحوی تشریح، اسکوریال، درانبورغ، عدد ۱۴۱؛ (۱۳) کتاب الالفاظ المختلفة، مترادف الفاظ پر ایک رسالہ، برلن عدد ۷۰۴۱؛ (۱۴) الاعتضاد فی الفرق بین الظاء والضاد، ظاء کی روی میں بحر بسیط کے ۶۲ اشعار کی نظم، جس کے ساتھ ایسے ہم شکل الفاظ کی مختصر طور پر تشریح کی گئی ہے جن میں یا ضاد اور ظاء ہو یا طاء اور ظاء، برلن، عدد ۷۰۲۳؛ گوتھا، Pertsch: *Die arab. Hss.*، عدد ۴۱۴؛ (۱۵) بحر کامل میں ۴۹ اشعار کی نظم، جس میں وہ ثلاثی افعال دیے گئے ہیں جن کا تیسرا حرفِ اصلی واو اور یاء دونوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے (جسے السیوطی نے نقل کیا ہے، المُزْهِر، بولاق ۱۲۸۲ھ، ۲: ۱۴۵ - ۱۴۷)؛ (۱۶) متعدّد مختصر رسائل، جن میں لُغوی، نحوی اور دیگر قسم کی خلافِ قیاس بے قاعدگیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور جن میں سے بعض المُزْهِر [اور الضرب فی لسان العرب] میں بھی بیان کی گئی ہیں۔

مآخذ: (۱) ابن شاکر: فوات الوفیات، بولاق ۱۲۹۹ھ، ۲: ۲۲۷؛ (۲) المقّری: نفح الطیب، قاہرہ ۱۳۰۲ھ، ۱: ۴۲۷؛ (۳) السبکی: طبقات الشافعیة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۵۳؛ (۴) السیوطی: بُغیة الوُعاة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۵۳؛ (۵) محمد بن محمد بن حمدون البنّانی: الفیة کے خطبے کی شرح (میرے پاس اس کے دو مخطوطے ہیں)؛ (۶) الفیة پر الأُشْمونی دَحلان ابن عقیل اور المکوُّدی کی شرحیں مع حاشیوں کے؛ (۷) الدّلجی: الفلاکة و المفلوکون، قاہرہ ۱۳۲۲ھ، ص ۶۴؛ (۸) Huart: *Litt. Ar.*، ص ۲۷۰؛ (۹) براکلمان، ۱: ۲۹۸ بعد، قبّ ۵۲۵، ۲: ۶۹۷ و تکملہ، ۱: ۲۶۱، ۷۲۶؛ (۱۰) محمد بن شنب: *Etude sur les pers. ment.. dans l 'Idjāza du cheikh Abd al-Q ādir al-F āsy* عدد ۱۹۷.

(محمد بن شنب MOHAMMAD BEN CHENEB)

ابن مَخْلَد: دو وزیروں کا نام: *

(۱) دیر قُنّاء کا الحسن بن مَخْلَد بن الجرّاح، ۲۴۳ھ/۸۵۷-۸۵۸ء سے صاحب دیوان الضیاع۔ ذوالقعدہ ۲۶۳ھ/جولائی ۸۷۷ء میں عبیداللہ بن یحیٰی [رکّ بہ ابن خاقان] کی وفات پر المعتمد نے اسے اپنا وزیر مقرّر کیا، گو اس عہدے کے ساتھ ساتھ وہ المعتمد کے بھائی الموفّق کے کاتب کی خدمات بھی سرنجام دیتا رہا؛ لیکن ابھی مشکل سے ایک ہی مہینہ گزرا تھا کہ موسٰی بن بوغا دارالخلافہ سامرّا میں داخل ہوا، لہٰذا ابن مخلد بھاگ کر بغداد چلا گیا۔ اس پر سلیمان بن وَہْب نے وزارت سنبھال لی اور اس کے بیٹے عبداللہ نے کاتب کا عہدہ۔ اگلے سال ذوالقعدہ/جولائی ۸۷۸ء میں سلیمان معزول ہوا اور اس کا گھر لوٹ لیا گیا؛ چنانچہ اسی مہینے کی ۲۷ تاریخ/۱۳ جولائی کو حسن پھر وزیر مقرّر ہوا، لیکن ذوالحجّہ/اگست ۸۷۸ء میں جب سلیمان کو رہائی ملی تو حسن پھر بھاگ نکلا اور اس کی جائداد ضبط کر لی گئی۔

مآخذ: (۱) طبری، ج ۳، بمدد اشاریہ؛ (۲) ابن الأثیر، (طبع ٹورن بورگ)، ج ۷: بالخصوص ص ۵۴، ۲۱۵، ۲۱۹؛ (۳) ابن الطِّقْطَقٰی: الفخری (طبع درانبورغ Derenbourg)، ص ۳۴۳ بعد؛ (۴) Weil: *Gesch. der Chalifen*، ۲: ۳۶۷، ۴۰۸ بعد، ۴۲۴۔

(۲) ابوالقاسم سلیمان بن الحسن، سابق الذّکر کا بیٹا جو ۳۰۱-۳۱۱ھ/۹۱۳-۹۲۳ء دیوانِ انشا پر مامور رہا۔ جُمادی الاولٰی ۳۱۸ھ/جون ۹۳۰ء میں ابن مقلہ [رکّ بآن] معزول ہوا تو المقتدر نے اسے وزیر مقرّر کر دیا اور علی بن عیسٰی [رکّ بہ ابن الجراح، ۲] ایسے تجربہ کار شخص نے قولًا اور فعلًا اس کی مدد کی، حالانکہ سلیمان اس وقت طلب منصب کے لیے موزوں نہ تھا۔ ادھر خزانۂ شاہی میں روپے کی کمی تھی اور لوگ اس کے رویّے سے خوش بھی نہیں تھے، لہٰذا ۲۴ رجب ۳۱۹ھ/۱۲ اگست ۹۳۱ء کو اسے معزول کر دیا گیا، مگر ۳۲۴ھ/۹۳۵-۹۳۶ء میں الرّاضی نے ابوجعفر محمد الکرخی کو وزارت سے برطرف کرتے ہوئے سلیمان کو پھر اس کا جانشین مقرّر کر دیا۔ یوں بدنظمی پھیلتی چلی گئی تو خلیفہ کو مجبورًا ابن رائق [رکّ بآن] سے رجوع کرنا پڑا، لہٰذا سلیمان کو دوسری مرتبہ پھر معزول کر دیا گیا۔ بایں ہمہ ۳۲۸ھ کے آخر/اکتوبر ۹۴۰ء میں اس نے اپنا عہدہ دوبارہ حاصل کر لیا، حتّٰی کہ ربیع الاوّل ۳۲۹ھ/دسمبر ۹۴۰ء میں الرّاضی کی وفات پر اس کے جانشین المتّقی نے اسے وزیر تسلیم کر لیا؛ لیکن وہ برائے نام وزیر تھا اور المتّقی کی تخت

نشینی کے بعد صرف چار مہینے اس عہدے پر قائم رہ سکا۔

مآخذ: (۱) عریب [بن سعد الکاتب القرطبی: الصلة لتاریخ الطبری]، طبع دخویہ (de Goeje)، ص ۴۲، ۱۱۳، ۱۵۰ ببعد؛ (۲) ابن الأثیر (طبع ٹورن برگ)، اشاریہ؛ (۳) ابن الطقطقی: الفخری (طبع درانبورغ)، ص ۳۷۲، ۳۸۲ ببعد؛ (۴) Weil: *Gesch. der Chalifen*، ۲: ۵۶۶، ۶۲۸ ببعد۔

(K. V. ZETTERSTEÉN)

----

* **ابن مَرْدَنیش**: ابو عبداللہ محمد بن احمد (مؤخّر الذّکر کو اکثر حذف کردیا جاتا ہے، نام کی صحیح شکل ابن خلدون، ۴: ۶۶ میں ہے۔ یہ اس عبداللہ بن محمد بن سعد کا بھتیجا ہے جو معرکۂ البسیط (Albacete) میں ۵۴۰ھ/۱۱۴۶ء میں مارا گیا، قب *ZDMG*، ج ۶۳، ۱۹۰۹ء، ص ۳۵۲) بن سعد بن محمد بن احمد بن مَرْدَنیش الجُذامی (بقول دیگراں التُّجیبی)، بَنْشُکْلَہ = بِنْشُکْلَہ = Peñsicola میں، جو طُرطُوشہ قَشْتیلیون Castellon de la Plana) کے درمیان واقع ہے، ۵۱۸ھ/۱۱۲۴-۱۱۲۵ء میں پیدا ہوا اور ۲۹ رجب ۵۶۷ھ/۲۷ مارچ ۱۱۷۲ء کو فوت ہوگیا۔ اپنی نسبت کے باوجود وہ بظاہر اندلسی الاصل تھا اس لیے کہ اس کے دادا کا دادا، جس کے نام پر وہ مشہور ہے مَرْتینِس (Martinus) یا مرتینز (Martiñez)، یعنی مرتن (Martin) کا بیٹا کہلاتا تھا، چنانچہ مَرْدَنیش مَرْدِنیش ہی کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے (عربی الفاظ میں ت کے د سے بدل جانے کے لیے قب Emerita = مارِدَہ، میردہ)۔ باوجودیکہ ڈوزی (Dozy) کے اس اشتقاق کے متعلّق کودیرا (Codera) کو شک ہے، مگر اس کی اس رائے سے بمشکل ہی اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ یہ نام بوزنطی مَرْدونیش (Mardonius) سے نکلا ہے۔ اس کا عام اشتقاق، یعنی مردہ، عربی میں عَذِرَہ، بمعنی فضلہ، جو ابن خلّکان کی *Biographical Dictionary*، ۴: ۲۷۳ میں دیا گیا ہے، محض مماثلتِ لفظی پر مبنی ہے۔ المُرابطون کی حکومت کا خاتمہ ہوا تو ۵۴۰ھ/۱۱۴۰ء میں ظالم ابن مَرْدنیش، جو غیر معمولی طور پر قابل انسان تھا، بلنسیہ اور مُرسیہ کا حاکم بن بیٹھا اور مزید فتوحات کرتے ہوئے (وادی آش (Guadix) علی ھذا جیّان (Jaén)، جو اس کے خسر ابن ہَمُشْک = ہیموشکو (Hemochico) کی باجگزار ریاست تھی، اور عُبَیدہ، بیاسہ (Baeza)، المریّہ (Almeria) وغیرہ) وہ سارے جنوب مشرقی اندلس کا حاکم بن گیا۔ [اندلس میں اسلام کی بقا اور استحکام کے لیے الموحدون کا ساتھ دینے کے بجائے اس نے] Rey Lobo یا Lope کے نام سے اکثر قشتالہ (Castile)، ارغون (Aragon) اور برشلونہ (Barcelona) کے عیسائی حاکموں سے رشتۂ اتحاد جوڑا اور [بانیِ دولتِ الموحدون] عبدالمؤمن (م ۱۱۶۳ء) اور اس کے بیٹے یوسف (م ۱۲۸۹ء) کی پیش قدمی [روکنے کی کوشش کرتا رہا، تا آنکہ اس کے خسر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور ۱۱۷۲ء میں ناکام و نامراد اپنے دارالسلطنت مرسیہ میں محصور ہوگیا۔ اسی سال کے دوران میں بقول المقری (نفح الطّیب) الموحدون کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خوف سے اس کا انتقال ہوگیا]۔ اس کی موت پر اس کے بیٹوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے لیے اچھے اچھے مناصب حاصل کرلیے۔ اندلس کا سارا جنوبی اسلامی علاقہ اب الموحدون کے قبضے میں تھا۔

مآخذ: (۱) A. Müller: *Der Islam*، ۲: ۶۴۸-۶۵۲؛ (۲) ابن الخطیب: الاحاطة (مطبوعۂ قاہرہ) ۲: ۸۵-۹۰ (ترجمۂ حال)، قب Gayangos: *History*، ۲: ۵۱۹ و lix؛ (۳) ابن الأبّار: الحُلّة السِّیَراء (Dozy: *Notices*)، ص ۲۱۵، ۲۱۹ ببعد؛ (۴) المرّاکشی، ص ۱۴۹، ۱۶۸، ۱۷۸، ۱۸۰؛ (۵) Amari: *I diplomi arabi deI K. Archivio Florentino*، ص xxiv، lix، ۲۳۹، ۴۵۱؛ (۶) ابن خلدون: العبر، ۴: ۱۶۵ ببعد؛ (۷) ڈوزی (Dozy): *Recherches*، طبع سوم، ۱: ۳۶۴-۳۸۸؛ (۸) Codera: *Decadencia desapriciòn de los Almoravides en España* (iii *Coleción de Estudios arabs*، iii)، سرقسطہ (Zaragoza)، ۱۸۹۹ء، ص ۱۰۹-۱۵۳، ۳۱۰-۳۲۱؛ (۹) وہی مصنّف: *Discursos*، (۱۹۱۰ء)، ص ۹، ۳۹؛ (۱۰) Mariano Casper Remiro: *Historia de Murcia musulmana*، ص ۱۸۵-۲۲۵؛ (۱۱) المقّری: اشاریہ ذیل مادّہ؛ (۱۲) بُستانی: دائرة المعارف، ۱: ۶۸۵؛ (۱۳) سامی بک: قاموس الأعلام، ص ۶۶۵ ب۔

(C. F. SEYBOLD)

----

* **ابن مَسَرَّہ**: محمد بن عبداللہ بن مَسَرَّہ بن نَجِیح، قرطبہ میں پیدا ہوا۔ یہ امر کہ اس کے اساتذہ کون تھے اور اس نے کن مدارس میں تعلیم پائی، اس کے سیرت نگاروں نے اس بارے میں بہت کم معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ وہ محض اتنا بتاتے ہیں کہ ۳۰۰ھ/۹۱۲ء میں ابن مَسَرَّہ اپنے وطن قرطبہ میں موجود تھا اور مریدوں کے حلقے میں گھرا رہتا تھا، اسی طرح یہ کہ اس کے زیادہ قریبی مرید اس کے ساتھ ایک خانقاہ میں رہتے تھے۔ وہ خانقاہ جبال (Sierra) قرطبہ کے کنارے واقع تھی اور اس کی ملکیت تھی۔ ابن مَسَرَّہ وہاں انتہائی گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ ان لوگوں کی زندگی انتہائی رازداری کی تھی اور اس لیے وہ جس قانون کے پابند تھے اس کا سختی سے خیال رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جن عقائد کی تلقین اپنے محدود حلقے میں کی وہ عام نہ ہوسکے۔ بیرونی دنیا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ، یعنی خود مرشد اور اس کے مرید، بڑی پرہیزگاری اور فقر کی زندگی بسر کرتے ہیں، ان کے اخلاق بہت بلند ہیں، لیکن اس کے باوجود کچھ عرصے بعد شکوک پیدا ہونے لگے اور لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ مذہب اور تقشّف کے پردے میں کچھ اور تو پوشیدہ نہیں۔ کہا جاتا ہے ابن مَسَرَّہ معتزلی الحاد کی تلقین کرتا ہے اور اس لیے اختیار (قدر) کا قائل ہے، یا بالفاظ دیگر ہمارے سب افعال کی علت ہے ہمارا ارادہ۔ جن میں یہ استعداد ہی نہیں ہوتی کہ فلسفیانہ موشگافیوں کو سمجھ سکیں جب یہ سنتے کہ

ابن مَسرّہ کے نزدیک عذاب کی کوئی حقیقت نہیں، حیران رہ جاتے؛ البتہ جو لوگ تعلیم یافتہ تھے وہ یہ کہتے کہ ابن مَسرّہ اپنے شاگردوں کو قدیم یونانی فلسفی ایمپی ڈوکلیس (Empedocles) کے فلسفۂ ہمہ اوست، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ در حقیقت کفر کی تعلیم دیتا ہے؛ چنانچہ یہ اور اس قسم کی افواہیں بہت جلد دور دور تک پھیل گئیں اور اس پر کفر کا الزام لگایا گیا۔ یہ بات اس نئے سلسلے کے حق میں مفید ثابت نہ ہوئی۔ ابن مَسرّہ نے ان افواہوں کو سنا تو قرطبہ سے نکل کر افریقہ پہنچ گیا۔ بعد ازاں اس نے دیارِ رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] کی زیارت کی اور ان سب مدارس کو بھی دیکھا جن سے اثنائے راہ میں اس کا گزر ہوا، پھر یہ سن کر کہ عبدالرحمٰن الثالث کی تخت نشینی سے ملک میں امن و امان قائم ہوگیا ہے فیصلہ کیا کہ وطن لوٹ جائے، چنانچہ وہ قرطبہ واپس آیا اور پھر اپنا سلسلۂ درس و تدریس جاری کر دیا، جو صرف چند سال ہی چل سکا، اس لیے کہ انتہائی دماغی محنت، غور و فکر، مطالعے، مناظرے، نیز متقشفانہ مذہبی زندگی کے باعث اس کی ہمت اور طاقت جواب دے چکی تھی اور موت کی گھڑیاں اب اس کے بالکل قریب آ گئیں؛ چنانچہ ایک دن بدھ کے روز نمازِ ظہر کے بعد اس نے اپنے مریدوں کے حلقے میں داعیِ اجل کو لبیک کہا گویا اس کی وفات ۴ شوّال ۳۱۹ھ/ ۲۰ اکتوبر ۹۳۱ء کو جبالِ قرطبہ کی خانقاہ ہی میں ہوئی۔

تعلیمات: ابن مَسرّہ کی تصنیفات کا چونکہ کوئی پرزہ بھی موجود نہیں، لہٰذا ہم اس کے معتقدات کے بارے میں فقط بالواسطہ ہی کچھ معلومات جمع کر سکتے ہیں؛ لیکن افسوس یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کی تردید میں قلم اٹھایا ان کی کتابیں بھی نہیں ملتیں، البتہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ابن حزم القرطبی اور صاعد الطلیطلی [قاضی ابن صاعد القرطبی الاندلسی؟] نے، جن کا علم و فضل اور دیانت مسلّم ہے اور قابلِ وثوق مصنّف ہیں، اپنی تصنیفات میں مسرّی نظامِ فکر کی ابتدا اور اس کی عام خصوصیات کا حال محفوظ کر دیا ہے۔ ابن حزم نے اس کے فلسفیانہ نظریات بیان کر دیے ہیں اور صاعد بڑے وثوق سے کہتا ہے کہ ابن مَسرّہ ایمپی ڈوکلیس (Empedocles) کے فلسفے کا بڑا پُرجوش حامی تھا، یعنی حقیقی ایمپی ڈوکلیس ہی کے نہیں بلکہ اس افسانوی ایمپی ڈوکلیس کے فلسفے کا بھی جو بلادِ مشرق کے مسلمان فلسفیوں کی تخلیق ہے؛ چنانچہ مختلف عرب مصنّفین کے یہاں اگری گنٹم (Agrigentum) کے اس فلسفی سے منسوب بعض موضوع تحریروں کے جو اجزا باقی رہ گئے ہیں ان کے پیشِ نظر ہم اس نظام کو ایک مکمل اور مربوط شکل میں دوبارہ مرتّب کر سکتے ہیں۔

۱۔ نام نہاد ایمپی ڈوکلیس کی مابعد الطبیعیات میں میکانیکی طبیعیات نیز حقیقی ایمپی ڈوکلیس کی مابعد الطبیعیات کے بعض عناصر سے اس لیے فائدہ اٹھایا گیا ہے کہ اس فلسفی کے نام اور اس کے عصر کی بدولت تسعات (Enneads) کے اُس نوفلاطونی نظریۂ ہمہ اوست کا وقار بلند ہوجائے جو قبالا [کے یہودی]، ادریت [کے مسیحی] اور [خالص] اسلامی تصوّرات سے وابستہ ہے۔

۲۔ اس صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس مابعد الطبیعیات میں بجز اس کے اور کوئی جدّت اور اپج نہیں کہ اس میں مختلف الاصل نظریات کو ربط و ترتیب دے کر ایک کم و بیش منظم فلسفے کی شکل دے دی گئی ہے۔

۳۔ بایں ہمہ تاریخِ فلسفہ کی رُو سے اس نظامِ فلسفہ کا مطالعہ دلچسپی کا باعث ہوگا، اس لیے کہ اس نے بڑی کامیابی سے ایک ایسا دعوٰی (theorem) پیش کیا ہے جس کی حیثیت مجموعۂ تسعات (Enneads) کے لیے تو اگرچہ ثانوی ہے، لیکن جس کی رُو سے ایک ایسے روحانی مادّے کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے جو خدا کے سوا باقی تمام موجودات میں مشترک ہے اور جسے عالمِ معقول مبنی بر اصولِ خمسہ، یعنی مادّۂ روحانی، عقل، روح، طبیعت اور جسمِ کلّی یا مادّۂ ثانوی، میں اصل الاصول (hypostasis) کا درجہ حاصل ہے۔

آیئے اب دیکھیں کہ اسلامی الٰہیات کے نقطۂ نظر سے ابن مَسرّہ نے نام نہاد ایمپی ڈوکلیس کی مابعد الطبیعیات کی کس طرح توضیح کی ہے۔ ایمپی ڈوکلیس کی طرح وہ ایک واحد، بسیطِ مطلق اور ناقابلِ ادراک (خدا) کے فلوطینی تصور کا قائل ہے۔ اس وحدت قصوی کے مسلسل تنزّلات سے کائنات کی ابتدا اور ترکیب و تکوین کی تشریح ہوجاتی ہے۔ ان تنزّلات کی سلسلہ وار ترتیب یوں کی گئی ہے: خدا ایک وحدت مطلقہ ہے، جو درجۂ ذات میں اسما و صفات سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ وہ تمام علائق سے پاک اور ناقابلِ انقسام ہے۔ مخلوقات سے براہِ راست اس کا تعلّق کوئی نہیں۔ یہ وحدت مطلقہ ہے جس سے نفسِ عینیہ کا بطور ابداع کے صدور لازم آتا ہے اور جس میں اس کی تجلّی ظاہر ہوتی ہے اور نفسِ عینیہ سے اس عقل کا جس پر واجب اپنا سارا علم منکشف کر دیتا ہے تاکہ عقل اسے نفسِ کلّی تک پہنچا دے، جس سے طبیعت (آخری مادّۂ عالم) کا صدور ہوتا ہے اور ان دونوں (نفسِ کلّی اور طبیعت) سے جسمِ کلّی کا۔ یوں نفسِ عینیہ، عقل، روحِ کلّی، نفسِ کلّی اور طبیعت وہ پانچ اشیا یا اصول ہیں جن سے اس عالم کی تکوین و ترتیب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس تصوّر کے ماتحت سلسلۂ آفرینش یا عالم کی موجودگی کو خدا کے علم اور قدرت کی دو عارضی اور مخلوق صفات ٹھیرانا پڑے گا۔ جہاں تک کلّی اشیا کا تعلّق ہے خدا کو ان کا مکمل علم حاصل ہے، لیکن جزئی اور حادث اشیا کو وہ اسی نسبت سے جانتا ہے جس میں ان کا ظہور زمانے کے اندر ہو رہا ہے۔ ان سب باتوں سے اس نے یہ نتیجہ مرتّب کیا کہ اختیار کا تعلّق خدا کے علمِ قدیم سے نہیں؛ بالفاظ دیگر انسانی افعال خدا کی قدرت کا نہیں بلکہ انسانوں کی اپنی قدرت کا نتیجہ ہیں؛ بعینہٖ وجود کے جس سلسلے کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اس کی بنا پر، اسی طرح فلوطینی اثرات کے تحت، مَسرّیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد روحوں کو نہ تو کوئی غیر مختتم سزا بھگتنا پڑتی ہے نہ ان کے لیے ابدی راحت کی جزا ہے۔ برعکس اس کے وہ اسی مادّی (جسمانی) دنیا میں تنزیہ و تطہیر کی منازل طے کرتی رہتی ہیں، حتّٰی کہ وہ اپنی تمام آلائشوں سے پاک ہوکر اس روحانی اور عالم ماوراء المحسوسات میں لوٹ جائیں جو ان کا مبدا ہے۔ تطہیر و تنزیہ کے اس عمل میں جو طریق اختیار کیا جاتا ہے اور جس کی ابن مَسرّہ نے

خاص طور سے سفارش کی ہے وہ یہ ہے کہ ہر روز اپنے ضمیر کا خصوصی جائزہ لیا جائے، ایسا جائزہ جو روح کو خلوص اور صدقِ نیّت کے صوفیانہ مقامات تک پہنچا دے۔ آخر میں اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ ابن مَسَرّہ کے نزدیک ان کی اپنی سعی اور کوشش منازلِ کمال طے کرنے کا ایک ایسا اہم ذریعہ ہے جس سے اسے یقین تھا کہ انسان تنہا الوہیت کی سطح تک پہنچ سکتا ہے بلکہ اس قابل ہے کہ اپنے اعمالِ حسنہ کی جزا کے طور پر نبوت اور اس سے متعلّقہ جملہ صفات عالیہ بھی حاصل کر لے۔

اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اپنے عقائد کے باعث وہ قرآن کی ہر اس آیت کی رمزیہ تفسیر کرنے پر مجبور تھا جس کا لفظی مفہوم ان سے بالکل مختلف ہوتا۔

دبستانِ ابن مَسَرّہ: ابن مَسَرّہ کے تصوّرات کا اثر اتنا وقیع، زیادہ اور اس کی ذاتی تعلیم کا وقار اس قدر دور رس تھا کہ جو لوگ شروع شروع میں اس کے مرید ہوئے انھوں نے بڑی کامیابی سے ان کی اشاعت کی، حالانکہ اس کے مخالفین بڑے مقتدر لوگ تھے اور راسخ العقیدہ ہونے کی بنا پر اس کی تعلیم کی تنقیص و تردید کرتے تھے۔ معلومات کی کمی کے باوجود اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت موجود ہے کہ ابن مَسَرّہ کے پُرجوش پیرو قرطبہ، المریہ (Almeria)، جیّان (Jaén)، الغرب (Algarve) اور دوسرے شہروں میں موجود تھے۔ انھوں نے بڑی ہمت سے علمائے دین کے جبر و تشدد کا سامنا کیا، حالانکہ انھیں المنصور [الحاجب] کی حمایت اور قدامت پسند عوام کی تائید حاصل تھی۔ ان سب شہروں میں ان کے مرشد کی تصنیفات پڑھی جاتی تھیں اور ان کی تفسیر بیان ہوتی، لیکن بعد ازاں ان میں سے بعض شہروں مثلاً المریہ میں ابن مَسَرّہ کے افکار کے متعلّق اختلاف رونما ہوا، جیسا کہ اسمٰعیل رعینی کے سلسلے میں، جسے اپنے مرشد کے مابعد الطبیعی اور الٰہیاتی تصوّرات سے تو اتفاق تھا لیکن جس نے اس کی اخلاقی تعلیم کو قبول نہیں کیا۔ اسمٰعیل رعینی اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس امر کا قائل تھا کہ ہر قسم کی ملکیت کو خلافِ قانون قرار دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ ازدواجی تعلّقات میں نکاح کی قید کو بھی اڑا دیا جائے۔ اس کے یہ خیالات اپنے مرشد کی تعلیمات سے اس قدر مختلف تھے کہ اس کے بہت سے شاگردوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

اس سلسلے میں آخری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اندلس میں تصوّف کی اجتماعی تنظیم کے آثار ابن مَسَرّہ ہی کے زمانے سے نمودار ہونے لگے۔ اس نے جبالِ قرطبہ میں جو چھوٹی سی جمعیت قائم کی تھی اسے بطورِ مثال سامنے رکھتے ہوئے ایسے ہی متعدّد اساتذۂ تصوّف کے زیرِ ہدایت مختلف سلسلے اور جمعیتیں قائم ہونے لگیں، جو نہ صرف اس لیے کہ انھوں نے اپنے زہد و ورع اور ریاضت کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے بلکہ باعتبار علم و فضل بھی ان کا درجہ بڑا بلند تھا اور انھیں یہ قدرت حاصل تھی کہ تحریر و تقریر دونوں ذرائع سے عوام کو اپنی طرف مائل کریں......

[الزرکلی (الاعلام) نے اسے اسمٰعیلی داعی بتایا ہے اور محمد البہلی النیّال کے ایک مقالے کا حوالہ دیا ہے جو تونس کے مجلّۂ الندوۃ میں چھپا تھا اور جس میں کہا گیا ہے کہ ابن مَسَرّہ عبیدیوں (فاطمیۂ مصر) کے جاسوسوں میں تھا]۔

(M. ASÍN PALACIOS)

✱ **ابن مَسْعُودؓ**: [ابو عبدالرحمٰن] عبداللہ بن غَافِل ابن حبیب بن شَمْخ [الاصابۃ: شخص، جو طباعت کی غلطی ہے] بن فار بن مخزوم ابن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تَمیم [الاصابۃ: تَیْم] بن سعد بن ہُذَیل، صحابی رسول [اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱۲ عام الفیل میں پیدا ہوئے]۔ رسول اللہؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے بیشتر کی طرح وہ بھی معاشرۂ مکہ کے ادنٰی طبقے میں تھے۔ جوانی میں وہ عُقبہ بن ابی مُعَیط کے مویشی چراتے رہے، اسی لیے بعد کے زمانے میں [حضرت] سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک بحث کے دوران انھیں ایک ہُذَلی غلام کہا تھا (طبری، ۱: ۲۸۱۲)۔ انھیں عام طور پر بنی زہرہ کا حلیف بتایا جاتا ہے اور اسی طرح ان کے باپ کو بھی۔ مؤخّر الذکر کے متعلّق ہمیں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں۔ عبداللہ کا بھائی عُقبہ اور ان کی ماں اُمّ عَبْد (الاصابۃ: عبداللہ) بنت عَبْدِ وَدّ بن سواء قدیم ترصحابہ میں سے ہیں؛ چنانچہ النَّووی (طبع وسٹنفلٹ، ص ۳۷۰) عقبہ کو ''صحابی ابن صحابیہ'' بتاتا ہے۔ ان کے قبولِ اسلام کو ایک معجزہ سمجھا گیا ہے۔ جب محمد [صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] اور [حضرت] ابوبکر [رضی اللہ عنہ] مکۂ [معظّمہ] سے ہجرت کر رہے تھے [الاستیعاب میں ہجرت کا ذکر نہیں بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم عبداللہ کے پاس سے گزرے] تو ان کی ملاقات عبداللہ سے ہوئی، جو بکریوں کا ایک ریوڑ چرا رہے تھے۔ ابوبکر اور آنحضرت [صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] نے ان سے دودھ مانگا تو انھوں نے اپنی دیانت داری کی بنا پر دودھ پلانے سے انکار کر دیا۔ اس پر رسول اللہ [صلّی اللہ علیہ وسلّم] نے ایک بھیڑ [الاستیعاب: شاۃً حائلاً، یعنی بن دودھ کی بھیڑ] کو پکڑ لیا اور اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا؛ تھن بڑے ہوگئے اور ان سے دودھ کی بہت بڑی مقدار نکل آئی۔ اس کے بعد آنحضرت [صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] نے اس کے تھنوں کو ویسا ہی کر دیا جیسے وہ پہلے ہی تھے۔

یہ درست ہے کہ [حضرت] عبداللہؓ اوّلین صحابہ میں سے تھے، چنانچہ وہ فخریہ طور پر اپنے آپ کو ''چھے میں سے چھٹا'' ''سادِسُ سِتَّۃ'' (مسلم) کہا کرتے تھے۔ دوسری روایات کے مطابق وہ اس وقت اسلام لائے جب کہ ابھی آنحضرت [صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] اَرْقَمؓ کے گھر میں نہیں گئے تھے بلکہ وہ [حضرت] عمرؓ کے ایمان لانے سے بھی پہلے ایمان لائے [قبول اسلام کے وقت ان کی عمر انیس بیس سال تھی]۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے مکّے میں علی الاعلان قرآن مجید پڑھا، حالانکہ ان کے دوست انھیں اس کام سے روکتے تھے، کیونکہ ان کی پشت پر ان کی حفاظت کرنے والا کوئی اپنا قبیلہ نہ تھا؛ چنانچہ اسی لیے قرآن پڑھنے پر ان سے بدسلوکی کی گئی۔ وہ یقیناً حبشہ گئے تھے، بلکہ انھیں روایات کی رو سے دو دفعہ۔

مدینے میں وہ مسجد نبویؐ کی پشت پر رہتے تھے اور وہ اور ان کی والدہ آنحضرت[صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] کے گھر اس قدر کثرت سے آتے جاتے دکھائی دیتے تھے کہ ناواقف لوگ انھیں آپؐ کے گھر کے آدمی سمجھتے تھے، لیکن عبداللہ محض ''صاحب النعلین [والسواک: الاصابۃ] والوساد والسواد'' [الاستیعاب: ذیلِ مادّہ] کی حیثیت سے رسول اللہ کے وفادار خادم تھے۔ وہ ظاہری وضع قطع میں آنحضرت[صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] کی تقلید کیا کرتے تھے، لیکن لوگ ان کی پتلی ٹانگوں پر اکثر ہنسا کرتے تھے۔ [حضرت] عبداللہ بن مَسْعُودؓ کے بال سرخ اور لمبے تھے اور وہ ان میں خضاب نہ لگاتے تھے۔ ان کی یہ خصوصیت اور ان کا سفید لباس اور عطر کا متواتر استعمال، ان سب کو غالبًا ان کے مذہبی عقائد کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ وہ زیادہ تر نماز پر زور دیا کرتے تھے اور اس کے برعکس [نفلی] روزے کم رکھتے تھے، تاکہ خدا کی خدمت کے لیے اپنی طاقت کو محفوظ رکھ سکیں۔

وہ تمام مشاہد میں موجود تھے۔ بدر کی جنگ میں جب ابوجہل شدید طور پر مجروح ہوگیا تو وہ اس کا سر کاٹ کر فاتحانہ انداز میں آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے۔ [حضرت] عبداللہؓ بن مسعود مبشّرۃ بالجنّۃ میں سے بھی تھے۔ رِدّہ [فتنۂ ارتداد] کے دوران میں جب [حضرت] ابوبکرؓ نے مدینے کو حفاظت کے خیال سے مستحکم کرنا چاہا تو عبداللہؓ ان لوگوں میں سے تھے، جنھیں آپ نے شہر کے کمزور مقامات کی نگرانی کے لیے منتخب کیا تھا۔ انھوں نے یرموک کی جنگ میں بھی حصّہ لیا[بقول ابوزید: المُحبر، ص ۱۶۱، رسول اللہؐ نے انھیں ''مقتسمین'' کے ردّ کے لیے بھی روانہ فرمایا تھا]۔

[حضرت] عمرؓ نے انھیں کوفے کے بیت المال کے انتظام اور اسلام کی تلقین کے لیے بھیجا۔ قرآن اور سنت کا عالم ہونے کی وجہ سے لوگ اکثر ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے ۸۴۸ احادیث مروی ہیں۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آنحضرت [صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] کی حدیث روایت کرتے وقت ان پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا اور یہاں تک کہ ان کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا تھا۔ جو کچھ وہ بیان کرتے نہایت احتیاط سے کرتے تاکہ کہیں غلط بات نہ کہہ دیں۔ حرمتِ شراب کی ایک نرم تر تعبیر کے لیے ان کی سند پیش کی جاتی ہے (گولٹ تسیہر (Goldziher): *Vorlesungen*، ص ۶۵؛ عیون الاخبار، طبع براکلمان (Brockelmann)، ص ۳۷۳، سطر ۱۳)۔

ان کے انجام کے متعلّق متضاد روایات ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ [حضرت] عمر[رضی اللہ عنہ] نے انھیں کوفے کے عہدے سے معزول کردیا تھا۔ جب لوگوں کو یہ خبر ملی تو لوگوں نے انھیں روکنا چاہا، لیکن انھوں نے کہا ''مجھے جانے دو کیونکہ اگر فتنے برپا ہونے والے ہیں تو میں ان کا باعث نہیں بننا چاہتا'' (قبؔ، متّی: باب ۱۸، آیت ۷) [الاستیعاب اور الاصابۃ میں عبداللہؓ بن مسعود کی معزولی [حضرت] عثمانؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے، قبؔ انساب الاشراف، یروشلم ۱۹۳۶ء، ۵:۳۶] ۔ کہا جاتا ہے وہ مدینے واپس چلے آئے اور وہاں ۳۲ یا ۳۳ھ میں ساٹھ سال سے زائد کی عمر میں وفات پائی اور رات کے وقت بقیع الغرقد میں مدفون ہوے۔

جب وہ بسترِ مرگ پر تھے تو [حضرت] عثمانؓ ان سے ملنے آئے، ان کا حال دریافت کیا اور پوچھا کہ ان کی کیا خواہش ہے؟ تو انھوں نے اس قسم کے جوابات دیے جو قدما کی پارسائی کے ساتھ قدیم طرز کی دینداری کا نمونہ تھے۔

انھوں نے الزُّبیر کو اپنا وَصِیّ مقرر کیا ... تاہم ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے کوفے میں وفات پائی اور ۲۶ھ میں [حضرت] عثمانؓ نے انھیں [حضرت] سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ معزول نہیں کیا تھا۔

عبداللہ [ابن مسعودؓ] کی زیادہ تر شہرت بحیثیت محدّث و مُفسّرِ قرآن ہے۔ مسند احمد (۱: ۳۷۴-۴۶۶) میں ان کی روایت کردہ احادیث کو جمع کردیا گیا ہے۔ [معتبر روایات کے مطابق وہ جامعین قرآن میں سے تھے اور انھوں نے قرآن کریم کا ایک نسخہ اپنے ذاتی نسخے کے طور پر تحریر کیا تھا۔ جس کے حواشی میں انھوں نے تشریحی اضافہ جات بھی کر رکھے تھے]۔

مآخذ: (۱) زخاؤ (Sachau)، ابن سعد کی تیسری جلد کے دیباچے ص xv بعد میں؛ (۲) طبری: تاریخ، دیکھیے اشاریہ، بذیل مادّہ؛ (۳) ابن ہشام طبع وسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، اشاریہ بذیل مادّہ؛ (۴) ابن الأثیر: أسْدُ الغابۃ، بذیل مادّہ؛ (۵) ابن حجر: اِصابۃ، بذیل مادّہ؛ (۵) النّوَوِی، طبع وسٹنفلٹ، بذیل مادّہ؛ (۶) ابن سعد، طبع زخاؤ، ۳: ۱۰۵ ببعد؛ (۷) Caetani: *Annali*، اشاریات، بذیل مادّہ؛ (۸) الجاحظ: البیان و التبیین، طبع ہارون، ۲: ۵۶؛ (۹) البدء و التأریخ، ۵: ۹۷؛ (۱۰) صفۃ الصفوۃ، ۱: ۱۵۴؛ (۱۱) حلیۃ الاولیاء، ۱: ۱۲۴؛ (۱۲) تاریخ الخمیس، ۲: ۲۵۷]۔

(A. J. WENSINCK)

⊗ **(ابن) مِسْکَوَیہ**: ابوعلی احمد بن محمد بن یعقوب مِسْکَوَیہ الرّازی (۳۳۰-۴۲۱ھ/ ۹۴۲-۱۰۳۰ء)، ایک بہت بڑا ادیب، مؤرّخ، اور فلسفی۔ جملہ مآخذ، مثلًا یاقوت کی ارشاد الأریب (مطبوعۂ مصر، ۵:۵) میں اس کا نام مِسْکَوَیہ ابوعلی احمد مرقوم ہے، لیکن چونکہ لفظ مسکویہ سے پہلے کسی نے غلطی سے ابن کا اضافہ کردیا اور ویسے ہی چھپ بھی گیا، لہٰذا یہ نام ابوعلی کے باپ یا دادا سے منسوب ہونے لگا۔ مستشرقین میں تو بالخصوص وہ ابن مِسْکَوَیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یاقوت نے (کتاب مذکور، ۵: ۱۰) لکھا ہے کہ مِسْکَوَیہ مجوسی تھا، جس نے بعد میں مذہب اسلام اختیار کرلیا، لیکن اگر اس کا اپنا اور اس کے باپ کا نام جعلی نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

ابن مسکویہ کا سالِ پیدائش کہیں مذکور نہیں۔ جوانی میں وزیر المُہلّبی کا ملازم تھا، لہٰذا ضرور ہے کہ اس وقت اس کی عمر کم سے کم بیس سال ہو۔ المہلبی

نے ۳۵۳ھ/۹۶۳ء میں وفات پائی، اس لیے قیاس یہ ہے کہ ابن مسکویہ ۳۳۰ھ/۹۴۲ء میں پیدا ہوا۔ اس کا اپنا بیان ہے (تجارب السلف، طبع H. F. Amedroz و D. S. Margoliouth، ۲: ۱۸۲) کہ اس نے احمد بن کامل سے، جو ۳۵۰ھ/۹۶۱ء میں فوت ہوا اور طبری، صاحب التأریخ والتفسیر، کے شاگردوں میں سے تھا، تأریخِ طبری پڑھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی یقینی ہے کہ اس نے ادب وفلسفہ کی تحصیل جوانی ہی میں کر لی ہوگی۔ وزیر المُہلّبی کی وفات کے بعد ابن مسکویہ آل بُوَیْہ کے وزیر ابن العمید کی ملازمت میں داخل ہوگیا اور وہ برابر سات سال اس کی خدمت میں حاضر رہا۔ اس کے شہرۂ آفاق کتب خانے کا خازن تھا؛ چنانچہ اس نے یہ خدمت بڑی قابلیت سے سرانجام دی، مثلاً ۳۵۵ھ/۹۶۶ء میں جب خراسان کے غازی رومیوں [اور ارمنوں] سے لڑنے کے لیے شہرِ رے میں داخل ہوے اور اسے لوٹا اور تباہ و برباد کر دیا تو مسکویہ نے اس کتب خانے کو تباہی سے بچا لیا۔ ابن العمید فوت ہوگیا (۳۶۰ھ/۹۷۰ء) تو ابن مسکویہ نے اس کے بیٹے ابوالفتح ابن العمید کی ملازمت اختیار کر لی اور پھر ۳۶۶ھ/۹۷۶ء میں اس کے انتقال پر دیلمی تاجدار عضد الدولہ کا ملازم ہوگیا۔ اس نے تاجدار مذکور اور آل بُوَیْہ کے دوسرے تاجداروں کے دربار میں اہم مراتب حاصل کیے، چنانچہ وہ اپنے آپ کو الصاحب ابن عبّاد [رکّ بآن] سے رتبے میں کم نہیں سمجھتا تھا۔ ابن مسکویہ نے بڑی لمبی عمر پائی۔ اس کی تاریخ وفات ۹ صفر ۴۲۱ھ/۱۶ فروری ۱۰۳۰ء ہے۔ وہ لازمًا اصفہان میں فوت ہوا، اس لیے کہ محمد باقر الخوانساری (روضات الجنات، تہران ۱۲۸۷ھ، ص ۷۱) نے لکھا ہے کہ اس کی قبر شہر اصفہان کے محلۂ خواجو میں ہے۔

ابن مسکویہ کی جو تصانیف دستیاب ہوتی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) تجارب الامم و تعاقب الهمم، یہ کتاب ایک عمومی تاریخ ہے، جسے طوفانِ نوحؑ سے شروع کر کے ۳۶۹ھ پر ختم کیا گیا ہے۔ اس تاریخ کا صرف ایک مخطوطہ موجود ہے، جو استانبول کے کتب خانۂ آیا صوفیا (شمارہ ۳۱۱۶-۳۱۲۱) میں ہے اور جس کا ایک حصّہ دخویہ (de Goeje) نے پہلی مرتبہ *Fragment historica arabica* میں شائع کیا، پھر L. Caetani نے جلد اوّل (۳۷ھ تک) اور جلد پنجم (۲۸۲-۳۲۶ھ) اور جلد ششم (۳۲۱-۳۶۹ھ) کو انگریزی زبان میں مقدمے اور خلاصے کے ساتھ عکسی چھاپ میں (*GMS*، شمارہ F، لنڈن ۱۹۰۹-۱۹۱۷ء)۔ اس کتاب کا آخری حصّہ (۲۹۵ھ تا آخر)، جس کا سلسلہ ابوشجاع کے ضمیمے کے ساتھ ۳۸۹ھ تک جا پہنچا ہے، نیز ہلال بن المُحسن الصابیٔ کی تاریخ کے ایک جز کے ساتھ، جو ۳۸۹ سے ۳۹۳ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے، H. F. Amedroz اور D. S. Margoliouth نے انگریزی ترجمے کے ساتھ طبع کیا (*The Eclipse of the Abbasid Caliphate*، ج ۱-۶، اوکسفرڈ، ۱۹۲۰-۱۹۲۱ء؛ جلد ۷، مقدمہ و فہرست، اوکسفرڈ ۱۹۲۱ء)۔ [تجارب الامم کا سب سے بڑا ماخذ ایک تو طبری کی ضخیم تأریخ ہے، پھر محمد بن یحیٰی الصولی کی ورقة اور ثابت ابن سنان کی وقائع، لیکن] ابن مسکویہ نے اس میں جملہ حالات جمع کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ صرف اس قسم کے واقعات قلم بند کیے ہیں جو اس کے نزدیک سلطنتوں کے ''حسن احوال'' کی طرف لے جاتے ہیں یا اضمحلال و زوال کی طرف۔ اس کے اندازِ فکر کا بہ نظرِ تعمق جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ تاریخی واقعات اپنے آپ کو دہراتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے ممکن ہے کہ اسلاف کے تجربوں سے فائدہ اٹھاتے ہوے ہم سیاست کی ایک ایسی راہ اختیار کریں جو بہترین حالات پیدا کرے اور جس سے سلطنت زوال و اضمحلال سے محفوظ رہے۔ گویا ابن مسکویہ کے نزدیک تاریخ تجربوں کے اس مجموعے کا نام ہے جس سے لوگ ہر وقت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دوسرے لحاظ سے [جیسا کہ اس کے عنوان تجارب الامم فی تعاقب الهمم سے ظاہر ہوتا ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ قوموں کا اپنے اغراض و مقاصد کے حصول میں کن کن مراحل سے گزر ہوا اور کیوں نہ ہم ان سے عبرت حاصل کریں تاکہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو سکیں۔ دراصل ابن مسکویہ کا نظریۂ تاریخ ایک طویل بحث کا محتاج ہے، جس کی طرف ہم آگے چل کر اشارہ کریں گے۔ یہاں ہمیں بحث ہے تو ابن مسکویہ کے اس دعوے سے کہ تجارب الامم کے] جو حصّے ۳۲۱ سے ۳۶۹ھ کے حالات پر مشتمل ہیں اس کے اپنے مشاہدات پر مبنی ہیں، لہٰذا انھیں مستند تسلیم کر لینا چاہیے۔ [ابن مسکویہ کا یہ دعوٰی صحیح ہے۔ اس نے عماد الدولہ کے بارے میں، جو فی الحقیقت دولتِ آلِ بُویہ کا بانی ہے، ٹھیک لکھا ہے کہ وہ بڑا دلیر شخص تھا، لیکن حصولِ مطلب میں کسی اصول کا پاس نہ کرتا؛ بعینہٖ اس نے معز الدّولہ اور عضد الدّولہ کی کمزوریوں کی طرف بلا تامّل اشارہ کیا ہے۔ یوں بھی ابن مسکویہ نے اپنی اکثر معلومات معز الدولہ اور رکن الدولہ کے وزرا المُہلّبی اور ابن العمید سے حاصل کیں اور وہ خود بھی بحیثیت کاتب عضد الدّولہ اور بہاء الدّولہ کے درباروں سے خوب واقف تھا؛ لہٰذا مرجلیوث (Margoliouth) کا یہ خیال صحیح نہیں کہ ابن مسکویہ کو آل بویہ سے کوئی خاص پرخاش تھی]۔ اگر وزیر ظہیر الدین ابوشجاع کا یہ دعوٰی صحیح بھی ہو کہ تجارب الامم کا آخری حصّہ کتاب التاجی کا خلاصہ ہے جو [ابواسحٰق ابراہیم] الصابیٔ نے عضد الدولہ کے اشارے سے آل بُوَیہ کی تاریخ کے بارے میں لکھی [دیکھیے تجارب، طبع مذکور، ۳: ۲۳] اور جس کی تائید مزید میں ابوشجاع یہ کہتا ہے کہ دونوں کتابوں کے الفاظ میں بہت بڑی مشابہت پائی جاتی ہے، تو بحیثیت ایک تاریخی مآخذ کے تجارب کی اہمیت اور قدر و قیمت کم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ کتاب التاجی ناپید ہے۔ [تجارب الامم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ابن مسکویہ نے اس تصنیف میں سلسلۂ اسناد کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ اس نے اپنی توجہ صرف حوادث پر رکھی، جس کی وجہ یہ ہے کہ اسے تاریخ کی ظاہری ہیئت سے بڑھ کر اس کی روح سے دلچسپی تھی۔ اسے یہ بحث نہیں تھی کہ کسی واقعے کا راوی کون ہے۔ وہ اس واقعے کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ یوں ضمنًا طبری کی نہایت ضخیم تاریخ کی تلخیص بھی ہوگئی ہے اور یہ امر بجائے خود خالی از فائدہ نہیں]۔

(۲) کتاب آداب العرب والفرس، یہ کتاب ایرانیوں، ہندووں، عربوں، رومیوں اور مسلمانوں کی تصنیفات سے ماخوذ اقوال کا ایک مجموعہ ہے۔ اس کی ابتدا چونکہ جاویدانِ خرد کے ترجمے سے ہوتی ہے، جو ہوشنگ بادشاہ سے منسوب ہے (جس کے لیے دیکھیے H. Ethé: *G. I. Ph..*، ۲:۳۴۶) اور جس کا عربی میں ترجمہ الحسن بن سہل وزیر (م ۲۳۵ھ/ ۸۵۰ء یا ۲۳۶ھ/ ۸۵۱ء) نے کیا، اس لیے جاویدانِ خرد کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس کتاب کے متعدّد مخطوطے موجود ہیں، جن میں بظاہر قدیم ترین نسخہ استانبول کے کتب خانۂ فیض اللہ میں ہے (شمارہ ۱۵۸۷، تاریخ تحریر ۵۵۶ھ)۔ آگے چل کر عبدالرحمٰن البدوی نے اس کتاب کو ایک مقدمے اور حواشی کے ساتھ شائع کیا: الحکمۃ الخالدۃ، جاویدانِ خرد، القاھرۃ ۱۹۵۲ء (الدراسات الاسلامیۃ، ۱۳) حکمِ روم [کذا فی الاصل] کے ایک حصّے کا ترجمہ، جس کا عنوان اس اشاعت میں ذکر قابس الافلاطونی ولغزہ اولوح قابس [*Le tableau de Cèbès*] درج ہے، کئی مرتبہ دوسری زبانوں میں طبع ہو چکا ہے (پہلی مرتبہ:- Tabula cebetis Graece, Arabice, Latine, Item aurea carmina Pythagorae cum parephrase Arab. auct. Joh. Elichmann, cum praef. Cl. Salm asü، Lugd. Bat.، ۱۶۴۰ء۔ علی سعادی نے ۱۲۸۰ھ میں اس حصّے کا ترکی ترجمہ اخبار روز نامہ میں شائع کیا اور پھر ۱۲۸۹ھ میں اس کا عربی متن پیرس سے۔ اس کی آخری طباعت ہے R. Basset: *Le talbleun de cébès, version arabe d` Ibn Miskaweih publ. et trad. avec une introduction et des notes*، الجزائر ۱۸۹۸ء۔ پوری کتاب معمولی تبدیلی کے ساتھ دو مرتبہ فارسی میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے: (ا) محمد بن محمد الارّجانی ثم التستری کی طرف (ہندوستان میں، گیارھویں صدی ہجری میں، دیکھیے Ch. Rieu: *Catal. of the Persian MSS. in the Brit. Mus.*، ۲:۲۴۰ب، ۲۴۱الف)؛ (ب) شمس الدّین محمد حسین کی طرف سے (ہندوستان میں، یہ بھی گیارھویں صدی ہجری میں، دیکھیے H. Ethè: *Cat. of the Persian MSS. in India Office*، ۱:۱۲۰۲، شمارہ ۲۲۱).

(۳) تھذیب الاَخْلاق و تطھیر الاَعْراق، ابن مسکویہ نے آداب العرب والفرس میں خود اس کتاب کا ذکر کیا ہے، لہٰذا ابن مسکویہ سے اس کی نسبت یقینی ہے اور اس میں شک و شبہہ کی مطلق گنجائش نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اسے کتابِ مذکور کے بعد تصنیف کیا تھا۔ تھذیب الاخلاق کا موضوع ہے اخلاقیات اور وہ سات مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقالۂ اوّل کی حیثیت تمہیدی ہے، جس میں اس نے نفس، یعنی روح، کی ماہیت اور حکمت اور اس کی قسموں سے بحث کی ہے۔ بعد کے مقالوں میں اس نے خُلق اور اس کی انواع، خیر و سعادت کی ماہیت، ان کے باہمی فرق اور اقسام، فضائل اور الفت اور انس اور اجتماع کی ضرورت، نفس کی بیماریوں، ان کی صحت اور محافظت، علاج وغیرہ پر قلم اٹھایا ہے۔ تھذیب الاخلاق، ابن مسکویہ کی مشہور ترین کتابوں میں سے ہے اور ہندوستان (۱۲۷۱ھ)، استانبول (پہلی بار: ۱۲۹۸ھ)، قاہرہ (پہلی بار: ۱۲۹۸ھ) اور بیروت (۱۳۲۷ھ) میں متعدّد بار چھپ چکی ہے۔ نصیر الدّین طوسی ایسے جیّد عالم اور فلسفی نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اسے اپنی کتاب اخلاق ناصری میں جگہ دی۔ گویا اخلاق ناصری کا پہلا حصّہ تھذیب الاخلاق کا ترجمہ ہے.

(۴) الفوز الاصغر، یہ ایک مختصر سی تصنیف ہے اور تین مسئلوں پر منقسم ہے: (ا) صانع [خالقِ کائنات] کا اثبات؛ (۲) نفس [یعنی روح] کی ماہیت اور اس کے احوال؛ (۳) نبوّت؛ بیروت (۱۳۱۹ھ) اور قاہرہ (۱۳۲۵ھ) میں طبع ہو چکی ہے۔ [صانع کی بحث میں اس نے دس فصلوں میں قدیم فلسفۂ حرکت اور اس کی مختلف نوعیتوں کی بنا پر الگ الگ ذاتِ باری تعالٰی کا اثبات کیا ہے اور اس کی ازلیت و ابدیت اور وحدانیت کے دلائل پیش کیے ہیں۔ بعینہٖ دس فصلوں میں وہ نفس (یعنی روح) سے بحث کرتا ہے اور اس کے مختلف پہلووں پر نظر ڈالتا ہے۔ وہ کہتا ہے روح زندگی نہیں، بلکہ زندگی روح سے ہے؛ اندریں صورت روح کے سلسلے میں حیات بعد الموت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن الفوز الاصغر کی اہمیت ان مسائل پر فلسفیانہ غور و فکر کے علاوہ یوں بھی کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ ابن مسکویہ پہلا شخص ہے جس نے ارتقا کی حقیقی نوعیت اور متضمّنات کو سمجھا۔ وہ مفکّر بھی ہے اور ایک طرح سے عالمِ حیاتیات بھی۔ کہنے کو ارسطو بھی ارتقا کا قائل تھا، لیکن ارسطو کا ارتقا دراصل مرادف ہے کسی شے کی نشو و نما کا نہ کہ اس ارتقائی حرکت کا جو بحیثیت مجموعی کائنات میں جاری ہے اور جس کے مظاہر میں ہم اس عمل کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں جس کے ماتحت زندگی نے جمادات سے نباتات، نباتات سے حیوانات اور حیوانات سے انسان میں قدم رکھا۔ ارتقا کا یہی تصوّر ہے جس کے ماتحت اس نے شخصیت سے بحث کی ہے اور آخر الامر نبوّت کو کمالِ انسانیت سے تعبیر کیا ہے].

(۵) رسالۃ فی اللذّات والآلام فی جوھر النفس، اس رسالے کا مخطوطہ استانبول میں راغب پاشا کے کتاب خانے میں ہے (شمارہ ۱۴۳۶).

(۶) اجوبۃ در مسئلۃ فی النفس والعقل (کتاب خانۂ راغب پاشا کے اِسی مجموعے میں).

(۷) رسالۃ فی جواب فی [کذا، عن] سؤال علی ابن محمّد بن محمّد بن ابی حیّان الصوفی فی حقیقۃ العدل (ایک مخطوطہ مشہد کے کتب خانے میں ہے).

(۸) ندیم الفرید و انیس الوحید، اس کتاب کا صرف ایک اختصار اور انتخاب استانبول میں موجود ہے، کتاب خانۂ ولی الدّین (شمارہ ۲۶۲۵).

(۹) رسالۃ مسکویہ رازی، اس رسالے میں ''حجر اعظم'' (پارس پتھر)، اس کی علامات اور اس کے حصول کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ تہران

یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے (دیکھیے محمد تقی دانش پژوہ: فہرست کتب خانۂ اہلائی آقاے سید محمد مشکوٰۃ بہ کتابخانۂ دانشگاہ تہران، تہران ۱۳۳۲ھ ش، جلد ۳، جز ۲: ص ۹۸۲)؛ لیکن اس رسالے کی نسبت ابن مسکویہ سے غیر یقینی ہے۔

ان کے علاوہ ابن مسکویہ کے متعلّق مآخذ میں اس کی جو تصانیف مذکور ہیں ان میں حسبِ ذیل کا ذکر آیا ہے:۔

(۱) الفوز الاکبر، اخلاقیات کے موضوع پر، دیکھیے یاقوت: ارشاد، طبع مذکور، ۵:۱۰ببعد؛ اس کتاب کا ذکر الفوز الاصغر کے آخر میں بھی آیا ہے (بیروت ۱۳۱۹ھ، ص ۱۲۰)۔

(۲) انس الفرید (یاقوت: مقام مذکور، یہ کتاب اخبار، اشعار، حِکَم اور امثال پر مشتمل ہے اور ابواب میں منقسم نہیں، ابن القفطی: اخبار الحکماء، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۲۱۷؛ ممکن ہے کہ ندیم الفرید و انیس الوحید، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، یہی کتاب ہو)۔

(۳) ترتیب العادات (یاقوت: مقام مذکور، اخلاق اور سیاست کے موضوع پر۔ اس کتاب کا نام ترتیب السعادات ہونا چاہیے، جیسا کہ دوسرے مآخذ، مثلاً الخوانساری: روضات، ص ۷۰، میں مذکور ہے)۔

(۴) کتاب الجامع (یاقوت)۔

(۵) کتاب السیر (یاقوت؛ اخلاقیات کی کتاب ہے، جس میں اقوال، حِکَم اور اشعار بھی شامل ہیں)۔

(۶) کتاب الاشربۃ (ابن ابی اُصَیبِعہ: عیون الانباء، قاہرہ ۱۲۹۹ھ، ۱:۲۴۵؛ امین الدولہ ابن التلمیذ نے اس کتاب کا خلاصہ کر دیا ہے، وہی کتاب، ۱:۲۷۶)۔

(۷) کتاب الادویۃ المفردۃ (ابن القفطی: اخبار الحکماء، ص ۲۱۷)۔

(۸) کتاب الباجات من الاطعمۃ (ابن القفطی: وہی کتاب؛ ممکن ہے کہ کتاب الطّبیخ، جس کا ذکر ابن ابی اُصَیبِعہ نے کیا ہے (عیون، ۱:۲۴۵)، یہی کتاب ہو۔

(۹) کتاب السیاسۃ (الخوانساری: روضات الجنات، محلِ مذکور)۔

(۱۰) الشوامل، ایک کتاب جو ابوحیّان التوحیدی کے سوالات، موسوم بہ الھوامل، کے جواب میں لکھی گئی۔ کل سوالات ایک سو اسّی ہیں، جو اخلاقی، لغوی، کلامی، فقہی، فلسفی اور ادبی مسائل کے متعلّق ہیں اور جو بغیر کسی ترتیب کے پوچھے گئے ہیں۔ اس کتاب کا ایک ہی مخطوطہ محفوظ ہے (استانبول میں کتاب خانۂ آیا صوفیا، شمارہ ۲۴۷۶)، جس کے مطابق احمد امین اور احمد صقر نے اسے طبع کیا، الھوامل والشوامل لابی حیان التوحیدی و مسکویہ، قاہرہ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء۔ اب وہ سوالات جو الھوامل کے نام سے موسوم ہیں، اس شکل میں نہیں ملتے جس میں ابوحیّان نے انھیں لکھا تھا، اس لیے کہ ابن مسکویہ نے بعض اوقات سوالات کو مختصر اور حذف کر دیا ہے۔ بہر حال یہ کتاب سائل اور مجیب دونوں کے کمالِ علم پر ہر طرح سے شاہد ہے۔

(۱۱) تعلیقات (منطق کے موضوع پر، الخوانساری، محلِ مذکور)۔

(۱۲) المقالات الجلیلۃ (اقسامِ حکمت اور علومِ ریاضیہ کے موضوع پر، الخوانساری، محلِ مذکور)۔

(۱۳) کتاب المستوفی (منتخب اشعار، یاقوت)، الخوانساری نے ابن مسکویہ کی دو فارسی کتابوں کا نام بھی لیا ہے: (الف) نزھت نامۂ علائی (علاء الدولہ دیلمی کے نام سے مُعَنوَن ہے، محلِ مذکور)؛ (ب) کتاب جاویدانِ خرد (جاویدانِ خرد: عربی کے علاوہ، محلِ مذکور)۔

ابن مسکویہ کی تصنیفات کے لیے دیکھیے ابوسلیمان السجزی: منتخب صوان الحکمۃ، L. Caetani کی عکسی طبع کے مقدمے میں، ۱:۲۸۔

ضروری ہے کہ یہاں ابن مسکویہ کی تصانیف کے متعلّق چند غلطیوں کی تصحیح بھی کر دی جائے۔ اوّل یہ کہ براکلمان: تکملہ، ۱:۵۸۴، میں اس کی ایک تصنیف کتاب الطہارۃ کے نام سے مذکور ہے (شمارہ ۹، اس کا ایک مخطوطہ کوپرولو میں، شمارہ ۷۶۷) اور بظاہر اسی سے ہر جگہ منقول بھی ہے (دیکھیے مثلاً عبدالرحمٰن البدوی: کتاب مذکور، مقدمہ، ص ۱۲، شمارہ ۱۸)، لیکن یہ کتاب طہارت نفس کی طرح، جس کا ذکر نصیر الدّین طوسی نے اخلاق ناصری کے مقدمے میں کیا ہے، تہذیب الاخلاق و تطہیر الاَعراق سے کوئی الگ تصنیف نہیں۔ دوم تہران کے کتاب خانۂ مجلس میں ایک اور تصنیف کتاب فی جواب المسائل الثلث موجود ہے (دیکھیے فہرست کتاب خانۂ مجلس، ۲:۳۹۸)، جس کا بعض کتابوں میں بطور ایک الگ کتاب کے ذکر کیا گیا ہے (دیکھیے مثلاً البدوی: کتاب مذکور، ص ۲۲، مقدمہ، شمارہ ۱۶)، لیکن یہ بھی، جیسا کہ اس کے نام اور اس کی کیفیت سے ظاہر ہوتا ہے، الفوز الاصغر کے سوا کوئی دوسری تصنیف نہیں (دیکھیے اوپر، تصانیفِ ابن مسکویہ، شمارہ ۴)۔

ابوحیّان التوحیدی نے، جو اس کا ہم عصر تھا اور اس سے ملا بھی ہے، اس کی شخصیت کا عجیب نقشہ کھینچا ہے (دیکھیے ۱۔ کتاب الامتاع و المؤانسۃ، طبع احمد امین و احمد الدین، قاہرہ ۱۹۳۹ء، ۱:۳۵ببعد؛ ۲۔ یاقوت: ارشاد، طبع مذکور، ۵:۷۵)۔ وہ کہتا ہے کہ ابن مسکویہ کا ذہن فلسفیانہ غور و تفکّر سے عاری تھا، گو اس کی یہ کوشش تھی کہ فلسفے کی تعلیم حاصل کرے۔ اس کی ساری توجہ علمِ کیمیا پر تھی، جس میں اس نے ابوالطیب الرّازی الکیمیائی کے ساتھ اپنی ساری عمر، دولت اور محنت ''حجر اعظم'' کی تلاش میں صرف کر دی (قبّ الامتاع، طبع مذکور، ۲:۳۹)۔ ابن سینا کے بھی جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں ان کی رو سے یہی نظر آتا ہے کہ ابن مسکویہ فلسفے سے نابلد اور ایک کم فہم انسان تھا؛ لیکن قوی احتمال ہے کہ یہ روایات حسد کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ ان کے مقابلے میں دوسری روایات ایسی بھی ہیں جن سے ابن مسکویہ کی فلسفیانہ بلندی اور کمالِ ذہانت کا پتا چلتا ہے (دیکھیے مثلاً ۱۔ ابوسلیمان السّجزی، محلِ

مذکور؛ ۲- البیہقی: تتمۂ صوان الحکمۃ، طبع محمد شفیع، لاہور ۱۳۵۱ھ، ص ۲۸ ببعد؛ ۳- درّۃ الاخبار، طبع محمد شفیع، لاہور ۱۳۵۰ھ، ص ۲۹).

حقیقت کچھ بھی ہو، جب ہم اخلاقیات میں ابن مسکویہ کی تصانیف پر نظر ڈالتے ہیں تو کہنا پڑتا ہے کہ اس موضوع میں اس کا رتبہ ابن سینا کے برابر بلکہ اس سے بھی اونچا ہے۔ صرف یہ بات کہ نصیر الدّین طوسی نے اس کی تہذیب الاخلاق کا ترجمہ کیا اور اسے اخلاق ناصری میں سب سے مقدم رکھا اس دعوے کی تائید کے لیے کافی ہے۔ دوسری جانب اس کے اندازِ فکر سے بھی اس کی تصانیف کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے، اس لیے کہ فلسفے میں ابن مسکویہ اگرچہ بواسطۂ فارابی ارسطو سے متأثّر ہے اور اپنے فلسفیانہ افکار میں بالعموم الکندی سے قریب تر ہے۔ بایں ہمہ اس کی حیثیت ایک ایسے مفکّر کی نہیں جو اساتذۂ فن کی راے جوں کی توں بیان کر دے۔ وہ جیسا کہ اس کی تصانیف، مثلاً آداب العرب والفرس اور تجارب الامم، سے ظاہر ہوتا ہے ایک عمیق النظر اور آزاد خیال مفکّر تھا...... [اس نے تاریخ کا مطالعہ ایک فلسفی اور سائنس دان کی حیثیت سے کیا ہے۔ لہٰذا اسے واقعات سے اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی کہ اُن کے حقیقی اسباب وعِلَل سے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ قوموں کی زندگی اور ان کے عروج و زوال میں جو افراد حصّہ لیتے ہیں، ان کے اعمال و افعال کے محرّکات کیا ہیں؟ کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو کیوں؟ یہ واقعہ پھر کبھی رونما ہو سکتا ہے؟ لہٰذا تاریخ کا تعلّق اگرچہ ماضی سے ہے، لیکن اس میں مستقبل کے لیے بھی ایک سبق ہے، جس سے افراد ویسے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جیسے اقوام و امم۔ وہ گویا ہمارے ارادوں اور مقاصد میں ہماری رہنمائی کرتی ہے اور اگر ہم نے اسے ٹھیک سمجھ لیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان غلطیوں سے محترز نہ رہیں جو دوسروں کے لیے ناکامی کا موجب بنیں۔ تاریخ گویا آئینہ ہے اس اجتماعی عمل، اس کے محرّکات، اسباب اور نتائج کا جس سے قوموں کا گزر ہوتا ہے۔ ہم اس کے تجزیے سے معلوم کر سکتے ہیں کہ تاریخ کی اساسات کیا ہیں اور اس کے اصول و مبانی کیا؟ ہم اس کا مطالعہ کریں تو کس نہج پر؟ ہم اپنے علم و عمل اور اپنے فکر و نظر میں اسے کیا جگہ دیں؟ بالفاظ دیگر تاریخ عبارت ہے اس مسلسل حرکت سے جس میں اس کے جملہ حوادث باہم دگر مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر ہوتے ہیں۔ وہ ذاتِ انسانی کی ترجمان اور اس کے ارادوں اور آرزووں کی مظہر ہے؛ لہٰذا نفسِ انسانی ہی اصل سرچشمہ ہے اس حرکت کا، جس کا مطالعہ ایک طرح سے نفسِ انسانی کا مطالعہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ کی بنا حقائق پر ہے۔ معجزوں یا افسانوں سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ اس کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا اور اس لیے اقوام و افراد بجا طور پر اس سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے مقاصد اور ارادوں کی تکمیل میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ ایک ذریعہ ہے حقائق کے ادراک کا۔ ابن مسکویہ نے بھی تاریخ کے عمل کا ایک جدلی تصوّر قائم کیا ہے، لیکن یہ جدلی عمل مادّی قوتوں کے بجاے انسانوں کی راے، خیالات و نظریات، ارادوں اور مقاصد سے متعلّق ہوتا ہے۔ تاریخ کے کوئی مقررہ اور معیّنہ ادوار نہیں ہیں کہ یکے بعد دیگرے ان کا ظہور ہوتا رہے، بلکہ جو کچھ ایک دور میں ہوتا ہے وہ ایک طرح سے نفسیاتی ردِّ عمل ہوگا اس کا جو دورِ ماسبق میں ہوا؛ چنانچہ یہ ہر دور کی اپنی ایک روح ہے جس کے ماتحت اخلاق، سیاست یا معاشرت ایک مخصوص رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ یہاں پہنچ کر از روے علم، مثلاً بحیثیت ایک باقاعدہ نظامِ معلومات کے، جس کا تعلّق خارجی حقائق سے ہے، تاریخ کی صحت و عدمِ صحت یا افراد و اقوام کے نفسیاتی عوامل یا اس لحاظ سے کہ تاریخ کی افادیت کیا ہے، یا از روے فکر اس کے کسی نظریے کے بارے میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ان سے ابن مسکویہ نے بحث نہیں کی اور یہ ضروری بھی نہیں تھا کہ وہ ان سوالات کے بارے میں اپنا کوئی نظریہ پیش کرتا۔ اس کا یہ کہنا تو ٹھیک ہے کہ تاریخ کو افسانوں اور معجزات سے الگ رکھنا چاہیے، مگر باوجود نبوّت کی فضیلت کے اعتراف کے وہ تاریخ میں اس کی صحیح اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکا، جو ایک افسوسناک فروگزاشت ہے]۔ بایں ہمہ ابن مسکویہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے کسی وقت بھی دینِ اسلام اور شریعت کو نظر انداز نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی آرا و خیالات، بالخصوص اخلاق میں اسلام کے دوسرے فلسفیوں کی آرا کی بہ نسبت شریعت کے زیادہ موافق ہیں.

ابن مسکویہ نے اپنے اخلاقی نظریات کی ابتدا نفس یعنی روح کے اثبات سے کی ہے (دیکھیے اوپر، ابن مسکویہ کی تصانیف، بالخصوص شمارہ ۴ و ۵)۔ اس کے نزدیک نفس ایک ایسا جوہر ہے جسے نہ جسم کہا جا سکتا ہے نہ جسم کا کوئی حصّہ نہ ''عرض''، اور جس کا ادراک حواس کے ذریعے ناممکن ہے۔ وہ درحقیقت خود ہی ایک مدرک ہے، جسے ایسی معرفتیں حاصل ہیں جو حواس کو حاصل نہیں، اس لیے کہ یہی معرفتیں ہیں جن کی بدولت وہ ان معرفتوں کے جو حواس کے ذریعے سے حاصل کی جاتی ہیں صادق یا کاذب ہونے میں تمیز کرتا ہے۔ نفس [روح] ایک وحدت ہے، لہٰذا اس میں عقل اور معقول ایک ہو جاتے ہیں۔ انسان عقل ہی کی بدولت حیوانات سے ممتاز ہے اور اعمالِ حسنہ کی طرف راغب.

ابن مسکویہ کے خیال میں ہر ہستی کے اندر ایک شوق ہے جو اسے مجبور کرتا ہے کہ اپنے کمال کی طرف حرکت کرے۔ یہی حرکت خیر و فضیلت ہے۔ انسان کا کمال چونکہ انسانیت میں ہے، جو حیوانات میں موجود نہیں، لہٰذا انسان کی فضیلت اسی میں ہے کہ اس مرتبے کو حاصل کرے؛ لیکن اس مرتبے تک پہنچنے کی استعداد سب انسانوں میں یکساں نہیں۔ ان میں کچھ برگزیدہ ہستیاں ہیں، جو فطرۃً خیر (= کمال انسانیت) کی طرف حرکت کرتی ہیں۔ ان میں اشرار بھی ہیں، جو فطرۃً شر کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اکثر انسان ان دونوں قسموں کے بین بین ہیں اور تربیت کے زیرِ اثر خیر یا شرّ کو ترجیح دیتے ہیں؛ لیکن انسان، خواہ ان کی استعداد کچھ بھی ہو، فرداً فرداً محض اپنی کوشش سے خیر کو حاصل نہیں کر سکتے؛ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ باہم مل کر ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اندریں صورت ضروری ہے کہ انھیں ایک دوسرے سے محبت ہو، لہٰذا [ابن مسکویہ نے، جو رہبانیت کا شدید مخالف تھا،]

گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کو فضائل میں شمار نہیں کیا، کیونکہ جو شخص گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے وہ بوقتِ احتیاج دوسروں سے تو فائدہ حاصل کرتا ہے، لیکن خود وہ دوسروں کے کام نہیں آسکتا اور یہی وہ کیفیت ہے جسے ظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ احکامِ شریعت، مثلاً صلوٰۃ با لجماعت، صلوٰۃ جمعہ اور حج بھی لوگوں کو محبت اور اُنس کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن مسکویہ کے خیالات اساساتِ دین کے زیادہ مطابق ہیں، [مثلاً نفس کی بحث میں اس کی توجہ حکمت یونان کے بجائے زیادہ تر قرآن مجید پر ہے۔ اپنے اخلاقی، مذہبی اور فلسفیانہ تصوّرات کے پیشِ نظر اس نے تعلیم کا ایک جامع نظریہ پیش کیا ہے جو ارسطاطالیسی اور افلاطونی افکار کے امتزاج کے باوجود شریعتِ اسلامیہ پر مرتکز ہو جاتا ہے اور جس میں اس کی نظر فرد کے مادّی اور روحانی ارتقا کے ساتھ ساتھ جملہ ضروریات پر ہے۔ اس میں اس نے بچوں کی تعلیم کی جانب بالخصوص توجہ کی ہے]۔

اپنی کتاب الفوز الاکبر (*Problèms*) میں ابن مسکویہ نے بالخصوص صانع کے اثبات، اس کی وحدانیت اور مسائلِ نبوّت کی بڑی محنت اور بالغ نظری سے تحقیق کی ہے۔ نبوّت کے مسائل میں تو وہ بالخصوص ایسے نتائج پر پہنچا ہے جو اس کے استاد الفارابی کی آرا سے متغایر ہیں۔ ابن مسکویہ نے نبی اور فلسفی میں فرق کیا ہے۔ وہ نبی کو فلسفی سے افضل سمجھتا ہے [اس سلسلے میں اس نے نبوّت اور کہانت میں فرق کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کاہن کو باوجود غیب دانی کے نبی سے کوئی نسبت نہیں۔ نبوّت شخصیّت کا کمال ہے اور دوسروں سے اس کا مابہ الامتیاز ہے وحی الٰہی]۔

نظم و نثر میں بھی ابن مسکویہ کا شمار اساتذۂ فن میں ہوتا ہے۔ اپنے دور کے بڑے بڑے ادیبوں، مثلاً بدیع الزمان الہمذانی سے اس کے تعلقات نہایت گہرے تھے۔ ابو حیّان التوحیدی بھی، جو فلسفے میں اگرچہ اسے بے حقیقت سمجھتا ہے، اس باب میں خصوصیت سے اس کی بزرگی کا معترف ہے (دیکھیے الامتاع، طبع مذکور، ۱: ۳۶)۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے فلسفے کی زبان کو وسعت اور رونق حاصل ہوئی۔ نظم و نثر میں اس کی تحریریں اگرچہ زیادہ مقدار میں دستیاب نہیں ہوتیں لیکن بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اور نہیں تو اخلاقیات کے موضوع میں اس کی تصنیفات کا اسلوبِ بیان فارابی اور ابن سینا دونوں کے مقابلے میں زیادہ واضح، زیادہ سلیس اور زیادہ شیریں ہے۔

مآخذ: ان تصنیفات کے علاوہ، جن کا ذکر متن مادّہ میں آچکا ہے: (۱) الثعالبی: کتاب تتمّۃ الیتیمۃ، طبع عباس اقبال، تہران ۱۳۵۳ھ، ۱: ۹۶ - ۱۰۰؛ (۲) براکلمان (Brockelmann)، طبع دوم، ۱: ۴۱۷ بعد؛ (۳) وہی مولّف: تکملہ، ۱: [۵۸۲]؛ (۴) T. J. de Boer: *Geschichte der Philosophie im Islam*، ص ۱۱۶ بعد (عربی ترجمہ از عبدالہادی ابو ریدہ: تاریخ الفلسفۃ فی الاسلام، قاہرہ ۱۳۵۷ھ، ص ۱۵۸ بعد)؛ (۵) ذبیح اللہ صفا: تاریخ علوم عقلی در تمدن اسلامی تا اواسط قرن پنجم، تہران ۱۳۳۱ھ، ۱: ۲۰۰ بعد، ۳۷۸ بعد (۶) خواجہ عبدالحمید: *Ibn Maskowaih, A Study of his al-Fauzal Asgher*، لاہور ۱۹۴۶ء؛ (۷) عبدالعزیز عزّت: ابن مسکویۃ، فلسفۃ الاخلاقیۃ و مصادرھا، قاہرہ ۱۹۴۶ء (مقالہ نگار نے ان دو آخری کتابوں سے استفادہ نہیں کیا)؛ (۸) دہ خدا: لغت نامہ، تہران ۱۳۲۵ھ ش، ج ۲؛ (۹) شبلی نعمانی: تاریخ علم الکلام (فارسی ترجمہ از فخر داعی گیلانی، تہران ۱۳۲۸ھ ش، ص ۹۵ - ۱۱۱؛ [(۱۰) منتخب صوان الحکمۃ، نقل مخطوطہ بشیر آغا، ص ۱۳۱ - ۱۳۵؛ (۱۱) B. H. Siddiqi: *Ibn Miskwaih's Theory of History*، در مجلّۂ *Iqbal*، لاہور، جولائی ۱۹۶۲ء و جولائی ۱۹۶۳ء]۔

(احمد آتش [و سیّد نذیر نیازی])

✱ **ابن المُسْلِمَہ**: احمد بن عمر (م ۴۱۵ھ/ ۱۰۲۴ء) کی کنیت، جو اس کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی۔ اس خاندان کا دوسرا نام آل الرُّقیل ہے، جسے ہمیشہ رئیس کا منصب حاصل رہا؛ لہٰذا بغداد میں اسے بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ابن المسلمہ کا پوتا ابوالقاسم علی ابن الحسن تاریخ میں [جمال الدّین شرف الوزراء] رئیس الرؤساء کے نام سے مشہور ہے۔ [وہ بڑا عالم و فاضل انسان تھا]۔ کچھ عرصے کے لیے (۴۳۷ - ۴۵۰ھ/ ۱۰۴۵ - ۱۰۵۸ء) وہ القائم بامر اللہ کا وزیر رہا اور اسی نے خلیفہ کو طغرل بیگ سے اتحاد کی ترغیب دی تھی تاکہ فاطمی ریشہ دوانیوں کا توڑ کیا جا سکے۔ اس حکمت عملی سے اگرچہ عباسی خلافت تو محفوظ ہوگئی لیکن وہ خود اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی، اس لیے طغرل بیگ کو، جو ۴۴۷ھ/ ۱۰۵۵ء میں بغداد آیا تھا، جب ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں موصل پر فوج کشی کرنا پڑی تو البَسَاسِیرِی [رکّ بآن] کو موقع مل گیا کہ بغداد میں فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ بدقسمتی سے ابن المسلمہ اس کے قابو میں آگیا اور چونکہ البَسَاسِیرِی کو اس سے خاص طور پر نفرت تھی اس لیے ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں اسے نہایت ہی ظالمانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا ابوالفتح المُظَفَّر ۴۷۶ھ/ ۱۰۸۳ء میں کچھ عرصے کے لیے وزیر رہا اور پھر ابوالفتح کا پڑپوتا عضد الدّین محمد بن عبداللہ بن ہبۃ اللہ ابن المظفّر ۵۶۶ سے ۵۷۳ھ تک (۱۱۷۱ - ۱۱۷۸ء) المستضئ کے عہد میں فرائضِ وزارت سرانجام دیتا رہا، گو آخر الامر قایماز ترک نے خلیفہ کو اسے معزول کرنے پر آمادہ کر لیا؛ چنانچہ اس موقع پر ترکوں نے اس کے گھر کا مال و متاع بھی لوٹ لیا؛ حتّٰی کہ جب قایماز کو مجبوراً بغداد چھوڑنا پڑا (۵۷۰ھ/ ۱۱۷۴ء) تو پھر کہیں جا کر عضد الدّین کو اس عہدے پر بحال کیا گیا، لیکن چند سالوں بعد جب وہ ارادۂ حج سے مکّہ [معظّمہ] جا رہا تھا تو ایک باطنی نے اسے قتل کر ڈالا۔ اپنے خاندان کے دیگر افراد کی طرح وہ بھی بڑا فاضل انسان تھا۔ عماد الدّین نے اپنی کتاب خریدۃ میں اس کے لیے ایک باب بھی مختص کر دیا ہے اور سبط ابن التَّعاوِیذی نے اپنے متعدد قصائد میں اس کی مدح سرائی کی ہے۔

مآخذ: ابن الاثیر، طبع ٹورن برگ (Tornberg)، ج ۹، ۱۰، ۱۱: مواضع کثیرہ؛ (۲) *Recueil de textes relatifs á l' histoire des Seldjouc.*، ۲: ۹ بعد؛ (۳) الفخری، طبع Ahlwardt، ص ۳۴۱ بعد، ۳۶۷ بعد۔

(ادارۂ [آ])

⊗ **ابن المُعتزّ** : ابوالعبّاس عبداللہ (۲۴۷-۲۹۶ھ/۸۶۱-۹۰۸ء) عبّاسی خلیفہ المعتز کا بیٹا اور عرب کا بڑا نامور شاعر اور ادیب، ۲۴۷ھ میں پیدا ہوا۔ اس نے ابوالعبّاس المُبرّد، ثعلب اور اپنے عہد کے مشاہیر علما سے عربی زبان اور ادب کی تعلیم پائی۔ علاوہ ازیں بدوی فصحا سے بھی اس کی دوستی اور میل جول تھا۔ اپنے چچا زاد بھائی خلیفہ المعتضد کے دربار میں اگرچہ اس کی بڑی قدر و منزلت تھی، بایں ہمہ سلطنت کے کاروبار سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ برعکس اس کے وہ اپنا سارا وقت بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں کی صحبت میں گزارتا تھا۔ المکتفی کی وفات پر جب المقتدر خلیفہ ہوا تو بعض لوگوں نے، جو اس سے ناراض تھے، [بسر کردگی وزیر عباس بن الحسن علی] ابن المعتز کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ خلافت کا بار اٹھا لے؛ چنانچہ لشکر کے سرداروں [قوّاد] حکومت کے عہدیداروں [کتّاب] اور قاضیوں [قضاۃ] نے المقتدر کو معزول کر دیا (۲۰ یا ۲۳ ربیع الاوّل ۲۹۶ھ) اور الراضی باللہ یا المرتضٰی باللہ یا الغالب باللہ کے لقب سے ابن المعتز کی خلافت کا اعلان کر دیا؛ لیکن وہ صرف ایک دن کے لیے خلیفہ رہا، جس کے بعد اسے مجبوراً ایک جوہری [ابن الحصاص] کے گھر میں روپوش ہونا پڑا۔ وہاں سے وہ گرفتار ہوا اور مؤنس نامی خادم نے اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالا (۲ ربیع الآخر ۲۹۶ھ/ ۲۹ دسمبر ۹۰۸ء)۔

ابن المعتز کو سلطنت کے کاروبار سے کوئی دلچسپی تو تھی نہیں، لہٰذا اس افسوسناک واقعے سے پہلے اسے متعدّد کتابیں تصنیف کرنے کا موقع مل گیا، جن کے نام ایک مقالے میں، جسے I. Kratschkovsky نے لکھا ہے، جمع کر دیے گئے ہیں، بعنوان *Une liste des Oeuvres d' Ibn al-Mu'tazz* در *Roczinik Orjentalistyczny*، ۱۹۲۷ء، ۳: ۲۵۵-۲۶۸۔ ادبی لحاظ سے دیکھا جائے تو ابن المعتز کی اہم ترین تصنیف اس کا دیوان ہے، جس کی ترتیب و تدوین سب سے پہلے ابوبکر محمد بن یحیٰی الصُّولی (م ۳۳۵/ ۹۴۶ء) نے کی؛ اس نامور ادیب نے ابن المعتز کے اشعار خود اس کی زبان سے سنے تھے۔ الصُّولی نے ان اشعار کی تقسیم بیس حصّوں میں باعتبارِ موضوع کی ہے اور اس تقسیم کے ہر حصّے میں قوافی کی ترتیب حروفِ تہجّی کے مطابق رکھی ہے۔ الصُّولی کے بعد حمزۃ الاصفہانی (م ۳۶۰ھ/ ۹۷۰ء) نے ان اشعار کو بحروں کے اوزان کی بنا پر ترتیب دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مجموعے میں الصُّولی کے جمع کردہ اشعار سے زیادہ اشعار شامل ہیں۔ تیسرا شخص، جس نے ابن المعتز کے اشعار کی تدوین کی، ابن المرزبان (م ۳۸۴ھ/ ۹۹۴ء) ہے۔ اس نے یہ اشعار ابوالحسن احمد بن سعید الدمشقی سے نقل کیے، جو ابن المعتز کا اتالیق تھا اور زندگی بھر اس سے جدا نہیں ہوا۔ بظاہر ان تین نسخوں میں صرف الصُّولی کا نسخہ محفوظ رہا ہے اور دو بار چھپ بھی چکا ہے (القاہرۃ ۱۸۹۱ء، بیروت ۱۳۳۱ھ)؛ لیکن یہ دونوں طباعتیں مکمل ہیں نہ چنداں صحیح۔ کتاب خانہ لالہ لی (استانبول، شمارہ ۱۷۲۸) میں اس نسخے کی دوسری جلد کا ایک مخطوطہ موجود ہے جسے الصُّولی کے نسخے سے نقل کیا گیا تھا اور جس کا مقابلہ دوسرے نسخوں سے بھی کر لیا گیا ہے اور جسے ان نسخوں سے مقابلے کے بعد جواب تک محفوظ ہیں B. Lewin نے بعنوان *Der Diwan des 'Abdallāh Ibn al-Mu'tazz* چھاپ دیا ہے، حصّہ ۴، استانبول ۱۹۴۵ء، حصّہ ۳، استانبول ۱۹۵۰ء (*Bibliotheca Islamica*, 17 d. c.)۔ ابن المعتز کے اشعار کی یہ دو مجلّدات شراب، معاتبات، طردیات، اوصاف، مراثی اور زہد کے ابواب پر مشتمل ہیں۔

ابن المعتز عرب کے فحول شعرا میں سے ہے، جسے شعر و ادب میں اپنے دور کا بے مثل صاحبِ کمال مانا جاتا ہے۔ الفاظ اور ہیئت کے اعتبار سے اگرچہ اس کی اور زمانۂ جاہلیت کی شاعری میں کوئی بہت بڑا فرق نظر نہیں آتا لیکن ابن المعتز نے اپنے اشعار میں بعض نئے مضامین پیدا کیے ہیں۔ اس میں بہترین اشعار کا تعلّق خمریات سے ہے۔ شراب کی تعریف میں وہ ان جملہ اوصاف کو ایک ایک کر کے بیان کرتا ہے جو اس میں موجود ہیں اور جن سے وہ خود لطف اندوز ہوا۔ وہ ان اشعار میں یہ بھی بتاتا ہے کہ نصاریٰ کے شراب خانوں سے شراب کیسے حاصل کی جائے۔ یہ اشعار اس زمانے کا نہایت اچھا مرقع ہیں؛ پھر باوجودیکہ ابن المعتز شراب کا دلدادہ تھا، اس نے شراب خواروں کی سیرت کے برے پہلوؤں کا مشاہدہ بھی کیا، چنانچہ اس کی مثنوی ("مزدوج")، بعنوان ذم الصبوح، (دیوان، طبع B. Lewin، ۲: ۷۲-۷۹)، جسے بعض مؤلفین (مثلاً ابن الندیم: کتاب الفہرست، طبع فلُوگل، لائپزگ ۱۸۷۱ء، ۱: ۱۱۶؛ ابن خلّکان: وفیات الاعیان، القاہرہ ۱۲۹۹ھ، ۱: ۲۵۸) نے ایک جداگانہ دیوان ٹھیرایا ہے، اس حیثیت سے بڑی دلچسپ ہے۔ بہر حال جہاں تک تشبیہوں کی خوبصورتی کا تعلّق ہے، ابن المعتز کے اشعار کا درجہ عربی ادبیات میں بڑا اونچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالقاہر الجُرجانی نے بھی اپنی کتاب اسرار البلاغۃ (استانبول ۱۹۰۴ء، دیکھیے فہرست) میں ہر ادبی صنعت کی مثال ابن المعتز کے بعض اشعار سے دی ہے۔

ابن المعتز کی دوسری تصنیفات میں ایک طبقات الشعراء المحدّثین ہے، جو ادبیات عربی کی تاریخ میں نہایت اہم ہے۔ عباس اقبال نے اس مکمل اور واحد نسخے کی بنا پر جو تہران میں موجود ہے اور جسے ۱۲۸۵ء میں لکھا گیا تھا اس کتاب کا ایک عکسی ایڈیشن چھاپ دیا ہے، *The Tabaqāt al-Shu'rā' al-Muḥdatīn of Ibn al Mu'tazz*، لنڈن ۱۹۳۹ء، *QMNS*، ج ۱۳۔ اسی کتاب کا ایک مختصر نسخہ اسکوریال (Escurial) کے کتاب خانے میں بھی موجود ہے (دیکھیے طبع مذکور، مقدّمہ، ص ۲۴)، لیکن یہ پورا نسخہ ابن المعتز کی تصنیف نہیں ہے۔ اس کا مقدمہ تو یقیناً اس کا لکھا ہوا نہیں ہو سکتا، جیسا کہ اس کے ناشر عباس اقبال نے اشارہ کیا ہے، کیونکہ اس کا طرزِ نگارش بڑی حد تک جدید ہے اور اس کے بعض حصّوں میں کچھ خامیاں بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً چند ایک جملے، جو مختصر نسخے میں موجود ہیں، اس مکمل نسخے میں نہیں ملتے۔ اس کے علاوہ وہ پانچ شاعر (عائشہ العثمانیہ، سَکَن، عِنان، خالد القنّاص اور ابن ہرمہ)، جن کا ذکر مختصر نسخے

میں آیا ہے، مکمل نسخے میں مذکور نہیں۔ کتابِ مذکور ۱۶۷ شاعروں کے تراجم پر مشتمل ہے، جنھوں نے خلفاے بنی عباس یا ان کے وزرا و امرا کی مدح کی یا جن سے انھیں کچھ تعلق تھا۔ ابن المعتز نے ان کے اشعار کے کچھ نمونے بھی پیش کیے ہیں، لیکن ان کا انتخاب بسبب ان کے حسن و خوبی کے نہیں، بلکہ ان کی ندرت اور بداعت کے باعث کیا گیا ہے اور اسی لیے کئی ایک ایسے اشعار جو اس مجموعے میں موجود ہیں دوسرے مآخذ میں نہیں ملتے؛ لہٰذا باعتبارِ قدامت بھی یہ کتاب بڑی اہم ہے۔

ابن المعتز کی ایک اور کتاب، جو بلحاظ اپنے موضوع کے بڑی اہم ہے، کتاب البدیع ہے، جسے I. Kratschkovsky نے کتاب خانۂ اسکوریال (Escurial) کے واحد نسخے کے مطابق چھاپ دیا ہے (*GMS*، ج ۱۰، لنڈن ۱۹۳۵ء).

اس کتاب میں صنائع ادبی سے بحث کی گئی ہے اور یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اسلامی ادب میں اس موضوع پر تصنیف ہوئی۔ بظاہر خیال یہ ہے کہ اس فن اور اس کی اصطلاحات کو ابن المعتز نے وضع کیا، لیکن اس کا اپنا بیان یہ ہے کہ وہ اس فن کا موجد نہیں؛ اس نے تو جو کچھ اس فن کے متعلّق موجود تھا اسے جمع کر دیا۔ اسے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت پیش آئی تو اس کی وجہ تھی قدیم اور جدید کی بحث، اس لیے کہ ابن المعتز کے زمانے میں نقادانِ سخن شعرِ جدید کی تنقیص ادبی صنعتوں کی بنا پر کرتے تھے، لہٰذا ابن المعتز نے یہ کتاب جدید شعرا کی حمایت میں لکھی، جن میں وہ خود بھی شامل تھا اور ثابت کیا کہ جن صنعتوں کو ''بدیع''، یعنی نیا کہا جاتا ہے وہ کلامِ عرب میں زمانۂ قدیم ہی سے بڑے شعرا کے یہاں، نیز قرآن مجید اور حدیثِ نبوی میں بھی موجود ہیں۔ تاہم ابن المعتز تسلیم کرتا ہے کہ جدید شاعر اس قسم کے صنائع و بدائع کو زیادہ استعمال کرتے ہیں اور اس لیے غلطی تو ان شعرا کی ہے جو اس میں افراط سے کام لیتے ہیں۔ بہرحال ابن المعتز نے اپنی اس تصنیف میں ان پہلی پانچ صنعتوں کا جائزہ لیا ہے جنھیں بدیع کہا جاتا تھا اور اس کا یہ حصّہ ۲۷۴ھ/۸۸۷ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا (طبع مذکور، ص ۵۷ ببعد)۔ اس کے بعد اس نے ان میں ان تیرہ ادبی صنعتوں کا اضافہ کیا جنھیں محاسن الکلام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کی توضیح بھی کی۔ ادبی صنعتوں کے موضوع پر ابن المعتز کی یہ تصنیف اگرچہ سب سے پہلی کتاب ہے، بایں ہمہ فنِ شعر میں اس نے اپنے ہم عصر شعرا کے نظریے کی حمایت جن دلائل سے کی مخالفین کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا؛ چنانچہ وہ ان کی تردید میں ناکام رہے۔

ابن المعتز کی دوسری تصانیف کے لیے دیکھیے I. Kratschkovsky: مقالۂ مذکور؛ براکلمان، طبع ثانی، ۱: ۷۹، ۸۰ و تکملہ، ۱: ۱۲۹-۱۳۰.

مآخذ: الصُّولی: اشعار اولاد الخلفاء و اخبارهم من کتاب الاوراق، (طبع J. Heyworth-Dunne)، قاہرہ - لنڈن ۱۹۳۶ء، ۱۰۷-۲۹۶ (افسوس کہ صرف اس کی نظم و نثر کے نمونے جمع کیے گئے ہیں)؛ (۲) الخطیب: تأریخ بغداد، ۱۰: ۹۵-۱۰۱؛ (۳) کتاب الأغانی، ۹: ۱۴۰ ببعد؛ (۴) فوات الوفیات، قاہرہ ۱۲۸۳ھ، ۱: ۳۰۸ ببعد؛ (۵) الطبری: تأریخ، طبع دخویہ، ۳: ۲۲۸۱ ببعد؛ (۶) Otto Loth: *Leben und werke des Abdallāh Ibn al-Muʿtazz*، لائپزگ ۱۸۸۲ء؛ (۷) C. Lang: *Muʿtaḍid als Prinz und Regent*، در *ZDMG*، ۴۰: ۵۶۳ ببعد (ابن المعتز نے جو قصیدہ اس خلیفہ کی شان میں لکھا تھا اور اس کے دیوان میں موجود ہے اس مضمون میں اس کا ترجمہ با شرح شامل ہے)۔

(احمد آتش)

---

* **ابنِ مُعطی**: [ابن مُعط]، زین الدّین ابو الحسین یحیٰی بن [عبدال]معطی بن عبدالنّور الزَّواوی المغربی، المعروف بہ ابنِ مُعْطی، [مالکی، شافعی، حسنی؛] تاریخ ولادت ۵۶۴ھ/۱۱۶۸-۱۱۶۹ء ہے۔ اس نے نحو اور فقہ کی تحصیل الجزائر میں ابو موسیٰ الجُزُولی سے کی [جس کے ارشد تلامذہ میں اس کا شمار ہوتا ہے]، پھر مشرق چلا آیا اور دیر تک دمشق میں مقیم رہا، جہاں [اوّل قاسم] بن عساکر المُحدِّث کی شاگردی اختیار کی اور پھر وہیں نحو کا درس دینے لگا۔ [الملک المعظم کی وفات کے بعد] جب الملک الکامل الایوبی دمشق آیا ہے تو اس نے ابن معطی کو اپنے ساتھ مصر آنے کی دعوت دی۔ الملک الکامل نے اسے مسجد عمرو [بن العاصؓ] میں ادبیات کا استاد مقرر کر دیا۔ ابن معطی نے دوشنبہ ۳۰ ذوالقعدہ ۶۲۸ھ/۲۹ ستمبر ۱۲۳۱ء کو یہیں وفات پائی [اور امام شافعیؒ کی تربت کے پاس ہی مدفون ہوا]۔ بظاہر وہ پہلا شخص ہے جس نے ایک ہزار اشعار پر مشتمل نحو کی ایک درسی کتاب تالیف کی.

اس کی دوسری تصانیف میں سے صرف مندرجۂ ذیل محفوظ ہیں: (۱) الدُّرّة الالفية فی علم العربية یا محض الفية ابن معطی، ۱۰۲۱ اشعار (رجز اور سریع مزدوج) میں نحو کی کتاب، جسے اس نے ۵۹۵ھ/۱۱۹۸-۱۱۹۹ء میں بقول حاجی خلیفہ دمشق میں اور دوسروں کے قول کے مطابق قاہرہ میں مکمل کیا۔ اسے Zetterstéen نے مع تعلیقات کے شائع کیا ہے: *Die Alfîye des Ibn Muʿti*، لائپزگ ۱۹۰۰ء؛ (۲) کتاب الفصول الخمسین، نثر میں نحو کی ایک مختصر کتاب، برلن، *Verz.*، شمارہ ۶۵۵۶؛ [مطبوعۂ لائپزگ ۱۸۹۹ء]؛ (۳) البدیع فی صناعة الشعر، شعر و شاعری پر نظم میں کتاب؛ Fleïscher: *Die Refaïye*، شمارہ ۲۴۶.

مآخذ: السُّیوطی: بغیة الوعاة، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۴۱۶؛ (۲) ابن خلّکان: وفیات، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۲: ۲۳۵؛ (۳) ابو الفداء: تأریخ، قسطنطینیہ ۱۲۸۶ھ، ۳: ۱۵۹؛ (۴) ابن حَمْدُون: ابن مالک کے خطبۂ الفية کی شرح (دو مخطوطے)؛ (۵) صَبّان اُشْمونی: شرح الفية ابن مالک، قاہرہ ۱۳۰۵ھ، ۱: ۲۰؛ (۶) ابن الحاجّ: المَکُّودی کی الفية ابن مالک کی شرح پر حاشیہ، قاہرہ ۱۳۱۵ھ، ۱: ۱۹؛ (۷) الدَّلجی: الفلاكة و المفلوکون، قاہرہ ۱۳۲۲ھ، ص ۹۳؛ (۸) براکلمان، ۱: ۳۰۲ ببعد [و تکملہ، ۱: ۵۳۰ ببعد].

(محمد بن شنب MOH. BEN. CHENEB)

✱ **ابن المُقفّع** : ابو البشر، اُشْمُونَین کے اسقف سیورُوس (Severus) کا عربی نام، جو مسیح [علیہ السلام] کی وحدت طبیعت کا قائل اور قبطی بطریق فلوثیوس (Philotheos) (۹۷۹ - ۱۰۰۳ء) کا ہم عصر تھا۔ ہم اس کی زندگی کے متعلّق صرف اتنا جانتے ہیں کہ فاطمی خلیفہ المُعِزّ کی طرف سے اسے اجازت تھی کہ مذہبی مسائل میں قاضیوں سے بحث کر سکے (Huart : *Hist. des Arabes*، ۱: ۳۴۴)۔ وہ ان بڑے اہلِ کنیسہ کی تاریخ کا مصنّف ہے جنھیں اسکندریہ کے علاقے میں بطریق کا منصب حاصل ہوا۔ رینوڈو (Abbé Renaudot) نے اپنی تالیف *Historia Patriarcharum Alexandrinorum Jacobitarum*، پیرس ۱۷۱۳ء، میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ اس کا قدیم ترین مخطوطہ بلدیۂ ہام برگ (Hamburg) کے کتب خانے میں محفوظ ہے (شمارہ ۱۲۶۶) اور اس متن سے جو عموماً دستیاب ہوتا ہے زیادہ مکمل ہے، مگر صرف پہلے حصّے پر مشتمل ہے، جو مرقس ولی (St. Mark) سے شروع ہو کر میکائیل اوّل (Michael I) پر ختم ہوتا ہے اور جس کا اصل متن زائی بولٹ (Chr. F. Seybold) نے شائع کیا (*Veröffentlichungen aus der Hamburger Stadtbibliothek*، ج ۳، ۱۹۱۳ء؛ براکلمان: *Katal. d. orient. Hss. der Stadtbibl. zu Hamburg*، ۱: xiii و ۱۶۰ ببعد؛ A. v. Gutschmid: *Kleine Schriften*، ۲: ۵۱۱)۔ زائی بولٹ (Seybold) اس کے متن کا ایک ایڈیشن *Corpus Script. Christian. Orientalium (Script. arabici*، سلسلہ ۳، ج ۹، کراسہ ۱ و ۲، پیرس - لائپزگ ۱۹۰۴ - ۱۹۱۰ء) میں شائع کر چکا تھا اور اسی طرح Evetts بھی *Patrologia Orientalis* میں (ج ۱، کراسہ ۲ و ۴، *History of the Patriarchs of the Coptic Church of Alexandria*)۔ مخطوطہ کتاب خانۂ اہلیہ پیرس، شمارہ ۳۰۳ میں بطارقہ کی ترتیب انچاسویں بطریق مرقس ثانی (Mark II) (۷۹۹-۸۱۹ء) سے لے کر سنوثیوس (Sanuthios) (۱۰۳۲ - ۱۰۴۶ء) تک قائم کی گئی ہے۔ عیسائیوں کی ''پہلی چار مجالس (Councils) کی تاریخ'' کو عربی، حبشی اور فرانسیسی زبانوں میں L. Leroy اور S. Grébaut نے R. Graffin و F. Nau کی *Patrologia Orientalis*، ج ۶، میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب اس عقیدے کی حمایت میں تصنیف ہوئی کہ مسیح [علیہ السّلام] کی ایک ہی طبیعت تھی۔ اس کی دوسری تصنیفات کے قلمی نسخے بھی پیرس اور [قصرِ پاپائے روم] ویٹی کن (Vatican) میں موجود ہیں۔

مآخذ: (۱) براکلمان (Brockelmann): *Gesch. der Christl. Literaturen des Orients*، لائپزگ ۱۹۰۷ء، ص ۱۷؛ (۲) G. Graf: *Die christlich. arabische Literatur*، Freiburg in Breisgau ۱۹۰۵ء، ص ۴۲ - ۴۶؛ (۳) Baumstark: *Die christl. Literaturen des Orients* (Sammlung Göschen ۱۹۱۱ء)، ۲: ۱۱، ۲۴، ۳۱ - ۳۲، ۵۵.

(CL. HUART)

✱ **ابن المُقفّع** : ابو عمرو (بعد میں: ابو محمد) رُوزبِہ (Rōzbeh) (بعد میں عبداللہ) بن المبارک داذُویہ (Dādōye) المُقفّع (۱۰۶ - ۱۴۲ھ / ۷۲۳ - ۷۵۹ء)، عربی کا مشہور نثر نگار اور مترجم، ایرانی الاصل تھا۔ اس کا اصل نام روزبہ ہے۔ اس کا باپ داذویہ، جو بعد میں المبارک کہلایا، ایران کے شرفا میں سے اور شہر جُور (= گور، موجودہ نام فیروز آباد، دیکھیے معجم البلدان، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، ۲: ۱۲۶ ببعد؛ فیروز آبادی: قاموس، بذیل مادۂ جور) کا رہنے والا تھا، جو فارس میں واقع ہے۔ یہ داذویہ المبارک حجاج بن یوسف کے زمانے میں فارس اور عراق کا مُحصّلِ مالیات تھا اور بظاہر یہی ملازمت ہے جس میں اس نے خلقِ خدا کو ستا کر روپیہ بٹورا اور شاہی خزانہ بھی خُورد بُرد کیا، جس کی سزا میں الحجاج نے اس کے ہاتھ پر اس زور سے ڈنڈا رسید کیا کہ اس کا یہ ہاتھ ٹوٹ گیا۔ بعض کہتے ہیں اسے شکنجے میں کس دیا گیا تھا، اس لیے یہ ہاتھ مڑ گیا۔ اس نے بہت سا مال دے کر اپنی جان تو چھڑا لی لیکن ہاتھ مڑا ہی رہا، لہٰذا اسے المُقفّع [لُنجا] کہنے لگے اور روزبہ کی شہرت بھی ابن المقفع کے نام سے ہوئی۔

ابن المقفع چونکہ ۱۴۲ھ / ۷۵۹ء کے دوران ہی میں مقتول ہوا، جب اس کی عمر ۳۶ سال تھی، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ولادت ۱۰۶ھ / ۷۲۳ء کے اندر اندر ہوئی۔ اس کی جائے ولادت کہاں ہے؟ اس کا کچھ پتا نہیں چلتا، البتہ تاریخ میں جب ہم پہلی بار اس سے روشناس ہوتے ہیں تو اس وقت وہ بصرے میں مقیم تھا؛ لہٰذا اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ جُور میں پیدا ہوا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ پہلوی ادبیات سے اس نے وہیں خوب خوب واقفیت حاصل کر لی ہوگی۔ بہرحال بصرے میں اس کے باپ نے فصحائے عرب میں سے ابوالخاموس ثور بن یزید اور ابوالغول کو اس کا اتالیق مقرر کیا تا کہ اسے عربی زبان سکھائیں۔ ابن المقفع نے بھی ان کی تعلیم و تدریس سے عربی ادب اور زبان میں ایسی مہارت پیدا کی کہ الاصمعی جیسے جلیل القدر نحوی کا بھی خیال ہے کہ اپنی تصانیف میں اس سے باعتبار زبان کوئی لغزش سرزد ہوئی تو صرف ایک۔

عربی زبان کی تحصیل اور اس میں مہارت پیدا کرنے کے بعد ابن المقفع داؤد بن یزید بن عمر بن ہُبَیرہ (یہ وہ عمر بن ہُبَیرہ نہیں جو اس سے بہت پہلے گزرا ہے) جیسے والیانِ حکومت کی خدمت میں باریاب ہوا اور کرمان پہنچ کر ان کے دواوین میں خط و کتابت کی خدمت سرانجام دینے لگا۔ یہی خدمت تھی جس کے دوران میں ایک واقعہ ایسا بھی پیش آیا جس کا ذکر یہاں اس لیے ضروری ہے کہ اسی کا نتیجہ آخر کار اس کے حق میں مہلک ثابت ہوا۔ بات یہ ہے کہ جس زمانے میں ابن المقفع شاہ پور (بعض مآخذ میں نیشاپور لکھا ہے، جو صحیح نہیں)، واقع فارس، میں مقیم اور المسیح بن الحواری کے یہاں کاتب کے عہدے پر مامور تھا، تو المسیح کی جگہ سُفیان بن معاویہ المہلّبی والی مقرر ہوا۔ المسیح نے طرح طرح کے حیلوں سے اس کے راستے میں مشکلات پیدا کیں اور اس کی ولایت تسلیم کرنے میں بھی لیت و لعل کرتا رہا، لیکن سُفیان کو کرمان کی عملداری سے باز رکھنے کے جب سارے ذریعے

ختم ہوگئے تو دونوں میں کُھلّم کُھلّا جنگ چھڑ گئی [جس میں ابن المقفع نے المسیح کا ساتھ دیا] اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سفیان نے زخمی ہو کر شکست کھائی اور والی بننا اس کے بس میں نہ رہا۔ کہا جاتا ہے ابن المقفع نے اس کی ماں کی پاک دامنی پر بھی حملہ کیا اور اسے ابن المغتلمہ (فاحشہ کا بیٹا) ٹھیرایا۔ علاوہ ازیں اس نے سفیان سے کچھ سوالات بھی پوچھے اور جب ان کا ٹھیک جواب نہ ملا تو اسے اس کے منہ پر خطا کار کہا۔

پھر اگر روایات پر اعتبار کیا جائے تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اموی خلافت کے زوال پر ایک روز وہ اور آخری اموی خلیفہ مروان ثانی کا درباری کاتب عبدالحمید دونوں ایک ہی مکان میں بیٹھے تھے۔ یہ زمانہ بنو امیّہ کے حامیوں اور متوسّلوں کی پکڑ دھکڑ کا تھا، لہٰذا عبدالحمید کی تلاش بھی جاری تھی؛ چنانچہ جب ان دونوں سے پوچھا گیا کہ تم میں سے عبدالحمید کون ہے؟ تو اگرچہ ابن المقفع نے ان کی جان بچانے کے لیے اپنے آپ کو عبدالحمید ظاہر کیا لیکن عبدالحمید کو یہ گوارا نہ ہوا اور اس نے اپنے آپ کو عبدالحمید ثابت کرتے ہوئے ابن المُقَفَّع کو ایک دردناک موت سے بچا لیا۔

پھر اسی زمانے میں یا اس سے کچھ بعد ہم ابن المُقَفَّع کو بصرے میں السفّاح اور المنصور کے چچا عیسٰی بن علی العباسی کی ملازمت میں منسلک پاتے ہیں۔ یہی زمانہ ہے جب اس نے فیصلہ کیا کہ دینِ اسلام کو علی الاعلان قبول کرے، جس پر عیسٰی بن علی نے کھانے پینے کی ایک عام دعوت کا اہتمام کیا۔ اس بھرے مجمع میں ابن المُقَفَّع نے جب اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ وہ مسلمان کیوں ہوا؟ اس کی حقیقی وجہ تو معلوم نہیں، لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ قبولِ اسلام کے باوجود اس کے طرزِ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بایں ہمہ اس امر کی بھی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ اس نے کسی خارجی دباؤ کی وجہ سے ایسا کیا؛ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان ہوا تو خود اپنے مخلصانہ جذبات کی بنا پر۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے ایک دن پہلے اس نے زرتشتیوں کی طرح قبل از طعام زمزمہ سنجی کی۔ کسی نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ ہے تو یہ طرزِ عمل مناسب نہیں۔ اس نے کہا: ''میں بغیر کسی دین کے ایک دن بھی رہنا نہیں چاہتا''۔ مختلف روایات سے یہی پتا چلتا ہے کہ ابن المُقَفَّع اس زمانے میں بڑا مالدار تھا اور بڑے آرام و آسائش کی زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ بہت سخی اور فراخدل تھا، چنانچہ اہلِ حاجت اسے ہمیشہ گھیرے رہتے اور اس کے دوست اور رفیق بھی اس کے جود و کرم سے فائدہ اُٹھاتے تھے، حتّٰی کہ ماہرینِ موسیقی اور عام گویّے بھی اس سے محروم نہ رہتے [اس کی بلندی اخلاق، اصابتِ مزاج اور وسعتِ علم کا بھی سب نے اقرار کیا ہے اور اس سلسلے میں بکثرت روایات موجود ہیں]۔

۱۳۶ھ میں عیسٰی بن علی کے بھائی اور خلیفہ المنصور کے چچا عبداللہ بن علی نے اپنے بھتیجے منصور کی خلافت کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا اور اس نے شکست کھائی اور مُنہ چُھپا کر اپنے بھائی عیسٰی بن علی کے پاس پہنچا۔ عیسٰی اپنے ایک اور بھائی سلیمان کو ساتھ لے کر خلیفہ کے پاس گیا کہ اس کی سفارش کرے، جسے خلیفہ نے قبول کر لیا اور وعدہ کیا کہ اسے ان کے حسبِ دلخواہ امان دی جائے گی، لیکن خلیفہ دل ہی دل میں یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ابن المُقَفَّع اس کے قابو میں آ جائے اور وہ اُسے قتل کر دے، مگر اب جو نامۂ امان لکھنے کا کام ابن المُقَفَّع کے ذمے کیا گیا تو اس نے اس ذمے داری کو اس خوبی سے پورا کیا کہ خلیفہ کو بموجب نص عبارت امان دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا۔ اس پر خلیفہ کی آتشِ غضب بھڑک اُٹھی اور ایک روایت کے مطابق سفیان بن معاویۃ المہلبی والیِ بصرہ کو، جو ابن المُقَفَّع کا پرانا دشمن تھا، پیغام بھیجا کہ ابن المُقَفَّع کو قتل کر ڈالے۔ گو یہاں اس امر کی گنجائش موجود ہے کہ خلیفہ المنصور کو اس قسم کا حکمنامہ جاری کرنے سے بری ٹھیرایا جائے، تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ سفیان کا خیال ہو کہ اب ابن المُقَفَّع سے پرانی بدسلوکیوں کا انتقام لینے کا وقت آ پہنچا ہے؛ چنانچہ ایک روز جب عیسٰی بن علی نے المُقَفَّع کو سفیان کے پاس کسی کام سے بھیجا تو اس نے ابن المُقَفَّع کو، جو پہلے ہی خوفزدہ تھا، ...... تن تنہا ایک اور مکان میں لے جا کر قتل کر دیا .... اس پر عیسٰی بن علی خلیفہ کے پاس پہنچا اور درخواست کی کہ سفیان سے ابن المُقَفَّع کا انتقام لیا جائے۔ خلیفہ نے حکم تو دے دیا کہ سفیان کو معزول کر کے پابہ زنجیر اس کے سامنے حاضر کیا جائے، لیکن ...... [سفیان کے حامیوں نے اس کی سفارش کی اور وہ عیسٰی بن علی کے انتقام سے محفوظ رہا۔] ان سب واقعات کا علی الترتیب ظہور اس امر کا ثبوت ہے کہ ابن المُقَفَّع خلیفہ کے صریح حکم یا زندقہ یا ارتداد کے باعث قتل نہیں ہوا، بلکہ اس پرانی دشمنی [کی بنا پر جو اس کے حاسدوں کو اس سے تھی۔ بہر حال اس کے قتل کا یہ حادثہ] بصرے میں بزمانۂ ولایت سفیان (۱۳۹-۱۴۵ھ/ ۷۵۷-۷۶۳ء) یا اغلب ہے کہ ۱۴۲ھ/ ۷۵۹ء میں رونما ہوا۔

ابن المُقَفَّع عربی میں بھی ایسا ہی ماہر تھا جیسا اپنی مادری زبان فارسی میں۔ اس کی عربی تحریریں حسنِ بیان اور سلاست میں بے نظیر ہیں۔ وہ جوانی میں قتل ہو گیا، لیکن عربی اور ایرانی ادبیات میں اس کے تراجم اور تالیفات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ اس کی منظوم تصنیفات جس حد تک ہمیں پہنچی ہیں وہ کچھ زیادہ نہیں، لیکن اس کے لکھے ہوئے ایک مرثیے کے دو تین ابیات اتنے اچھے ہیں کہ ابوتمام نے حماسة میں انھیں عربی کے بہترین اشعار کے اندر جگہ دی ہے (دیکھیے التبریزی: شرح دیوان الحماسة، طبع م-م-عبدالحمید، قاہرہ ۱۹۳۸ء، ۲: ۳۳۳ببعد)۔ ابن المُقَفَّع کو اپنے اشعار کچھ ایسے زیادہ پسند نہیں تھے۔ وہ کہا کرتا تھا ''جو شعر میں کہتا ہوں، مجھے پسند نہیں آتے اور جو پسند آتے ہیں وہ مجھ سے کہے نہیں جاتے''۔

اس کی نثری تصنیفات کی دو قسمیں ہیں: ترجمے اور تالیفات؛ ترجمے یہ ہیں:-

(ا) کلیلة و دمنة، یعنی پنچ تنتر (*Panča Tantra*) کا پہلوی سے عربی میں ترجمہ۔ پنچ تنتر کا نسخہ بُرزُویہ (Burzōe) کی وساطت سے بزمانۂ کسرٰی اوّل انوشیروان ہندوستان سے ایران پہنچا۔ اس کا پہلوی میں ترجمہ کیا گیا [رک بہ

ماڈ ۂ کلیلہ و دمنہ]، جس کی تھوڑے ہی دنوں میں بڑی شہرت ہوئی اور جس کا تین سے زیادہ زبانوں میں بار بار ترجمہ ہو چکا ہے (دیکھیے V. Chauvin: *Bibliographies des ouorages arabes ou ralatifs aux arabes II*، لائپزگ ۱۸۹۷ء)۔ یہ کتاب پنچ تنتر کا ترجمہ ہی نہیں ہے، اس میں ایک تمہیدی باب بھی ہے، جس میں حیات برزویہ کا بیان ہے اور جس میں برزویہ اپنی اس کوشش کا ذکر کرتا ہے جو اس نے حقیقت کی جستجو میں کی۔ ساحری کو بے بنیاد پا کر جب اس نے رہنمایانِ مذہب سے رجوع کیا اور کوشش کی کہ حقیقت تک پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ اُن کے عقائد کا دار و مدار عقل کی جگہ اپنے ماحول کے اثر اور ان پابندیوں پر ہے جو رسمًا اور عادۃً انسان کو گھیرے ہوئے ہیں تو وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس صورت میں کسی ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہیں؛ لہٰذا وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اپنے آبائی دین سے انحراف کرنا بے سود ہے؛ لیکن پھر سوچتا ہے تو کہتا ہے کہ کسی مذہب پر قائم رہنے کی یہ وجہ تو کافی نہیں ہے کہ یہ اس کا آبائی مذہب ہے، لہٰذا کیوں نہ وہ ان سب برائیوں کو چھوڑ کر جن کی مذہب نے مذمت کی ہے نیکوکاروں سے میل جول اختیار کرے۔

یہ اور اس قسم کے دوسرے خیالات منجملہ دیگر خیالات ان لوگوں کے دلوں میں اکثر گزرا کرتے ہیں جنھوں نے کوئی نیا مذہب اختیار کر لیا ہو اور اپنی تیز فہمی یا کمزوریِ ایمان کی بنا پر اپنے اقدام کی کوئی معقول وجہ ڈھونڈنے کے درپے ہوتے ہوں تا کہ یوں ان کا ضمیر مطمئن ہو جائے۔ ممکن ہے خود ابن المُقَفَّع کا بھی اپنا یہی حال ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فضلا مثلاً Th. Nöldeke: *Burzöe's Einleitung*، Stuttgrt ۱۹۱۲ء، کا دعوی ہے کہ اس باب کا اضافہ خود ابن المُقَفَّع نے کیا ہے اور یہ خود اسی کے روحانی احوال و افکار ہیں، جن کا وہ اس طرح اظہار کر رہا ہے؛ لیکن اگر عہد انوشیروانی کے فلسفیانہ اور مذہبی افکار کے آئینے میں دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ عین ممکن ہے یہ برزویہ طبیب کے اپنے ہی خیالات ہوں (قب A. Christensen: *L' Iran sous les Sassanides*، پیرس ۱۹۳۶ء، ص ۴۲۴ ببعد)۔ علاوہ ازیں یہ باب چونکہ اُن نسخوں میں بھی موجود ہے جو بظاہر ابن المُقَفَّع کا ترجمہ نہیں (دیکھیے E. D. Ross: *An Arabic and a Persian metrical version of Burzöe's autobiography from Kalila wa Dimna*، در *BSOS*، ۱۹۲۷ء، ۴: ۴۴۹ ببعد)، اس لیے بالکل ممکن ہے کہ وہ کلیلۃ و دمنۃ کے پہلوی نسخے میں بھی موجود ہو۔ [اس ضمن میں شاید صحیح رائے یہ ہے کہ اس باب کا اضافہ تو برزویہ ہی نے کیا۔ وہ یقینًا ایک تاریخی شخصیت ہے، لیکن برزویہ نے صرف تاریخی واقعات اور احوال قلم بند کیے۔ ان میں فکر و فلسفہ کا رنگ ابن المُقَفَّع نے بھرا، جس سے مقصد یہ تھا کہ گزشتہ واقعات پر نقد و جرح کرتے ہوئے وہ اپنے زمانے کے احوال پر رائے زنی کرے۔ بحیثیت ایک ایرانی کے وہ ان حالات سے مطمئن نہیں تھا جو عباسی عہد میں اہلِ ایران کے خلافِ توقع پیدا ہو گئے تھے۔ یوں بھی عباسی خلفا اور ان کے اعوان و انصار کے ہر طرزِ عمل کا جواز پیدا کرنا ناممکن ہے؛ لہٰذا ابن المُقَفَّع کے لیے برزویہ کی آڑ میں عباسی عہد پر نکتہ چینی کچھ مشکل نہ تھی؛ البتہ مذہب کے بارے میں اس نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کی نوعیت ان معنوں میں غیر اسلامی ہے کہ وہ زیادہ تر عزلت، گوشہ نشینی، انزوا اور ترک و تعطل کی تعلیم دیتا ہے؛ چنانچہ بعض حلقوں سے اگر یہ آواز اُٹھی کہ ابن المُقَفَّع ایک طرح سے مانویت کی حمایت کر رہا تھا تو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے]۔

(۲) سیر الملوک یا سیر ملوک العجم، یہ اس تاریخ ملوک العجم کا جو خدای نامہ کے نام سے مشہور ہے اور یزدگرد سوم کے عہد میں حکومت کے رسمی سالناموں کے طور پر ایک یا چند مؤلفین کے ہاتھوں قلم بند ہوئی، کامل ترجمہ ہے۔ خدای نامہ کا کوئی نسخہ اس وقت موجود نہیں، لیکن ملوک عجم کے بارے میں فارسی اور عربی کتابوں، جن میں شاہ نامۂ فردوسی بھی شامل ہے، میں جو بھی معلومات پائی جاتی ہیں یہی ان کا واحد سرچشمہ شمار ہوتا ہے؛ گو اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ خدای نامہ کے کچھ اور ترجمے بھی موجود تھے، حتّٰی کہ شاہ نامۂ فردوسی کا ماخذ بھی ایک اور شاہنامہ ہے، جو ابو منصور عبدالرزاق کے اہتمام سے نثر میں مدوّن ہوا (قب A. Christensen: *Le règne du roi Kowadh I et le communisme Mazdekite*، کوپن ہیگن ۱۹۲۵ء، ص ۲۲ ببعد؛ وہی مصنّف: *L' Iran sous les Sassanides*، ص ۵۴ ببعد؛ ذبیح اللہ صفا: حماسه سرائی در ایران، تہران ۱۳۲۴ ھ ش، ص ۹۵ ببعد؛ ان کتابوں میں بعض دوسرے مآخذ بھی مذکور ہیں)۔

(۳) کتاب الرسوم یا کتاب الآئین، آیین نامہ کا ترجمہ ہے، جس میں ساسانیوں کے آدابِ سیاست و معاشرت اور قوانین سے بحث کی گئی ہے۔ اس ترجمے کا بھی کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوتا، البتہ مختلف کتابوں میں اس کے اقتباسات موجود ہیں (دیکھیے A. Christensen: *L' Iran...*، ص ۵۷ ببعد)۔

(۴) رسالۂ تَنْسَر، یہ اخلاقی مضمون پر مشتمل ایک خط ہے، جو ہربذان ہربذ تَنْسَر کی جانب سے حاکمِ طبرستان کو لکھا گیا۔ اس ترجمے کا فارسی خلاصہ ابن اسفندیار کی تاریخِ طبرستان میں موجود ہے، جسے J. Darmesteter نے طبع کیا اور جس کا اس نے فرانسیسی میں ترجمہ بھی کیا ہے (*JA*، ۱۸۹۴ء، ص ۱۸۵ ببعد، ۵۰۲ ببعد، قب C. A. Storey: *Persian Literature*، فصل ۲، جز ۲: ص ۲۶۰ و حاشیہ ۱)۔ یہ رسالہ م۔ مینوی نے قدیم تر نسخے کے مطابق طبع کیا ہے اور زیادہ صحیح ہے، *Tansar's epistle to Goshnasp, treating of the Political, social and religious problems of Sasanian Times*، (قب A. Christensen، محلِ مذکور، ص ۵۸ ببعد)۔

(۵) کتاب التاج فی سیرۃ انوشروان، پہلوی سے ترجمہ کیا گیا ہے؛ ابن قتیبہ کی عیون الاخبار میں اس کے اقتباسات موجود ہیں (قب A. Christensen: کتاب مذکور، ص ۵۶ ببعد؛ صفا: کتاب مذکور، ص ۴۵)۔

(۶) کتاب سگیسران (= کتابِ سردارانِ سیستان)، اس کی سند المسعودی کی روایت ہے (مُرُوج الذهب، طبع B. de Meynard و P. de Courteil، پیرس ۱۸۶۳ء، ۲: ۱۱۸)۔ اس کتاب میں ترکوں اور ایرانیوں کی قدیم لڑائیوں، سیاوش کی موت اور رستم پوردستان وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ اس کتاب میں بعض ایسے بیانات درج ہیں جو خدای نامہ میں نہیں ملتے اس لیے ایرانیوں کو یہ کتاب بہت پسند تھی (قب A. Christensen: *Les Kayanides*، کوپن ہاگن ۱۹۳۲ء، ص ۱۴۲ ببعد؛ ذ۔صفا: کتاب مذکور، ص ۴۳ ببعد).

(۷) کتاب البَیْکار، اس کا موضوع ہے تاریخ کیانیاں۔ المسعودی نے اس کا ذکر کیا ہے (دیکھیے، مُرُوج الذهب، طبع مذکور، ۲: ۱۴۳؛ مصنّف مذکور: کتاب التنبیه والاشراف، ترجمہ در فرانسیسی از کارادِ وو C. de Vaux، پیرس ۱۸۹۶ء، ص ۱۳۶؛ دیکھیے A. Christensen : *Les Kayanides*، ص ۱۴۳ ببعد).

(۸) کتاب مَزْدَک، اس میں مزدک کی زندگی سے بحث کی گئی ہے، جس نے ساسانیوں کے دورِ سلطنت میں ایک نئے مذہب کی، جو اشتراکی مسلک سے بہت قریب ہے، بنیاد رکھی تھی اور جس کا تعلّق قُباذ اوّل کے عہد سے ہے۔ اس کے اقتباسات ان کتابوں میں ملیں گے جو اس ترجمے کے بعد تصنیف ہوئیں (دیکھیے A. Christensen: *Le règne du roi Kowadh I*، ص ۴۴ ببعد؛ وہی مصنّف: *L'Iran sous les Sassanides*، ص ۶۳ و ۳۳۰ حاشیہ).

ابن ابی اُصَیبِعَہ (عیون الانباء، قاہرہ ۱۲۹۹ء، ۱: ۳۰۸) اور بعض دوسرے مؤلفین نے کہا ہے کہ ابن المُقفّع نے ارسطا طالیس کی تصنیفات کتاب قاطیغوریاس، کتاب باریمینیاس اور کتاب انالیقا اور فرفریوس کی ایساغوجی کا ترجمہ بھی پہلوی سے عربی میں کیا اور اس میں جدید اصطلاحات استعمال کیں (مثلاً ''جوہر'' کے بدلے وہ لفظ ''عین'' استعمال کرتا ہے، دیکھیے کتاب مفتاح العلوم، طبع G. van Vloten، ۱۸۹۰ء، ص ۱۴۸)، لیکن بعض فضلا کا نظریہ یہ ہے کہ جہاں تک قرائن کا تعلّق ہے یہ ترجمے ابن المُقفّع کے نہیں بلکہ اس کے بیٹے محمد بن عبداللہ بن المُقفّع کے ہیں (دیکھیے C. A. Nallino: *Noterelle su Ibn al-Muqaffa'e suo figlio*، در *RSO*، ج ۱۹ (۱۹۳۳-۱۹۳۴ء): ۱۳۰ ببعد = *Raccolta di scritti editi e inediti*، روم ۱۹۴۸ء، ۶: ۱۷۵ ببعد.

جہاں تک ابن المُقفّع کی تالیفات کا تعلّق ہے ان کا موضوع ہے ادب، اخلاق اور سیاست۔ علاوہ ان کے ابن المقفّع کے چند مکتوب بھی ہیں، جنھیں اپنی نوع کا بہترین نمونہ شمار کیا گیا ہے۔ اس کی تالیفات حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) الادب الصغیر، یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے اور نصائح پر مشتمل ہے (طبع احمد زکی پاشا، اسکندریہ ۱۳۲۹ھ؛ محمد کرد علی: رسائل البلغاء، طبع سوم، قاہرہ ۱۳۶۵ھ، ص ۳۴-۳۷).

(۲) الدرة الیتیمة یا الادب الکبیر فی طاعة الملوک، ایک مختصر سا رسالہ ہے، جس میں ادب اور ملوک و امرا کے ساتھ معاملات میں چند مباحث قائم کیے گئے ہیں (پہلے نام سے احمد زکی پاشا نے اسکندریہ ۱۳۳۰ء میں اور م۔ حسن نائل المرصفی نے قاہرہ ۱۳۳۰ھ میں طبع کیا، دوسرے نام سے شکیب ارسلان نے قاہرہ ۱۹۱۰ء میں اور پھر دونوں ناموں سے محمد کرد علی نے مذکورۂ بالا رسائل البلغاء میں، ص ۴۰-۱۶۰)۔ فرانسیسی اور جرمن ترجموں کے لیے دیکھیے براکلمان (Brockelmann): تکملہ، ۱: ۲۳۵، شمارہ ۱.

(۳) رسائل، کچھ خطوط ہیں جو کتب خانۂ خدیویہ میں موجود تھے اور جو محمد کرد علی کے زیر اہتمام طبع ہوے (در رسائل البلغاء، مذکورۂ بالا، ص ۱۳۶-۱۴۴).

(۴) رسالة الصحابة، اس رسالے میں ابن المقفع نے سیاسی اُمور سے متعلّق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور امیر المؤمنین (غالبًا المنصور عباسی) کو کچھ نصیحتیں بھی کی ہیں۔ غالبًا یہ وہی رسالہ ہے جسے الرسالة السیاسیة کہا گیا ہے؛ محمد کرد علی کے زیر اہتمام طبع ہوا۔ (در رسائل البلغاء، مذکورۂ بالا ص ۱۱۷-۱۳۴)۔ اس رسالے کی مفصل تشریح کے لیے دیکھیے S. D. Goitein: *A turning point in the History of the Muslim State*، در *Islamic Culture*، ۲۳ (۱۹۴۹ء): ۱۲۰-۱۳۵.

(۵) حِکَم ابن المقفّع، اس رسالے میں اس کے چھوٹے چھوٹے حکیمانہ اقوال درج ہیں۔ یہ قاہرہ میں ۱۳۲۴ھ میں جداگانہ رسالے کی صورت میں طبع ہوا اور محمد کرد علی: رسائل البلغاء، میں بھی موجود ہے (طبع مذکور، ص ۱۱۲-۱۱۶).

(۶) الیتیمة الثانیة، اس رسالے کا کچھ حصّہ احمد بن ابی طاہر (م ۲۸۰ھ) کی کتاب المنظوم والمنثور میں محفوظ ہے اور اسی سے رسائل البلغاء، میں طبع ہوا، ص ۱۰۸-۱۱۱.

(۷) الأدب الوجیز للولد الصغیر، پند و نصائح پر مشتمل ایک رسالہ ہے، بنام ناصر الدّین عبدالرحیم بن ابی منصور، جس کا اصل عربی نسخہ موجود نہیں۔ اغلب یہ ہے کہ اس کا ترجمہ نصیر الدّین طوسی نے فارسی میں کیا۔ اس کے مخطوطے کے لیے دیکھیے براکلمان: تکملہ، ۱: ۲۳۶؛ کتاب خانۂ کوپرِیلو، استانبول، شمارہ ۱۵۸۹، ورق ۲۶۱ ب تا ۲۷۱ الف بڑا خوشنما نسخہ ہے، جو ۷۵۲ھ میں لکھا گیا۔ بظاہر ابن المُقفّع نے یہ رسالہ اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے لکھا ہے اور اس کا ہر فقرہ اس خطاب سے شروع ہوتا ہے جس کا فارسی ترجمہ ''اے پسر'' ہے۔ جن فضائل کے حاصل کرنے کی اس نے اپنے بیٹے کو ترغیب دی ہے وہ حسبِ ذیل ہیں: شکر، ترکِ بیکاری، راستبازی سے انحراف نہ کرنا اگرچہ اس میں اپنا نقصان نظر آئے، حسنِ کلام، صبر، رنج و غم اور پریشانی سے دور رہنا، سکون و وقار الخ.

کہا جاتا ہے کہ ان کتابوں کے علاوہ ابن المُقفّع نے ایک کتاب قرآن مجید کے مقابلے میں بھی تصنیف کی تھی، بعنوان المعارضة للقرآن اور جس کا ایک

زیدی امام القاسم بن ابراہیم (م ۲۴۶ھ/ ۸۶۰ء) نے الرّد علی الزندیق اللعین ابن المقفع کے زیرعنوان ایک ردّ لکھا۔ یہ آخری کتاب M. Guidi نے طبع کی، *La lottatra l'islame il manicheismo, un libro di Ibn-al-Muqaffa' Contro Corano Confutato da al- Q-I-b*، روم ۱۹۲۷ء، قب C. A. Nallino: *Noterella su I. M. e. suo figlio*، در *RSO*، ۱۹۳۳-۱۹۳۴ء، ۱۴: ۱۳۰ بعد؛ G. Vajda، در *JA*، ۱۹۳۶ء، ۲۸۸: ۳۴۹ بعد.

لیکن اس روایت کا قبول کرنا ممکن نہیں۔ اوّل تو یہ کہ القاسم بن ابراہیم کی کتاب کا زمانۂ قدامت اس روایت کی صحت کی کوئی دلیل نہیں، دوم یہ کہ اس روایت کو مان لیجیے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابن المقفع اپنے بیٹے کو تو بتاکید اصلاحِ ذات اور راستبازی کی تلقین کرتا ہے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا؛ اور یہ وہ بات ہے جس سے اس کی ساری پند و نصیحت رائیگاں جاتی ہے۔ بعض مؤلفین نے بے شک ابن المقفع کو زندیق ٹھیرایا ہے (دیکھیے مثلاً السید المرتضٰی: الامالی، قاہرہ ۱۹۰۷ء، ۱: ۹۳ بعد؛ اسی کی نقل عبدالقادر البغدادی: خزانۃ الادب، قاہرہ ۱۲۹۹ھ، ۳: ۲۰۹ بعد؛ البیرونی: ماللھند، طبع E. Sachau، لنڈن ۱۸۸۷ء، ص ۱۳۲؛ الباقلانی: اعجاز القرآن، قاہرہ ۱۳۴۹ھ، ص ۲۵ بعد)، لیکن یہ دعوٰی ایک مختلف بنیاد پر قائم ہے اور وہ یہ کہ ابن المُقَفَّع نے اپنی وسعت معلومات اور بلند خیالی کے سبب اپنی تصنیفات اور ترجموں میں بعض ایسے خیالات کا اظہار بھی کیا ہے جنھیں دیکھ کر بعض ایسے اشخاص جو اس کے بلند خیالات کو سمجھنے سے قاصر تھے اس کے دین اور اعتقادات کی طرف سے بدظن ہو گئے۔ مزید براں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ قبولِ اسلام کے بعد اس سے کوئی ایسی مہلک حرکت سرزد نہیں ہو سکتی تھی جس کے نتائج سے وہ بے خبر ہوتا۔ اندریں حالات وہ کیسے جرأت کر سکتا تھا کہ وہ المعارضۃ للقرآن ایسی کتاب تصنیف کرے۔ پھر اگر اس کے جانی دشمن، مثلاً سفیان بن معاویہؒ، والیِ بصرہ، کے پاس اس کے زندقہ کے ثبوت میں ایسی بیّن دلیل موجود ہوتی تو وہ اس کو قتل کی سزا دلوانے میں مطلق تامّل نہ کرتے اور نہ اس کے بعد خلیفہ کی نظروں میں مستحقِ عتاب ہوتے؛ لہٰذا ان باتوں سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن المقفّع نے قرآن مجید کے معارضے میں کوئی کتاب نہیں لکھی؛ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی شخص نے، جو ابن المقفع کی شہرت اور وقعت سے واقف تھا، معارضۂ قرآن میں ایک کتاب لکھ کر اس سے منسوب کر دی تاکہ لوگ محض اس کے نام کے باعث اس پر توجہ کریں؛ یہی وجہ ہے کہ القاسم بن ابراہیم نے اس کے ردّ کی ضرورت محسوس کی اور اپنی کتاب الرد علی الزندیق اللعین ابن المُقفع کے عنوان سے اپنی کتاب لکھ ڈالی۔

حاصل کلام یہ کہ ابن المُقَفَّع نے اپنی تھوڑی سی لیکن سرتاپا عملی زندگی میں مفید ترین ترجموں اور نہایت اعلٰی علمی تالیفات سے عربی ادبیات کو غیر معمولی وسعت دی۔ اس کی کوششوں سے عربی زبان نے یہاں تک ترقی کی کہ اس میں طرح طرح کے خیالات کا اظہار آسانی سے ہونے لگا۔ اس کی تالیفات اور ترجموں کا اثر اس کے اپنے زمانے سے لے کر بعد کے ادوار پر اتنا گہرا ہے کہ اسے جدید عربی کے بانیوں میں جگہ دی جا سکتی ہے.

مآخذ: علاوہ ان کے جن کا ذکر مقالے میں کیا گیا ہے: (۱) البلاذری: انساب الاشراف، مخطوطۂ کتاب خانۂ شہید علی پاشا (استانبول)، عدد ۲۹۷ الف تا ۳۲۰ الف؛ (۲) الجہشیاری: کتاب الوزراء و الکتّاب، طبع عکسی از H. von Mžik لائپزگ ۱۹۲۶ء، نیز طبع مصطفٰی السقّا، قاہرہ ۱۳۵۷ھ، ص ۹۷ بعد، ۱۰۳-۱۱۰؛ (۳) ابن الندیم: کتاب الفہرست، طبع فلُوگل، ۱: ۱۱۸؛ (۴) الأغانی، طبع اوّل، ۱۲: ۸۱ و ۱۳: ۱۳۲ و ۱۶: ۱۴۸ و ۱۸: ۷۶، ۲۰۰؛ (۵) ابن خلّکان: وفیات الاعیان، قاہرہ ۱۲۹۹ھ، ۱: ۱۸۷ بعد (حلّاج منصور کے احوال میں)؛ (۶) ابن القفطی: اِخبار العلماء، قاہرہ ۱۳۵۵ھ، ۱: ۹۹-۱۷۹؛ (۷) S. de Sacy: *Calila et Dimna*، پیرس ۱۸۱۶ء، ص ۱۰ بعد؛ (۸) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۵۱ بعد و تکملہ، ۱: ۲۳۳ بعد؛ (۹) Cl. Huart: *Litterature Arabe*، ص ۲۱۱؛ (۱۰) *JA*، سلسلہ ۱۰، ج ۱۷: ص ۵۵۴؛ (۱۱) زکی مبارک: *La prose arabe*، پیرس ۱۹۳۱ء، ص ۴۹ بعد؛ (۱۲) عبدالجلیل: *Brève histoire de la Litterature arabe*، پیرس ۱۹۴۷ء، ص ۱۰۷ بعد؛ (۱۳) F. Gabrieli: *L' opera di Ibn al-Muqaffa'*، در *RSO*، ۱۳ (۱۹۳۱-۱۹۳۴ء): ۱۹۷-۲۴۷؛ (۱۴) P. Kraus: *Zu Ibn al-Muqaffa'*، در *RSO*، ۱۹۳۴ء، ۱۴: ۱-۲۰؛ (۱۵) Ch. Pellat: *la milieu Baṣrien et la formation de Ğahiẓ*، پیرس ۱۹۵۳ء، بہ اِمدادِ اشاریہ؛ (۱۶) Dominique Sourdel: *La biographie d' Ibn al-Muqaffa' dáprès les sources anciennes arabica*، ۱ (۱۹۵۴ء): ۳۰۶-۳۲۳ (ابن المُقَفَّع کا بہترین حال اس مقالے میں دیا گیا ہے).

(احمد آتش)

----

* **ابن مُقلَہ**: ابوعلی محمد بن علی بن الحسن ابن مقلہ، عباسی دور کا ایک وزیر، جو ۲۷۲ھ/ ۸۸۶ء میں بغداد میں پیدا ہوا۔ شروع شروع میں وہ فارس کے ایک ضلع کا مُحصِّل تھا، لیکن ربیع الاوّل ۳۱۶ھ/ مئی ۹۲۸ء کے وسط میں خلیفہ المقتدر نے اسے اپنا وزیر مقرر کر دیا۔ دو سال کی خدماتِ جلیلہ کے بعد اسے جمادی الاولٰی ۳۱۸ھ/ جون ۹۳۰ء میں اس لیے معزول کر دیا گیا کہ ترک لشکریوں کے سردار مؤنس سے اس کے گہرے تعلّقات تھے، جس سے خلیفہ کو شدید نفرت تھی؛ لہٰذا صاحب الشرطہ محمد بن یاقوت نے، جو اس کا دشمن تھا، اسے قید کی سزا دلوائی اور اس کا گھر بھی جلا دیا؛ پھر ایک بہت بڑی رقم جبراً وصول کرنے کے بعد اسے فارس کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ ذوالحجّہ ۳۲۰ھ/ دسمبر ۹۳۲ء میں خلیفہ القاہر نے اسے پھر اپنے عہدے پر بحال کر دیا تو ابن مقلہ نے تھوڑے ہی دنوں میں ابن یاقوت کے خلاف ساز باز شروع کر دی، لیکن جب اس نے خلیفہ کو برطرف کرنے کا

منصوبہ بنایا تو اس سازش کا راز افشا ہوگیا؛ چنانچہ ابن مُقْلَہ کو اب پھر بھاگ کر اپنی جان بچانا پڑی اور وزارت کا عہدہ اس کے کاتب محمد بن القاسم کے سپرد ہوا، لیکن اس کے باوجود ابن مقلہ نے خلیفہ القاہر کی معزولی کے لیے ایک زبردست تحریک چلائی۔ وہ بھیس بدل کر ملک میں ادھر ادھر پھرتا رہا اور خلیفہ کے خلاف نفرت پھیلاتا رہا۔ جمادی الاولٰی ۳۲۲ھ/ اپریل ۹۳۴ء میں جب الراضی تخت پر متمکن ہوا تو ابن مقلہ کو پھر وزارت کا عہدہ مل گیا، مگر اب زمامِ حکومت دراصل فوج کے سپہ سالار محمد بن یاقوت کے ہاتھ میں تھی۔ بایں ہمہ ابن مقلہ دوسرے ہی سال خلیفہ کے اس طاقتور منظورِ نظر کو اپنی سازشوں کے ذریعے کچلنے میں کامیاب ہوگیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ ابن یاقوت کو موصل کے خلاف، جہاں حسن بن ابی الہیجاء نے بطورِ غاصب کے قبضہ کر رکھا تھا، اپنی مہم میں ناکامی ہوئی۔ مگر ان باتوں سے ابن مقلہ نے اپنی تباہی کا سامان بھی پیدا کر رکھا تھا؛ چنانچہ جمادی الاولٰی ۳۲۴ھ/ اپریل ۹۳۶ء میں محمد کے بھائی المظفر بن یاقوت نے اسے قید کرلیا، جس پر خلیفہ کو مجبورًا اپنی رضامندی کا اظہار کرنا پڑا اور یوں اسے وزارت سے بھی معزول کر دیا گیا۔ بایں ہمہ ابن مقلہ نے دس لاکھ دینار ادا کیے اور قید سے رہائی حاصل کرلی۔ اس سے چند سال بعد اسے کم از کم برائے نام چوتھی مرتبہ پھر وزیر بنا دیا گیا [رکّ بہ مادّۂ ابن الفرات، ۳] لیکن جب اس نے امیر الامراء محمد بن رائق ایسے طاقتور شخص کے خلاف سازباز شروع کی اور اسے اس کا علم ہوگیا تو شوّال ۳۲۶ھ/ اگست ۹۳۶ء میں اس نے اسے گرفتار کرلیا اور بڑی بے رحمی سے اس کے اعضا کاٹ ڈالے۔ عام بیان کے مطابق وہ ۱۰ شوّال ۳۲۸ھ/ ۱۹ جولائی ۹۴۰ء کو قید خانے ہی میں مرگیا۔ ابن مقلہ کے علم و فضل کی بھی بڑی شہرت تھی۔ اس کا شمار عربی خطّاطی کے موجدوں میں ہوتا ہے۔

مآخذ: (۱) ہلال الصابیٔ: کتاب الوزراء (طبع Amedroz)، مواضع کثیرہ؛ (۲) ابن خلّکان (طبع وسٹنفلٹ Wüstenfeld)، عدد ۷۰۸ (ترجمہ de Slane، ۳: ۲۶۶ بعد)؛ (۳) ابن الطِّقطَقیٰ: الفخری (طبع Derenbourg)، ص ۳۶۸۔ ۳۷۲، ۳۷۴ بعد، ۳۸۱، ۳۸۴؛ (۴) عریب (طبع de Goeje)، ص ۱۱۳، ۱۳۴ بعد؛ (۵) ابن الاثیر (طبع Tornberg)، ۸: ۷۳، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۳۳ - ۲۶۰ مواضع کثیرہ، ۲۷۳؛ (۶) ابن خلدون: العبر، ۳: ۳۷۵ بعد؛ (۷) Weil: *Gesch. d. Ghalifen*، ۲: ۵۵۹، ۵۶۶، ۶۴۵-۶۴۹، ۶۵۶ بعد، ۶۶۰-۶۶۸؛ (۸) Müller: *Der Islam im Morgen-und Abendland*، ۱: ۵۳۴ بعد، ۵۶۵.

(K. V. ZETTERSTÈEN)

ابن المُنْذِر: ابوبکر، سلطان الناصر بن قلاوٗون کا میر آخور اور بَیْطار اعلٰی، م ۷۴۱ھ/ ۱۳۴۰ء، مصنّفِ کامل الصناعتین البَیطرة و الزَّرطَقة (یا کاشف الویل فی معرفة امراض الخیل)، جسے سلطان کے نام پر النّاصری سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسی نام سے بالعموم اس کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ پیرُون (M. Perron) نے اس کا ترجمہ ایک مبسوط مقدّمے کی شکل میں کیا ہے، جس کا عنوان ہے *Le Nācéri: La perfection des deux arts ou traité complet d'hippologie et d'hippiatrie arabes, trad. de l'arabe d'Abou Bekr Ibn Bedr*، اس کی پہلی جلد ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی اور اس کی قدر و قیمت اس مقدّمے کی وجہ سے ہے جس میں عربی گھوڑوں کے متعلّق بکثرت معلومات ہیں اور الناصر نے مصر میں گھوڑوں کی افزائشِ نسل کی جو تدابیر اختیار کیں ان کا بیان ہے۔ اس میں کئی ایک قصائد کے اقتباسات بھی جمع کر دیے گئے ہیں۔ دوسری جلد ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی۔ وہ ترجمہ ہے کتاب معرفة الخیل کا۔ اور تیسری جلد ۱۸۶۰ء میں۔ اس میں علم بیطاری سے بحث کی گئی ہے۔ ہامر۔ پُرگشطال (J. v. Hammer -Purgstall) نے اپنے رسالے *Das pferd bei den Araber* میں اس مقدّمے پر بڑی زبردست تنقید کی ہے؛ گو دوسری جلدوں کی تنقید کے لیے وہ زندہ نہ رہا، تاہم یہ امر مشکوک ہے کہ تنقید نگار مذکور کو اس بحث اور بالخصوص فن بیطاری میں کوئی دخل تھا بھی یا نہیں، جس کی بنا پر پیرون (Perron) کی قابلِ قدر کتاب پر اسے ترجیح دی جاسکے۔ بہرحال یہ کتاب معلومات کا ایک بیش قیمت خزینہ اور اس قسم کی پہلی تصنیف ہے جس میں گھوڑوں کے متعلّق منتشر معلومات کو یکجا کر دیا گیا ہے، حتّٰی کہ جو کوئی اس موضوع پر مزید تحقیقات کا ارادہ رکھتا ہے وہ اس کی ابتدا اسی کتاب سے کرے گا۔

مآخذ: براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۱۳۶ [و تکملہ، ۲: ۱۶۹].

(J. RUSKA)

ابن مَنْظُور: ابوالفضل جمال الدّین محمد بن مکرم الافریقی المصری الانصاری الخزرجی الرُّوَیفِعی (۶۳۰-۷۱۱ھ/ ۱۲۳۲-۱۳۱۱ء) حضرت رُوَیفِع ابن ثابت صحابیؓ (وسٹنفلٹ، ۲۰: ۳۲) کے خاندان سے تھے (نسب نامے کے لیے دیکھیے لسان العرب، ۱: ۲۵۶)۔ وہ مصر کے بڑے معزز اور علم دوست گھرانے کے چشم و چراغ، جلیل القدر ادیب اور ماہرِ لغتِ عرب تھے اور ۲۲ محرم کو قاہرہ میں پیدا ہوے (زبیدی: تاج العروس، دیباچہ)۔ ابن المقیر، مرتضٰی بن حاتم، یوسف بن المُخَیلی، عبدالرحمٰن بن الطُّفیل وغیرہ سے حدیث سنی (نُکَت) اور مصر و دمشق میں روایت کی (شذرات)۔ السُّبکی، الذہبی اور البِرزَالی نے بھی ان سے حدیث روایت کی ہے (بغیة)۔ بایں ہمہ وہ حدیث میں حفظ اور علوِّ اسناد کی انفرادیت کا درجہ حاصل نہ کرسکے (حسن المحاضرة)۔ نحو و لغت کے امام اور تاریخ و کتابت کے جیّد عالم تھے اور کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ اشعار کے نمونے نُکَت الہِمیان اور فوات الوفیات میں درج ہیں۔ کثیر الانشاء اور زود نویس ہونے کے باوجود انھیں خطاطی کا حسن و جمال حاصل تھا (نُکَت)۔ تاریخ و ادب میں ان سے بہت سی تالیفات یادگار رہیں۔ ان کے بیٹے قاضی قطب الدّین نے الصّفدی سے کہا کہ

ابن منظور نے پانچ سو کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی چھوڑیں (نُکَت)۔ (یہ قاضی قطب الدّین بڑے زاہد، عابد اور صائم الدہر تھے)۔ مصر میں وہ کاتب الانشاء الشریف کے فرائض انجام دیتے رہے اور ایک عرصے تک مکّے میں بھی مقیم رہے (نُکَت)۔ الصّفدی کا قول ہے کہ کتبِ ادب میں مجھے کوئی ایسی کتاب معلوم نہیں جس کا اختصار ابن منظور نے نہ کر دیا ہو (الوافی)، مثلاً (۱) مختار الأغانی، بہ ترتیب حروف تہجّی (اصل کا ایک تہائی مواد)، کچھ اجزا مطبوعہ ہیں (المکتبۃ السّلفیہ)؛ (۲) مختصر تأریخ دمشق لابن عساکر (اصل کتاب کا ایک چوتھائی مواد)، مخطوطہ در خزانۂ کوپرولو، استانبول و در Gotha؛ (۳) مختصر تأریخ بغداد للخطیب البغدادی؛ (۴) مختصر ذیل تأریخ بغداد لابن النجّار؛ (۵) مختصر ذیل تأریخ بغداد لابن سعد السمعانی (مخطوطہ در خزانۂ دانش گاہِ کیمبرج)؛ (۶) مختصر مفردات ابن البیطار (مخطوطہ در خزانۂ احمد تیمور پاشا)؛ (۷) مختصر العِقْد لابن عبد ربّہ؛ (۸) مختصر زہر الآداب للحصری؛ (۹) مختصر الحیوان للجاحظ؛ (۱۰) مختصر یتیمۃ الدہر للثعالبی؛ (۱۱) مختصر نشوار المحاضرۃ للتّنُوخی؛ (۱۲) مختصر صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی؛ (۱۳) مختصر الذخیرۃ لابن بسّام؛ (۱۴) سرور النفس بمدارک الحواس الخمس، یعنی التّیفاشی (م ۶۵۱ھ) کی کتاب فصل الخطاب فی مدارک الحواس الخمس لاولی الالباب کا اقتباس و تہذیب (زیدان)، (مخطوطہ دار الکتب قاہرہ میں موجود ہے)۔ علاوہ ازیں ابن منظور کی تالیف نثار الازہار فی اللیل و النہار (طبع الجوائب، قسطنطینیہ ۱۲۹۸ھ) ایک عمدہ ادبی مرقّع ہے، جس میں روز و شب اور صبح کے پسندیدہ اور خوشگوار اوقات کے متعلّق نظم و نثر کا دلچسپ اور پُرلطف ذخیرہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔

ابن منظور کا گراں مایہ شاہکار عربی زبان کی ضخیم ترین اور اہم ترین لغت لسان العرب ہے، جو ۶۸۹ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ الصّفدی (۶۹۶ - ۷۶۴ھ) نے قاہرہ میں دیکھا تھا، جس پر اس عہد کے اکابر اہلِ علم، مثلاً علّامہ اثیر الدّین ابوحیّان، وغیرہ، کی تقریظات مندرج تھیں (نُکَت)۔ اس مفصل و مبسوط لغت کا مؤلف معترف ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں اس نے بدوی لوگوں سے الفاظ کے معانی و مطالب دریافت کرنے کی غرض سے کوئی سفر نہیں کیا (لسان، ۱: ۳)، بلکہ (۱) ابو منصور الازہری (۲۸۲ - ۳۷۰ھ) کی تہذیب اللغۃ؛ (۲) ابن سِیدہ الاندلسی (۳۷۸ - ۴۵۸ھ) کی المحکم؛ (۳) الجوہری (م [۳۹۳]ھ) کی الصحاح؛ (۴) ابن بَرّی (۴۹۹ - ۵۸۲ھ) کی الأمالی علی الصحاح اور (۵) ابن الأثیر (۵۴۴ - ۶۰۶ھ) کی النہایۃ فی غریب الحدیث جیسی قدیم لغات کے متفرق اور غیر منظم ذخیرۂ معلومات کو بڑے سلیقے اور قرینے اور شرح و بسط سے جمع کر دیا ہے (لسان، ۱: ۴)۔ ابن منظور کے سیرت نگاروں نے ابن درید کی جمہرۃ اللغۃ کو بھی لسان العرب کے مصادر میں شمار کیا ہے، لیکن درحقیقت جمہرۃ تالیف کتاب کے وقت ابن منظور کے پاس موجود نہ تھی اور جمہرۃ کی جو روایات لسان العرب میں مندرج ہیں وہ ابن سِیدہ کی المحکم سے ماخوذ ہیں (حاشیہ مخطوطۂ الدرر الکامنۃ، درموزۂ بریطانیہ، بحوالۂ لسان، جلد ۱، طبع ثانی، قاہرہ ۱۳۴۸ھ، حاشیہ صفحہ ی)۔ فاضل مؤلف نے لسان العرب کے دیباچے میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ مندرجۂ بالا لغات میں سے بعض کی ترتیب اور بعض کی تشریحات اسے ناپسند تھیں؛ چنانچہ ابن منظور نے اپنے پیشرو لغات نویسوں کے ذخیرۂ علم کو حسنِ ترتیب اور تفصیلی توضیحات کے ساتھ اس طرح پیش کیا کہ ہر لغات کی خوبی اور عمدگی لسان العرب میں سمو دی گئی۔ لسان العرب کو الجوہری کی الصحاح کے طریق پر الفاظ کے آخری حروف کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ الفاظ کی تشریح و توضیح کے ضمن میں ابن منظور نے قرآن مجید کی آیات، احادیثِ نبوی، آثارِ صحابہ، خطبات، محاورات، امثال اور اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ کم و بیش سترہ سو عرب شعرا کے نام اور چالیس ہزار اشعار لسان العرب میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ قدیم شعرا کے ایسے اشعار بھی مذکور ہیں جو ان کے دیوانوں یا دوسرے مصادر میں نہیں ملتے، لہٰذا لسان العرب عربی زبان کی سب سے بڑی لغت ہی نہیں، بلکہ قدیم اشعار کا ایک اہم اور نادر مجموعہ بھی ہے (دیکھیے عبدالقیوم: فہارس لسان العرب: (۱) اسماء الشّعراء؛ (۲) فہرست قوافی، طبع اوریئنٹل کالج میگزین، ۱۹۳۸ - ۱۹۴۹ء)۔ الفاظ کی تشریحات و معانی کی مناسبت سے صرف و نحو اور فقہ و ادب کے علاوہ دیگر بہت سی نادر اور مفید معلومات بھی لسان العرب میں ملتی ہیں، جو قدیم مصادر سے ماخوذ ہیں۔ ابن منظور نے اس لغت میں مُعرّب الفاظ کے فارسی، سریانی، ترکی، رومی، وغیرہ مآخذ کا ذکر بھی کیا ہے۔ کتاب میں چند تسامحات از قسم روایت و انتساب اشعار یا اغلاطِ طباعت موجود ہیں (دیکھیے (۱) احمد تیمور پاشا: تصحیح لسان العرب؛ (۲) عبدالقیوم: "ابن منظور افریقی"، در معارف، ج ۵۳، عدد ۱)، لیکن کتاب کی وسعت اور ضخامت کے پیشِ نظر یہ تسامحات چنداں اہمیت نہیں رکھتے۔ لسان العرب، طبع اوّل، ۲۰ جلد، بولاق ۱۳۰۰ء؛ طبع ثانی کا اہتمام چند فضلا کے تعاون سے المطبعۃ السّلفیہ قاہرہ نے کیا اور پہلی جلد ۱۳۴۸ھ میں شائع کی۔ اس کے بعد کی جلدوں کی طباعت بند ہے؛ طبع ثالث، ۳۲ جز، بیروت ۱۹۵۵ء۔ شواہد لسان العرب (صرف حرفِ ہمزہ پر ختم ہونے والے اشعار، کامل کتاب کے) مرتبۂ عبدالفتّاح قتلان، طبع اوّل، مصر ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی۔

مآخذ: (۱) الصّفدی: نکت الهمیان، طبع ۱۹۱۱ء، ص ۲۷۵؛ (۲) الوافی بالوفیات، [استانبول] ۱۹۳۱ء، ۱: ۵؛ (۳) ابن شاکر: فوات الوفیات، ۱۲۹۹ھ، ۲: ۲۶۵؛ (۴) ابن حجر العسقلانی: الدرر الکامنۃ، حیدرآباد ۱۳۵۰ھ، ۴: ۲۶۲؛ (۵) ابن تغری بردی: المنهل الصافی؛ (۶) السّیوطی: بغیۃ الوعاۃ، ۱۳۲۶ھ، ص ۱۰۶؛ (۷) حسن المحاضرۃ، ۱: ۱۶۳، ۲۲۹؛ (۸) مرتضٰی الزَّبِیدی: تاج العروس؛ (۹) ابن منظور: لسان العرب، ۱۲۹۹ھ، ۱۳۴۸ھ، جلد ۱؛ (۱۰) ابن العماد: شذرات الذهب، ۶: ۲۶؛ (۱۱) احمد بک نائب: المَنْهل العذب فی تأریخ طرابلس الغرب، ص ۱۵۷؛ (۱۲) التاجی: مجموعۃ التاجی؛ (۱۳) طاش کوپرو زادہ: مفتاح السعادۃ، ۱: ۱۰۶،

۱۰۷؛ (۱۴) صدیق حسن: البلغة، ص ۱۶۳، ۱۶۴؛ (۱۵) براکلمان، ۲: ۲۱ و تکملہ، ۲: ۱۵؛ (۱۶) زیدان: تاریخ آداب اللغة العربیة، ۳: ۱۴۱، ۱۴۲؛ (۱۷) خیر الدّین الزرکلی: الاعلام، ۳: ۹۹۰، ۹۹۱؛ (۱۸) سرکیس: معجم المطبوعات العربیة؛ (۲۰) عبدالقیوم: ابن منظور افریقی اور اس کی ''لسان العرب'' پر ایک نظر، در معارف، جنوری ۱۹۴۴ء (جلد ۵۳، عدد ۱).

(عبدالقیوم)

---

* **ابن مَیمُون**: ابوعمران موسیٰ بن میمون بن عبداللہ القُرطُبی (الاندلسی) الاسرائیلی (میمونیدس Maimonides) کا عربی نام، جس نے یہودی الٰہیات، طبّ اور فلسفے میں یکساں شہرت پائی۔ عبرانی نام ربّی موشہ بن میمون تھا، چنانچہ اس نام کے ابتدائی حروف کی رعایت اسے مختصرًا رمبم (RaMBaM) بھی کہتے تھے۔ عربی میں الرئیس (الاُمّة یا الملّہ) کا اعزازی لقب پایا، یعنی ''قوم (یہود) کا سردار'' جو عبرانی لفظ ''ناگید'' کا مترادف ہے۔ اسے موشہ الزّمان [موسیٰ الزمان]، یعنی ''اپنے وقت کا موسیٰ'' بھی کہا جاتا ہے۔

ابن میمون ۳۰ مارچ ۱۱۳۵ء کو قرطبہ میں پیدا ہوا، جہاں اس کے باپ کو دیّان، یعنی مذہبی عدالت کے منصب کا عہدہ حاصل تھا۔ ربانوی تعلیم اس نے اپنے باپ سے حاصل کی اور علمائے اسلام سے اس نے عربی علوم بھی پڑھے۔ اس کی عمر ابھی تیرہ برس کی تھی کہ قرطبہ پر موحدوں [رک بآن] کا قبضہ ہوگیا...... چنانچہ ابن میمون اپنے باپ کے ساتھ شہر سے نکل گیا (اس کے متعلّق کہ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا نیچے دیکھیے)۔ عرصے تک یہ لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے رہے، حتّٰی کہ فاس میں بھی، جہاں انھوں نے سکونت اختیار کرلی تھی، ان کا قیام مستقل نہیں تھا۔ ۱۱۶۵ء میں وہ بحری راستے سے فلسطین روانہ ہوگئے، عکّہ پہنچے، پھر بیت المقدس کا رخ کیا اور بالآخر فُسطاط میں مقیم ہوگئے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ابن میمون کے باپ کا انتقال ہوگیا اور ابن میمون کو اور بھی کئی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ چونکہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کسبِ معاش کے لیے ربّی کا پیشہ اختیار کرے، لہٰذا اس نے فیصلہ کرلیا کہ طبابت کی دنیا میں قدم رکھے، جس میں دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اتنا نام پیدا کرلیا کہ صلاح الدّین کے وزیر القاضی الفاضل البَیْسانی کا معتمد بن گیا اور پھر عمر بھر اس کی پناہ میں رہا۔ صلاح الدّین اور آگے چل کر اس کے بیٹے نے اسے درباری طبیب مقرر کیا۔ طبیب کی حیثیت سے اس کی ہر کہیں اتنی مانگ رہتی تھی کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ابن میمون کو اپنی گوناگوں ادبی سرگرمیوں کے لیے کہاں سے وقت مل جاتا تھا۔

ابن میمون کا انتقال [۱۹ ربیع الثانی ۶۰۱ھ /] ۱۳ دسمبر ۱۲۰۴ء کو ہوا۔ اس کی خواہش کے مطابق اس کی میّت فلسطین میں طبریہ (Tiberias) لے جائی گئی، جہاں اب تک اس کا مقبرہ دکھایا جاتا اور اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ ابن میمون کی ایک کے سوا سب تصنیفات عربی میں ہیں۔ جہاں تک فلسفے اور طب کا تعلق ہے اس کی تصنیفات کا مطالعہ صرف اس کے ہم مذہبوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ علمائے اسلام بھی ان سے استفادہ کرتے تھے۔ لاطینی تراجم کے ذریعے ان تصانیف کا مسیحی یورپ کے متکلّمین (Scotus Duns، Albertus Magnus) پر بہت گہرا اثر پڑا۔ فلسفے پر اس کی سب سے بڑی تصنیف دلالة الحائرین ہے (عبرانی: مورہ نبوخیم؛ لاطینی: *Doctor Perplexorum*)، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ جو فیصلہ نہیں کرسکتے کہ عقل کا ساتھ دیں یا وحی کا انھیں پھر ایسا سکونِ قلب اور اطمینان حاصل ہوجائے جس سے وہ ان دونوں کے درمیان ہم آہنگی محسوس کرسکیں۔ الہامی صحف اور ان مابعد الطبیعیاتی اصولوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں، اور نہ ہوسکتا ہے، جنھیں ارسطو اور بعد ازاں فارابی [رک بآن] اور ابن سینا [رک بآن] نے پیش کیا۔ یہی نظریہ ہے جس کی روشنی میں انجیل کی تمام تجسیمیّت کی تشریح کی جاسکتی ہے۔ یہاں ہم اس امر کی طرف بھی اشارہ کردیں کہ کتاب مذکور میں اسلامی الٰہیات اور فلسفے کی تعلیمات کا ملخّص موجود ہے۔

دلالة کے کئی سرگرم مدّاح جلد ہی پیدا ہوگئے، لیکن اس کے خلاف معترضین کی بھی کمی نہیں تھی، جن کا خیال تھا کہ اس کتاب میں انتہائی آزاد خیالی برتی گئی ہے، لہٰذا انھوں نے ذرا سی تصحیف سے اس کا نام ضلالة (گمراہی) کردیا۔ اس کا متن و ترجمہ (Salomon Munk) نے *Guide des Égarés* کے نام سے شائع کیا ہے (۳ جلد، پیرس ۱۸۵۶-۱۸۶۶ء)۔ فلسفے پر ابن میمون کی دوسری تصنیفات میں سے ہم صرف مقالة فی صناعة المنطق (عبرانی: مِلّوث هِهِگّایون *Millóth ha-Higgāyōn*) کا ذکر کریں گے۔

ابن میمون کی تصانیف طبّ، جن میں وہ بیشتر الرازی [رک بآن]، ابن سینا [رک بآن] ابن وافد اور ابن زُہر [رک بآن] کا حوالہ دیتا ہے، بواسیر اور ضیق النّفس وغیرہ کی بحث میں ہیں۔ اس کی فصول موسٰی (حکیمانہ اقوالِ طبّ) حکمتِ طبّ بقراط (جوامع الکلم) کے نمونے پر تصنیف ہوئی، جس کی اس نے ایک شرح بھی لکھی ہے۔ وہ ایک رسالے کا بھی مصنّف ہے، جس میں یہودی تقویم کے حساب سے بحث کی گئی ہے۔

یہودی ادب کے سلسلے میں اس نے جو مکمّل اور مفید کام کیا یہاں اس کے متعلّق سرسری اشارہ ہی ممکن ہے اور ہم اس کی تین تصنیفات کا ذکر کرسکتے ہیں: (۱) مِشْنہ کی شرح، جو آگے چل کر سراج (چراغ) کے نام سے مشہور ہوئی۔ [مِشْنہ یہودی الٰہیات میں توریت کے بعد سب سے اہم کتاب ہے۔] (۲) کتاب الشرائع (عبرانی: سِیفرِ ہَم مِصْوُوث *Sepher ham-Miṣwōth*)، جس میں یہودی شریعت کے جملہ اوامر و نواہی سے بحث کی گئی ہے اور (۳) مِشْنہ تورہ (*Mishnēh Thōrāh*)، [یعنی توریت کا مثنّٰی] جو خاص طور سے قابلِ ذکر ہے اور جس کا دوسرا نام یَدْ هَحزاقا (*Yad ha-hazākā*) ہے۔ اسے نظم و ترتیب کے لحاظ سے ایک شاہکار کا درجہ حاصل ہے اور اس میں اس نے پہلی بار تالمودی روایت کے وسیع مواد کو موضوع کے لحاظ سے مرتّب کردیا ہے، جیسے کہ اس

سے مماثل مسلم تصانیف میں کیا جاتا ہے اور اس روایت پر بحث بھی کی ہے۔ [یدھحزاقا میں ''ید'' کا لفظ کتاب کی چودہ فصلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ حساب جُمل کے اعتبار سے ''ی'' کے عدد دس ہیں اور ''د'' کے چار۔ اس کتاب میں ابن میمون نے کسی مسلے کے متعلّق مصادر اور اسناد کا ذکر کیے بغیر مختلف روایات جمع کردی ہیں اور عقل وفہم کو ترجیح دے کر اپنی معین راے کا اظہار کیا ہے۔ ان کے علاوہ ابن میمون کے بعض خطوط بھی ہیں۔ ان میں سے دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن کا نام ہے اگروث ھشماذ(*Igroth Hashmad*)].

ابن القِفطی اور ابن ابی اُصَیبِعَہ کہتے ہیں کہ ابن میمون نے جبر وتشدّد سے بچنے کے لیے اندلس ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ عوام کے سامنے تو مسلمان ہونے کا دعوٰی کرتا تھا لیکن در پردہ یہودی ہی رہا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مدّت بعد مصر میں کسی شخص نے، جس کا نام ابوالعرب بن مَعِیشَہ تھا، اس پر الزام لگایا کہ اسلام سے مرتد ہوکر اس نے پھر یہودی مذہب اختیار کرلیا ہے، لیکن اس کے مقتدر سر پرست القاضی الفاضل نے کہا کہ اگر کسی شخص کو جبرًا مسلمان بنا لیا جائے تو وہ واقعی مسلمان نہیں ہوجاتا اور یوں اس کی جان بچا لی۔ ابن القِفطی اور ابن ابی اُصَیبِعَہ کے بیانات تاریخی صحت سے معرّا ہیں اور مؤخّر الذّکر کو تو، جیسا کہ اس کے الفاظ ''وَقِیلَ'' [= اور کہا جاتا ہے] سے ظاہر ہوتا ہے، خود بھی اس روایت کی صحت پر پورا وثوق نہیں ہے.

مآخذ: [(۱) عیون الانباء، ۲: ۱۱۷؛ (۲) اخبار الحکماء، ص ۲۰۹؛ (۳) مُعْلمة الاسلام، ۲: ۴۲۴؛] (۴) *The Jewish Encyclopaedia*، ۹: ۷۳ - ۸۶ اور وہ تصنیفات جو ص ۸۲ و ۸۶ پر مذکور ہیں؛ (۵) *Moses ben Maimon. Sein Leben, Seine Werke und sein Einfluss...*، طبع Bacher، Brann، Simonsen و Guttmann، ج ۱، لائپزگ ۱۹۰۸ء و ج ۲، ۱۹۱۴ء؛ (۶) Steinschneider: *Die arabische Litteratur der Judan*، فرانکفورٹ a/M. ۱۹۰۲ء، ص ۱۹۹ - ۲۲۱ (ابن میمون کی تصانیف کی مکمّل فہرست بشمول مخطوطات، اصل تصانیف اور ان کے ترجموں کے مطبوعہ نسخوں کے)؛ ابن میمون کے مزعومہ قبولِ اسلام کے بارے میں: (۷) Lebrecht، در *Magazin für die Litteratur des Auslandes*، ۱۸۴۴ء، شمارہ ۶۲؛ (۸) مرجلیوث (Margoliouth): *The Legend of Apostasy of Maimonides*، در *Jew. Quart. Review*، ۱۹۰۱ء، ۱۳: ۵۳۹ - ۵۴۱؛ (۹) Berliner: *Zur Ehrenrettung des Maimonides*، در *Isr. Monatsschr., wiss-ensch. Beilage z. Jüd. Presse*، ۱۱ جولائی ۱۹۰۱ء (قب حوالہ جات، جو اس میں مذکور ہیں)؛ [(۱۰) براکلمان: تکملہ، ۱: ۸۹۳ و ۲: ۱۰۳۱].

(E. MITTWOCH مِتْوُخ)

----

* **ابن نُباتہ**: دو عربی مصنّفوں کا نام:-

(۱) [ابن نُباتہ، الخطیب: ابویحیٰی] عبدالرّحیم ابن محمد بن اسمٰعیل الحُذاقی الفارُوقی، ۳۳۵ھ/ ۹۴۶ء میں میّافارقین میں پیدا ہوا، حلب میں سیف الدّولہ کے دربار میں واعظ کی حیثیت سے رہا اور ۳۷۴ھ/ ۹۸۴ء میں اپنے وطن میں فوت ہوا۔ اس کے خطبوں میں، جو بالعموم مختصر اور مقفّٰی و رنگین عبارت میں ہوتے تھے، مذہبی اور اخلاقی مسائل پر بحث کرتے ہوئے سہ گانہ ترتیب [اَحْمَدُہُ، اَیُّھَاالنَّاسُ، الحدیث] کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اور ان میں بالعموم ہم زمانہ حوادث کا حوالہ بھی ہوتا تھا۔ ان خطبوں کو اس کے بیٹے ابو طاہر محمد (۳۹۰ھ/ ۹۹۹ء) اور اس کے پوتے ابوالفرج طاہر (م تقریبًا ۴۲۰ھ/ ۱۰۲۹ء) کے خطبوں کے ساتھ ۶۲۹ھ/ ۱۲۳۳ء میں جمع کیا گیا اور قاہرہ میں ۱۲۸۶ھ، ۱۲۹۲ھ، ۱۳۰۲ھ، ۱۳۰۴ھ، [۱۳۰۸ھ،] ۱۳۰۹ھ، [۱۳۱۰ھ]، اور بیروت میں ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوے۔ [سیف الدولہ کے دربار میں اس کی ملاقات المتنبّی سے ہوئی تھی].

(۲) [ابن نَباتہ المصری:] مقدّم الذّکر کا خلف، جمال الدّین یا شہاب الدّین ابوبکر [وابوعبداللہ وابوالفتح وابوالفضائل] محمد بن محمد بن محمد بن الحسن القُرشی الاُموی، ربیع الاوّل ۶۸۶ھ/ اپریل ۱۲۸۷ء میں میّافارقین [اور بقول سرکیس قاہرہ] میں پیدا ہوا اور ۷۱۶ھ/ ۱۳۱۶ء کے بعد سے دمشق میں رہا، جہاں سے وہ اکثر حماۃ جا کر فاضل ایوّبی شہزادہ ابو الفداء سے ملاقات کرتا رہتا تھا۔ ربیع الاوّل ۷۶۱ھ/ جنوری۔ فروری ۱۳۶۰ء میں وہ سلطان الناصر حسن کا کاتب ہوکر قاہرہ چلا گیا اور وہیں صفر ۷۶۸ھ/ اکتوبر ۱۳۶۶ء میں اس نے وفات پائی۔ بحیثیت شاعر کے اس نے مدحیّہ قصائد کے علاوہ قطعات (موشّحات) بھی لکھے ہیں، جنھیں سفر نامۂ ابن بطوطہ (طبع پیرس، ۱: ۴۱، س ۱۷) میں ابن جُزَیّ نے بہت سراہا ہے۔ اس کا دیوان، جس کے متعدد نسخے ہیں (قب Rieu: *Suppl. to the Cat. of the Arab. Mss. in the Brit. Mus.*، عدد ۱۰۸۶)، اسکندریہ میں طبع ہوا، غیر مؤرّخ؛ [مطبع وطنیہ ۱۲۸۸ھ؛] نیز قاہرہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء؛ [الدیوان الصغیر، جس کا دوسرا نام المؤیدات بھی ہے، مطبع کاستلیہ ۱۲۸۹ھ، بیروت ۱۳۰۴ھ، مصر ۱۳۲۳ھ]۔ اس کی منظومات اور خطبات کی دیگر کتابوں کا ذکر براکلمان نے ۲: ۱۱ پر کیا ہے، جہاں شمارہ ۱۳ کو نکال کر اس کی جگہ زھر المنثور کا اضافہ کرنا چاہیے، جو فن مراسلت کے بارے میں ہے، برٹش میوزیم، Or. ۵۶۵۶، دیکھیے *Descriptive List*, etc.، ص ۶۴۔ [اس کی ایک کتاب سرح العیون شرح رسالة ابن زیدون بھی چھپ چکی ہے، بولاق ۱۲۷۸ھ، الاسکندریہ ۱۲۹۰ھ، مصر ۱۳۲۱ھ، استانبول ۱۲۷۵ھ۔ اس کتاب میں جاہلیہ اور صدر اسلام کے ان اہم شعرا کا تذکرہ ہے جن کا ذکر رسالۂ ابن زیدون میں ہے].

مآخذ: السُّبکی: طبقات الشافعیة، ۶: ۳۱؛ (۲) السُّیوطی: حسن المحاضرة، ۱: ۳۲۹؛ [(۳) ابن خلّکان، ۳۴۶؛ (۴) ابن حجر: الدرر الکامنة، ۴: ۲۱۶ ببعد؛ (۵) شذرات الذهب، ۳: ۸۳؛ (۶) زکی مبارک: النثر الفنی، ۲: ۱۵۹ ببعد؛] (۷)

Orientalia، ۲: ۴۱۹؛ (۸) Wüstenfeld: Geschichtschreiber، ص ۴۳۰؛ (۹) M. Hartmann: موشّح، ص ۴۲؛ [(۱۰) براکلمان، ۱: ۹۲ و تکملة، ۱: ۱۴۹)].

(براکلمان C. BROCKELMANN)

----

* **ابن نُجَیم**: زین العابدین [یا زین الدّین] بن ابراہیم [بن محمد] بن نُجَیم المصری، دسویں/ سولھویں صدی کا ایک ممتاز حنفی عالم، جس کی فقہِ اسلامی پر تصانیف مشرق میں مشہور اور مقبول عوام ہیں۔ اس نے ۹۷۰ھ/ ۱۵۶۲ء میں وفات پائی۔ [اس کے اساتذہ میں مشرف الدّین البُلقینی کا نام بھی ملتا ہے۔ تصوف کی تعلیم اس نے سلیمان الخضیری سے حاصل کی۔ عبدالوہاب الشعرانی بھی دس سال تک اس کے ساتھ رہے۔] اس کی تصانیف میں سے ہم صرف ان اہم کتابوں کا ذکر کر سکتے ہیں: (۱) الاشباه والنظائر الفقهیة علی مذهب الحنفیة، جو [۱۲۴۱ھ/] ۱۸۲۶ء میں کلکتے میں چھپی؛ (۲) البدر [یا البحر] الرائق، النَّسفی کی مشہور کتاب کنز الدقائق کی شرح، جو ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء میں قاہرہ میں آٹھ جلدوں میں چھپی؛ [ان میں سے سات جلدیں اس کی اپنی تالیف ہیں اور آٹھویں جلد الطوری کا تکملہ ہے]؛ (۳) الفتاوی الزَّینِیّة فی فقه الحنفیة، یہ ان فتاوی کا مجموعہ ہے جنھیں اس کے بیٹے احمد نے اس کی وفات کے بعد جمع کیا تھا (قب W. Pertsch: *Die Arabischen Hss. zu Gotha*، ۲: ۳۵۱ ببعد)، [مصر ۱۳۲۲ھ؛ (۴) الرسائل الزَّینِیّة بھی، جو اکتالیس رسائل پر مشتمل ہے، طبع ہو چکی ہے، سرکیس] نیز دیکھیے براکلمان (C. Brockelmann)، ۲: ۳۱۰ ببعد.

[**مآخذ**: (۱) ابن العماد: شذرات الذهب، ۸: ۳۵۸؛ (۲) الفوائد البهیة، ص ۱۳۴؛ (۳) الخطط الجدیدة، ۵: ۱۷؛ (۴) براکلمان: تکملہ، ۲: ۴۲۵؛ (۵) الخزانة التیموریة، ۳: ۳۰۱].

(جوئنبول Th. W. JUYNBOLL)

----

* **ابن النَّفِیس**: علاء الدّین ابو العلاء علی بن ابی الحَزْم القَرَشی الدِّمشقی (''الحَرَم'' اور ''القُرَشی'' غلط قراءتیں ہیں)، ساتویں صدی ہجری/ تیرھویں صدی عیسوی کا ایک عرب طبیب۔ اس کی تاریخ رحلت کے سوا اس کی زندگی کے بہت کم واقعات قیدِ تحریر میں آئے ہیں، کیونکہ ابن ابی اُصَیبِعہ، ابن النّفیس کا ہم عصر ہونے کے باوجود اپنی تصنیف تاریخ الاطباء میں اس کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ ابن النّفیس ۶۰۷ھ/ ۱۲۱۰ء کے لگ بھگ دمشق میں پیدا ہوا اور وہیں اس شفاخانے میں، جس کی بنیاد نور الدّین بن زنگی [رک بآں] نے چھٹی صدی ہجری/ بارھویں صدی عیسوی میں رکھی تھی (''البیمارستان النُّوری'')، طبّ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کا سب سے پہلا اُستاد مہذّب الدّین عبدالرحیم بن علی المعروف بہ ''دِخوار'' (م ۶۲۸ھ/ ۱۲۳۰ء) تھا، جو ابن التّلمیذ کے مدرسے کا فارغ التحصیل تھا۔ یہ مدرسہ بغداد سے شام میں منتقل کیا گیا تھا اور بہت سے طلّاب اس میں تعلیم و تربیت حاصل کر چکے تھے۔ طبّ کے علاوہ ابن النّفیس نے صرف و نحو، منطق اور اصول فقہ کا مطالعہ بھی کیا تھا، چنانچہ فقہِ شافعی میں اسے ایک مستند عالم کا مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔ کچھ عرصے بعد وہ قاہرہ چلا گیا، جہاں اُسے ''رئیس اطبّاءِ مصر'' کا عہدہ دیا گیا۔ غالبًا وہاں اس نے ناصری شفاخانے میں کام کیا اور متعدّد تلامذہ کو تربیت دی۔ ان تلامذہ میں سے معروف ترین ابن القُفّ تھا، جس نے فنِ جراحی پر ایک کتاب لکھی ہے [رک بہ الجرّاح]۔ قاہرہ کے مدرسۂ مَسرُوریّہ میں وہ فقہ بھی پڑھاتا رہا۔ وہ عربی زبان کا بھی ممتاز عالم تھا اور اس کا ہم عصر بہاء الدّین محمد بن النحّاس اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس کا انتقال قاہرہ میں تقریبًا اسّی سال (قمری) کی عمر میں ۲۰ ذوالقعدہ ۶۸۷ھ/ ۱۶ دسمبر ۱۲۸۸ء کو ہوا اور مرنے سے پہلے اُس نے اپنا مکان اور کتب خانہ شفاخانۂ منصوریہ کے نام وصیت کر دیا، جسے سلطان قلاؤن نے بنایا تھا اور جس کی تکمیل ابھی حال یعنی ۶۸۳ھ/ ۱۲۸۴ء میں ہوئی تھی۔

ابن النّفیس کی ادبی کارگزاری نہایت اہم تھی۔ وہ زیادہ تر شرح نگار، لیکن ایک آزاد خیال اور وسیع العلم شرح نگار، تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تصانیف میں سے بیشتر طبع زاد تھیں اور ان کی تیاری میں اس نے کتابوں سے کوئی مدد نہیں لی تھی۔ اس کی سب سے بڑی طبّی تصنیف الکتاب الشامل فی الطب، جس کی ۳۰۰ جلدیں ہوتیں، نامکمل رہ گئی اور اس کا کوئی حصّہ بھی باقی نہیں؛ [لیکن الزرکلی نے لکھا ہے کہ اس کا ایک ضخیم مخطوطہ دمشق میں موجود ہے، الاعلام، طبع دوم، ۵: ۷۸]۔ امراضِ چشم کی بابت ایک نہایت قابلِ قدر تصنیف کتاب المهذّب فی الکُحل ویٹیکن (Vatican) میں موجود ہے (Arabo، عدد ۳۰۷)۔ اس کی تصانیف میں سب سے زیادہ متداول موجز القانون ہے، یعنی قانونِ ابن سینا [رک بآں] کا وہ نسخہ جسے عملی مقاصد کے لیے مختصر کر دیا گیا ہے (پہلی بار ۱۸۲۸ء میں طبع ہوا)۔ صدیوں تک اس پر بے شمار شرحیں اور شرحوں کی شرحیں لکھی جاتی رہیں (دیکھیے سارٹن (Sarton)، بذیلِ مآخذ)۔ ان شرحوں کو بھی زمانۂ حال تک اطبّاے ہند بڑے ذوق و شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ ابن النّفیس کی لکھی ہوئی شرحوں میں سے سب سے پہلے اس کی شرح فصول اَبُقراط کا ذکر ہونا چاہیے، جسے مشرق میں قبولِ عام نصیب ہے اور جس کی اشاعت مخطوطات کی شکل میں وسیع پیمانے پر ہوتی رہی ہے۔ یہ کتاب ایران میں ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء میں طبع ہوئی۔ بُقراط کی تصنیف *Epidemics* (امراضِ وبائیہ) کی ایک شرح استانبول میں موجود ہے (آیا صوفیا، شمارہ ۳۶۴۲ الف)۔ ابن سینا کے قانون کی ضخیم شرحوں کا ایک پورا سلسلہ محفوظ ہے (زیادہ تر برٹش میوزیم میں)۔ حُنین بن اسحٰق [رک بآں] کی تصنیف مسائل فی الطب کی ایک شرح لائڈن کے مخطوطے، عدد ۱۲۹۶ میں موجود ہے۔ ابن النّفیس کی دینی تصانیف میں سے رسول اللہ ﷺ کی ایک سیرت (الرسالة الکاملِیّة فی السیرة النبویة) کتب خانۂ قاہرہ میں باقی ہے اور اسی

طرح اُصولِ حدیث پر ایک تصنیف مختصر علمِ اصول الحدیث بھی۔ ایک دینی رسالہ بنام فاضل ابن ناطق، جو ابن سینا کی تصنیف حیّ بن یقظان کا ردّ ہے، استانبول میں محفوظ ہے (یہ اطلاع ہمیں رِٹّر H. Ritter نے دی ہے)۔ فقہ میں ابن نفیس نے شیرازی [رکّ بآن] کی تنبیہ کی شرح لکھی تھی۔ یہ تصنیف باقی نہیں رہی۔ کہتے ہیں کہ فلسفے میں ابن النّفیس نے ابن سینا کی اشارات کی اور ہدایۃ فی الحکمۃ کی شرحیں لکھی تھیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی ہم تک نہیں پہنچی۔

ابھی حال میں ایک نوجوان عربی طبیب [امین اسعد خیر اللہ] نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ابن النّفیس نے اپنی شرح تشریح ابن سینا میں (جو صرف مخطوطات کی شکل میں موجود ہے) ابن سینا اور جالینوس کے نمایاں طور پر برعکس پھیپھڑوں میں دورانِ خون کی کیفیت اس کے مغربی دریافت کنندگان Miguel Serveto (م ۱۵۵۶ء) اور Realdo Colombo (م ۱۵۵۹ء) سے اندازًا تین سو سال پیشتر تقریبًا صحیح طور پر بیان کر دی تھی؛ مگر ابن النّفیس کے اس اکتشاف کا علم یورپ کو نہ ہو سکا، کیونکہ بظاہر اس کی صرف ایک شرح کا ترجمہ لاطینی میں ہوا تھا۔ [سارٹن (George Sarton) نے کتاب الشرق الاوسط (ص ۴۹) میں لکھا ہے کہ شاخت (Joseph Schacht) کتاب فاضل بن ناطق کی طباعت تیار کر رہا ہے اور اس کے اختصار کا انگریزی میں ترجمہ بھی کر رہا ہے]۔

مآخذ: (۱) الذہبی: تأریخ الاسلام (مخطوطۂ قاہرہ، تاریخ، عدد ۴۲، جلد ۲۲)؛ [(۲) وہی مصنّف: دول الاسلام، ۲: ۱۴۵؛ (۳) ابن الوردی: تأریخ، ۲: ۲۳۴؛ (۴) النجوم الزاہرۃ، ۷: ۳۷۷؛] (۵) العمری: مسالک الابصار، مخطوطۂ قاہرہ، تاریخ، عدد ۹۹، جلد ۷؛ (۶) الصّفدی: الوافی بالوفیات (مخطوطۂ موزۂ بریطانیہ، Or.۶۵۸۷، ورق ۲۰ب-۲۱ب)؛ (۷) السُّبکی: طبقات الشافعیۃ، قاہرہ ۱۳۲۴ھ، ۵: ۱۲۹؛ [(۸) ابن العماد: شذرات الذہب، ۵: ۴۰۱؛ (۹) مفتاح السعادۃ، ۱: ۲۶۹؛ (۱۰) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، عمود ۱۰۲۴؛ (۱۱) احمد عیسٰی: معجم الاطباء، ص ۴۹۲ بعد؛ (۱۲) ہدیۃ العارفین، ۱: ۷۱۴؛ (۱۳) الفہرس التمہیدی، ص ۵۳۰؛ (۱۴) امین اسعد خیر اللہ: الطب العربی؛] (۱۵) وسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Gesch. d. arab. Ärzte und Naturforscher*، گوٹنگن (Göttingen) ۱۸۴۰ء، ص ۱۴۶؛ (۱۶) L. Leclerc: *Hist. de la médec. arabe*، پیرس ۱۸۷۶ء، ۲: ۲۰۷-۲۰۹؛ (۱۷) براکلمان (Brockelmann)؛ ۱: ۴۹۳؛ (۱۸) سارٹن (Sarton): *Introduction to the History of Science*، بالٹی مور ۱۹۳۱ء، ۲: ۱۰۹۹-۱۱۰۱ (خاصی مفصل فہرست مآخذ)؛ (۱۹) محی الدّین التّطوی: *Der Lungenkreislauf nach el-Koraschi*، فرائی بورگ (Freiborg)، ج ۱، حصّہ ب (مقالات) (صرف پانچ قلمی نسخے تیار کیے گئے)؛ (۲۰) M. Meyerhof: *Ibn an-Nafis und Seine theorie des Lungenkreislaufs*، در *Quellen und Studien Z. Gesch. d. Naturaw. u. d. Med.*، برلن ۱۹۳۳ء، ۴: ۳۷-۸۸؛ (۲۱) وہی مصنّف: *Ibn al-Nafis and his Theory of the Lesser Circulation*، در *Isis*، ج ۲۲، Brügge ۱۹۳۵ء۔

(MAX MEYERHOF)

---

* **ابن واصِل:** جمال الدّین ابوعبداللہ محمد بن سالم [بن نصر اللہ بن سالم الحَموی]، ایک عرب مؤرخ، جو ۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء میں پیدا ہوا۔ وہ پہلے حماۃ میں مُدرّس تھا، پھر ۶۵۹ھ/۱۲۶۱ء میں اسے قاہرہ بلایا گیا اور بیبرس نے اُسے بادشاہ مَنفرِد (Manfred) کے پاس صقلیہ میں سفیر بنا کر بھیج دیا۔ اس نے وہاں خاصی مدت گزاری اور مبادیِ علمِ منطق پر ایک رسالہ تالیف کیا، جس کا نام *al-Emperuriya* ہے اور جسے مشرق میں نُخبۃُ الفِکر فی المَنْطِق کہا جاتا ہے۔ واپسی پر وہ حماۃ کا قاضی القضاۃ اور مدرس مقرر ہوا، جہاں اُس نے ۶۹۷ھ/۱۲۹۸ء میں وفات پائی۔ وہ ایوّبی خاندان کی ایک تاریخ، بعنوان مفرّج الکروب فی اخبار بنی ایوب [جس کی ایک جلد چھپ چکی ہے،] نیز ایک تاریخ عالم بنام التاریخ الصالحی کا مصنّف ہے (جلد اوّل ابتدائے آفرینش سے لے کر حسن[رض] کی وفات تک، برٹش میوزیم میں موجود ہے، دیکھیے *Descr. List of Arabic MS. acquired since 1894*، ص ۳۳، Or.۶۶۵۷)۔

مآخذ: براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۲۲ بعد [وتکملہ، ۱: ۵۵۵ وضمیمہ ص ۱۲۴۰]، نیز وہ مآخذ جو وہاں مذکور ہیں؛ (۲) Schack: *Poesie und Kunst der Araber in Spanien und Sizilien*، ۲: ۱۵۴۔

---

* **ابن وَحْشِیَّہ:** ابوبکر احمد (یا محمد) بن علی الکَلْدانی یا النَّبَطی جو کیمیا گری اور بعض دوسرے علومِ مخفیہ میں اپنی ان تصنیفات کے باعث معروف ہے جن کی تفصیل الفہرست میں مندرج ہے۔ الفہرست میں اس کی تاریخ ولادت مذکور نہیں، لیکن وہ غالبًا دوسری صدی ہجری کے نصف ثانی (تقریبًا ۸۰۰ء) میں پیدا ہوا تھا۔ نَبَطی کی حیثیت سے اسے عربوں سے نفرت تھی اور اس نے اپنی تحریروں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبطیوں کے آبا واجداد ایک بلند پایہ تہذیب وتمدن رکھتے تھے۔ اس کی اکثر تصنیفات بالخصوص الفلاحۃ النّبطیۃ کو قدیم بابلی مآخذ کا ترجمہ بتایا جاتا تھا۔ اس بیان کی صحت کی Chwolsohn نے تائید کی ہے (دیکھیے *Über die Überreste der altbabylonischen Litteratur in arab. Übersetzungen*، در *Mémoires Publ. par l'Acad. Impér.*، ص ۸)، لیکن گوٹ شمٹ (von Gutschmid) اور نولدیکہ (Nöldeke) نے *ZDMG*، ۱۵: i بعد اور ۲۹: ۴۴۵ بعد میں اسے بڑے معقول دلائل کی بنا پر رد کر دیا ہے۔ ایک ایسی ہی جعلی چیز اس کی وہ تصنیف ہے جو قدیم حروف ہجا سے متعلّق ہے [شوق المستہام فی معرفۃ رموز الاقلام] اور جس کا انکشاف سب سے پہلے فان ہامر (v. Hammer) نے کیا، دیکھیے

Ancient alphabets and hieroglyphic characters explained, with an account of the Egyptian priests, their classes, initiation and sacrifices in the Arabic language by A.B. Abu Bakr. b. Wahschih، لنڈن ۱۸۱۰ء، قبّ دساسی (de Sacy) کا وہ بیان جو اس نے عبداللطیف [رک بآں] کی تصنیف کے اپنے ایڈیشن میں دیا ہے، ص ۵۳۶ بعد .

مآخذ: (۱) الفہرست، خصوصًا ص ۳۱۱ بعد، ۳۵۸؛ (۲) Chwolsohn: *Die Ssabier*، ۱: ۷۱۰، ۸۲۳ و ۲: ۷۰۵ بعد؛ (۳) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۲۴۲ بعد [و تکملہ، ۱: ۴۳۰]؛ (۴) گولٹ تسیہر (Goldziher): *Muh. Studien*، ۱: ۱۵۸، اور وہ تصانیف جو متن مادّہ میں مذکور ہیں؛ [(۵) بطرس البُستانی: دائرۃ المعارف، ۱: ۷۳۸].

----

* **ابن الوَردی:** (۱) زین الدّین ابوحَفص عُمر بن المُظفّر بن عمر بن [محمد بن (الدرر الکامنۃ)] ابی الفوارس محمد الوَردی القُرَشی البکری الشافعی، لُغوی، فقیہ، ادیب اور شاعر، جو ۶۸۹ھ/ ۱۲۹۰ء میں مَعَرّۃ النُّعمان میں پیدا ہوا اور ۲۷ ذوالحجہ ۷۴۹ھ/ ۱۸ مارچ ۱۳۴۹ء کو بعارضۂ طاعون حلب میں فوت ہوا [ابن البارزی وغیرہ نے اس کے مرثیے کہے].

اس نے مَعَرّۃ النعمان، حماۃ، دمشق اور حلب میں تعلیم پائی اور ابھی وہ نوجوان ہی تھا کہ کچھ عرصے کے لیے قاضی محمد بن النقیب (م ۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴-۱۳۴۵ء) کا نائب مقرر ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خواب کی بنا پر اس نے اس عہدے کو ترک کرکے اپنے آپ کو علمی کاموں کے لیے وقف کر دیا.

اس نے مندرجۂ ذیل تصانیف چھوڑیں:-

(۱) دیوان، جس میں اشعار، مقامات، رسائل، خطبات، نظمیں اور طاعون پر ایک خط ہے، قسطنطینیہ ۱۳۰۰ھ (مجموعۃ الجوائب میں)؛ (۲) لامیّۃ یا وَصِیۃ یا نصیحۃ الاِخوان و مُرشِدَۃ الخُلّان، بحرِ رمل کے ۷۷ اشعار کی ایک اخلاقی نظم، قاہرہ ۱۳۰۱ھ (مع شرح از مسعود بن حسن القُناوِی) در C. J. David: تنزیہ الالباب وغیرہ، موصل ۱۸۶۳ء، اور الشِرْوانی: نفحۃ الیمن، فرانسیسی ترجمے: (الف) *Lamiat El Ouardi,* Poéme arabe par Amor(sic) b. El Ouardi, trad. d'Isaac Cattan، در *Revue Tunisienne, de l' Inst. de Carthage*، تونس ۱۹۰۰ء؛ (ب) *La Moallaka de Zohair suivie de la Lamiyya d' Ibn al-Wardi,* etc. متن مع اعراب، عربی شرح اور لفظی ترجمہ، از A. Raux، الجزائر ۱۹۰۵ء؛ [مرزوق الرشیدی نے اس کی تخمیس کی، مصر ۱۳۱۰ھ]؛ (۳) تحریر الخَصاصۃ فی تَیْسِیر الخُلاصۃ: الفیۃ ابن مالک نثر کی شکل میں، کتب خانۂ خدیویہ، فہرست، ۴: ۹۶؛ (۴) التحفۃ [النفحۃ (کشف الظنون)] الوَرْدِیّۃ فی مُشکِلات الاعراب، بحرِ رجز میں ۱۵۳ اشعار پر مشتمل ایک نظم، جس میں نحوی مشکلات کی تشریح کی گئی ہے، طبع R. Abicht برسلا (Breslau)، ۱۸۹۱ء، (مقالہ) [اس کے ساتھ لاطینی میں اس کی شرح بھی ہے]؛ (۵) شرح التُحفۃ الوَرْدِیّۃ، برلن، فہرست، ص ۶۷۰۳-۶۷۰۴؛ (۶) البَہْجَۃ الوردیۃ، [عبدالغفار] القزوینی کے شافعی فقہ پر ایک رسالہ بنام الحاوی الصّغیر کی منظوم شکل (۵ ہزار رجز کے شعروں میں)، مطبوعہ (فہرست الحلبی، ۱۳۳۰ھ) [چاپ سنگی مصر ۱۳۱۱ھ]؛ (۷) تتمۃ المُختَصر فی اخبار البشر، تأریخ ابو الفداء کا خلاصہ، جسے ۷۴۹ھ تک جاری رکھا گیا ہے، مطبوعہ قاہرہ ۱۲۸۵ھ [اس کے آخر میں اہم تاریخی وقائع کی جدول ہے، جو مصنّف کی وفات کے بعد سے ۱۲۷۵ھ تک کے حالات سے تعلّق رکھتی ہے، صرف تتمۃ ابوالفداء کی تاریخ کے ساتھ استانبول ۱۲۸۶ھ میں طبع ہوا]؛ (۸) المسائل المُذہَبَۃ فی المسائل المُلَقَّبۃ، ۱۷ رجزیہ اشعار میں مسئلۂ وراثت پر ایک نظم، برلن، عدد ۴۱۷۳؛ کتب خانۂ خدیویہ، فہرست، ۳: ۳۱۶؛ (۹) الشِہاب الثّاقب والعذاب الواقِف، ایک صوفیانہ کتاب قسطنطینیہ، آیا صوفیا، عدد ۱۹۴۳؛ (۱۰) الالفیۃ الوردیۃ، ایک رجزیہ نظم، جس میں تعبیر خواب پر بحث کی گئی ہے، [بولاق ۱۲۸۵ھ] قاہرہ میں کئی بار شائع ہوئی.- [اس کی حسبِ ذیل کتابیں بھی طبع ہو چکی ہیں: (۱۱) احوال القیامۃ، برسلا ۱۸۵۳ء؛ (۱۲) خریدۃ العجائب و فریدۃ الغرائب کا ایک حصّہ ذکر البلدان والاقطار کے نام سے، طبع A. Hylander، مع لاطینی ترجمہ، لوند ۱۲۸۴ھ، چاپ سنگی، مصر ۱۲۹۸ھ؛ (۱۳) مقامات، استانبول ۱۳۰۰ھ؛ (۱۴) الملقبات الوردیۃ، مذاہبِ اربعہ کے فرائض سے متعلّق: اس کا مخطوطہ دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے اور اس کی شرح عبداللہ الشنشوری نے الفوائد المرضیۃ فی المُلَقّبات الوِردیۃ کے نام سے کی ہے].

مآخذ: (۱) ابن شاکر: فوات الوفیات، بولاق ۱۲۹۹ھ، ۲: ۱۱۶؛ (۲) السُّبکی، طبقات الشافعیۃ، قاہرہ ۱۳۲۴ھ، ۶: ۲۴۳؛ (۳) السُّیوطی: بُغیَۃ الوُعاۃ، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۳۶۵؛ (۴) ابن ایاس: بدائع الزہور فی وقائع الدُہور، بولاق ۱۳۱۱ھ، ۱: ۱۹۸؛ (۵) ابن الآلُوسی: جَلاءُ العینین فی مُحاکَمۃ الاَحمدَین، بولاق ۱۲۹۸ھ، ص ۲۴؛ (۶) الشوکانی: البدر الطالع، ۱: ۵۱۴ بعد؛ (۷) ابن حجر: الدرر الکامنۃ، ۳: ۱۹۵؛ (۸) الطّباخ: اعلام النبلاء، ۵: ۳؛ (۹) ابن العماد: شذرات الذہب، ۶: ۱۶۱؛ (۱۰) بطرس البستانی: دائرۃ المعارف، ۱: ۷۳۸؛] (۱۱) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Die Geschichtschreiber der Araber*، ص ۱۷۵، عدد ۴۱۲؛ (۱۲) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۱۴۰ بعد [و تکملہ، ۲: ۱۷۴]؛ (۱۳) Huart: *A Hist. of Arabic Lit.*، ص ۳۴۲.

(محمد بن شنب MOH. BEN CHENEB)

----

* **ابن الوَردی:** (۲) سراج الدّین ابوحفص عُمر، ایک شافعی عالم، جس نے

ذوالقعدہ ۸۶۱ھ/ستمبر۔اکتوبر ۱۴۵۷ء میں وفات پائی۔ وہ خریدة العجائب و فریدة الغرائب کا مصنّف ہے، جو ایک طرح کی جغرافیے اور تاریخِ فطرت (natural history) کی کتاب ہے، جس کی کوئی علمی وقعت نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ان مآخذ کے جن کا ذکر دیباچے میں کیا گیا ہے (المسعودی، الطُّوسی، ابن الأثیر، المرّاکشی) یہ خریدة نجم الدّین احمد بن حَمْدان بن شبیب الحَرّانی الحَنْبلی (جو ۷۳۲ھ/ ۱۳۳۲ء میں مصر میں رہتا تھا) کی جامع الفُنُون وسَلْوة المَحْزُون کا محض سرقہ ہے۔ مستشرقین نے یا تو اس کے بعض حصّوں کا ترجمہ کیا ہے یا اس کے اقتباسات مع ترجمے کے نقل کیے ہیں، مثلاً De Gurgnes، Hylander، Tornberg، Mehren وغیرہ۔ خریدة قاہرہ میں ۱۲۷۶ھ، ۱۲۸۰ھ، ۱۲۸۹ھ، ۱۲۹۲ھ، ۱۳۰۰ھ، ۱۳۰۲ھ، ۱۳۰۳ھ، ۱۳۰۹ھ، میں شائع ہوئی۔ [بعض لوگوں نے اس کتاب کو مقدم الذکر ابن الوردی کی تالیف بتایا ہے، دیکھیے سرکیس: معجم المطبوعات، عمود ۲۸۴، جو غالبًا درست نہیں].

مآخذ: (۱) ابن ایاس: بَدائعِ الزُهُوْر فی وَقائعِ الدُّھُور، بولاق ۱۳۱۱ھ، ۲: ۶۰؛ (۲) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۱۳۱ ببعد [و تکملہ، ۲: ۱۶۲].

(محمد بن شنب MOH. BEN CHENEB)

----

* **ابن ہانیٔ:** ابوالقاسم (نیز ابوالحسن) محمد بن ہانیٔ بن محمد بن سَعْدُون الأزْدی، جو عام طور پر ابن ہانیٔ الاندلسی کہلاتا ہے، تاکہ اسے [ابونواس] ابن ہانیٔ الحَکَمی سے ممیز کیا جاسکے [رکّ بہ مادّۂ ابونواس]، اندلس کا ایک عرب شاعر۔ اس کا باپ ہانیٔ تونس میں المہدیہ کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا تھا، جو بعد ازاں اندلس کے شہر البِیْرہ (Elvira) میں جا بسا، یا بروایت دیگر اس نے قرطبہ [اشبیلیہ] میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ابن ہانیٔ انھیں دو شہروں میں سے کسی ایک میں پیدا ہوا۔ اس نے قرطبہ میں تعلیم حاصل کی اور بعد ازاں البیرہ اور اشبیلیہ کا رخ کیا۔ اشبیلیہ میں اپنی غیر سنجیدہ طرزِ زندگی اور بیباک کلامی سے اس نے عوام کے غیظ وغضب کو مشتعل کردیا، جنھوں نے اس پر یونانی فلسفیوں کا ہم نوا اور ملحد ہونے کا الزام لگایا اور آخر کار ستائیس سال کی عمر میں اس کے مُربّی نے اسے اشبیلیہ سے نکال دیا، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ لوگ اسے بھی اس کا ہم خیال سمجھنے لگیں گے۔ اس کے بعد وہ افریقہ میں المنصور فاطمی کے مولی اور سپہ سالار جوہر کے پاس چلا گیا۔ جب شاعر کو جوہر کی مدح میں ایک قصیدہ کہنے پر صرف دو سو دینار ملے تو وہ الجزائر (Algiers) میں المَسِیلہ (al-Masila) کو چل دیا، جہاں اس کے ہم وطن جعفر بن علی بن فلاح بن ابی مروان اور یحیٰی بن علی بن حمدون الاندلسی حکمران تھے، جو اس سے بڑی عزت واحترام سے پیش آئے؛ چنانچہ شاعر نے ان کی مدح میں چند یادگار قصیدے کہے۔ فاطمی خلیفہ المُعِزّ ابوتمیم مَعَدّ بن اسمٰعیل نے، جو المنصور کا بیٹا تھا، شاعر کو اپنے پاس بلا کر اسے اپنے دربار سے وابستہ کرلیا اور انعام واکرام سے گراں بار کیا۔ جب ۳۶۱ھ/۹۷۲ء میں المُعِزّ قاہرہ میں سکونت اختیار کرنے کی غرض سے مصر گیا تو ابن ہانیٔ اس سے رخصت ہو کر اپنے اہل وعیال کو لانے کے لیے واپس المغرب چلا گیا، لیکن راستے میں بن غازی (Cyrenaica) میں برقہ کے مقام پر چہار شنبہ ۲۴ رجب ۳۶۲ھ/۳۰ اپریل ۹۷۳ء کو بعمر ۳۶ سال قتل کردیا گیا۔ اس قتل سے متعلّق بیانات میں اختلاف ہے۔ جب المعزّ کو مصر میں شاعر کے قتل کی خبر پہنچی تو اس نے بڑا افسوس کیا اور کہا کہ ''وہ ایسا انسان تھا جس کی بابت ہمیں اُمید تھی کہ وہ مشرق کے شاعروں کا مدِّ مقابل بنے گا، لیکن ہماری یہ آرزو بر نہ آئی''.

باوجودیکہ شاعر نے بعض مدحیہ قصائد میں غلو سے کام لیا ہے، جس کی وجہ سے متدیّن حلقوں میں اس کے اسلام کو شک وشبہہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا، ابن ہانیٔ کو مغرب کے عربوں میں ایسی ہی شہرت حاصل تھی جیسی اس کے ہم عصر المتنبّی کو مشرق میں۔ ابوالعلاء المعرّی، جو المتنبّی کی بڑی قدر ومنزلت کرتا تھا، ابن ہانیٔ کے بارے میں کہا کرتا تھا: ''وہ ایک اناج پیسنے کی چکّی کی مانند ہے، کیونکہ اس کے اشعار میں مطالب ومعانی کم ہیں'' [ما اشبّھُہٗ الّا برحًی تطحن قرونًا لأجل القعقعة التی فی الفاظہ].

اس کا دیوان حروف تہجی کے اعتبار سے مرتّب ہو کر ۱۲۷۴ھ میں بولاق سے اور ۱۸۸۶ء اور ۱۳۲۶ھ میں بیروت سے شائع ہوا۔ اس میں المُعزّ، جعفر بن غَلْبُون، ابوالفرج محمد بن عمر الشّیبانی، جعفر ابن علی بن غَلْبُون، طاہر وحسین بن المنصور، یحیٰی ابن علی، ابراہیم بن جوہر بن کاتب کی شان میں مدحیہ قصائد، الوَہْران کے خلاف ہجویات، جعفر اور یحیٰی بن جعفر بن علی کی ماں اور ابراہیم بن جعفر بن علی کے بیٹے کی وفات پر دو مرثیے اور بہت سے فی البدیہہ قطعات شامل ہیں.

مآخذ: (۱) الضَّبّی: بُغیة الملتمس، ص ۱۳۰، عدد ۳۰۱؛ (۲) ابن الأبار: التکملة، ص ۱۰۳، عدد ۳۵۰؛ (۳) ابن الخطیب: الاحاطة، قاہرہ ۱۳۱۹ھ، ۲: ۲۱۲؛ (۴) ابن خلکان: وفیات، قاہرہ ۱۳۱۰ھ، ۲: ۴؛ (۵) الفتح ابن خاقان: مطمح الانفس، قسطنطینیہ ۱۳۰۲ھ، ص ۷۴؛ (۶) المَقّری: نفح الطیب، قاہرہ ۱۳۰۲ھ، ۲: ۳۶۴ (صرف مطمح کا بیان نقل کیا ہے)؛ (۷) ابوالفداء: تاریخ، قسطنطینیہ ۱۳۸۶ھ، ۲: ۱۱۸؛ (۸) اَمری (Amari): *Bibl. Ar. Sic.*، متن کراسہ، ۲: ص ۳۱۷؛ (۹) المَقْرِیزی: اِتّعاظ الحنفاء، یروشلم ۱۳۰۸ھ، ص ۶۲؛ (۱۰) ابن الأثیر: *Annales du Maghrib et de l'Espagne*، ترجمہ وتحشیہ از فاینان (Fagnan)، ص ۳۷۱؛ (۱۱) فاینان (Fagnan): *Hist. des Almohades d'al-Merrākechi*، ص ۹۳، ۱۸۳؛ (۱۲) von Kremer: *Über den shî'itischen Dichter Abu' lḲâsim Mohammed Ibn Hânî*، در *ZDMG*، ۲۴: ۴۸۱-۴۹۴؛ (۱۳) Pons Boigues: *Ensay bio-bibliografico*، ص ۷۴، عدد ۷۳؛ (۱۴) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۹۱ [و تکملہ، ۱: ۱۴۶]؛ (۱۵) Huart: *Arab. Lit.*، ص ۹۵؛ (۱۶) ابن شرف القیروانی: رسائل الانتقاد، دمشق ۱۳۳۰ھ، ص ۲۲؛ [(۱۷) یاقوت: ارشاد، ۷: ۱۲۶ ببعد؛ (۱۸)

الصفدی: الوافی بالوفیات، ۱: ۱۵۱ ببعد؛ (۱۹) ابن العماد: شذرات الذھب، ۳: ۴۱ ببعد؛ (۲۰) ڈوزی (Dozy)، ۱: ۳۲۷].

(MOH. BEN CHENEB محمد بن شِنِب)

---

* **ابن الہَبّاریّۃ**: [الشریف] نظام الدین ابویَعلٰی محمد بن محمد [یا علی بن صالح] ایک مشہور [ہجونویس] عرب شاعر، جو عباسی شہزادہ عیسٰی بن موسیٰ [رکّ بآن] کے اخلاف میں سے تھا، دیکھیے شجرۂ نسب، در وُسٹنفلٹ: *Tabellen*، W, ۳۵۔ اس کا نانا ہبّار نام کا ایک شخص تھا اور اس وجہ سے اس کا نام ابن الہَبّاریّہ (یعنی ہبّاری عورت کا بیٹا) مشہور ہوگیا۔ وہ [۴۱۴ھ/ ۱۰۲۳ء] میں بغداد میں پیدا ہوا اور اس نے ان مدارس میں تعلیم حاصل کی جو اسی زمانے میں قائم کیے گئے تھے، غالبًا مدرسۂ نظامیہ میں، جس کی بنیاد نظام الملک نے ۴۵۹ھ/ ۱۰۶۷ء میں رکھی تھی؛ لیکن اسے دینی مباحثات میں کوئی دلچسپی نہ تھی (قبّ ابن الاثیر، ۱۰: ۱۷، ۸۰) اس لیے اس نے اپنی جوانی دارالخلافہ کے رنگین مزاج لوگوں اور مال دار نوجوانوں کی صحبت میں قُطرَبُّل کے شراب خانوں میں گزاردی جو شہر بغداد کے مضافات میں سے تھا۔ وہ جنسی کج روی کا بھی شکار ہوگیا، جس کا اس نے اپنی نظموں میں کھلم کھلا اعتراف کیا ہے، تاہم اس کی اعلٰی شاعرانہ صلاحیتوں، اس کی ذہانت اور عربی زبان پر اس کی قدرت نے اسے مکمل تباہی سے بچالیا؛ لیکن افلاس نے اسے مجبور کیا کہ اپنے عہد کے حاکموں، یعنی بنوجہیر اور نظام الملک کی شان میں مدحیہ قصائد کہے۔ اپنے علوِّ نسب اور ہجوگوئی سے شغف کے باعث وہ اس قسم کی خوشامد اور چاپلوسی کے لیے موزوں نہ تھا؛ چنانچہ جلد ہی اپنے ان معزز سرپرستوں سے اس کا بگاڑ ہوگیا، مثلاً جب ابن جہیر اصغر ۴۸۴ھ/ ۱۰۹۱ء میں اپنے خسر نظام الملک کی مہربانی سے دوبارہ خلیفہ کا وزیر مقرّر ہوا تو ہمارے شاعر نے اس تقرر کا ایک تلخ و تند ہجو سے خیر مقدم کیا جو فورًا ازبان زدِ خلائق ہوگئی۔ اس ہجو میں اس نے خود خلیفہ اور نظام الملک جیسے بااقتدار شخص کو بھی نہ چھوڑا اور محض صدر الدّین محمد الخُجَندی ایسے بااثر آدمی کی سفارش کے باعث وہ اس واقعے کے برے نتائج و عواقب سے محفوظ رہا۔ اس اثنا میں وہ بغداد چھوڑ کر اصفہان چلا گیا تھا، مگر ملک شاہ کی وفات کے بعد کے زمانۂ فتنہ و فساد میں اس کے نئے سرپرستوں یعنی بدقسمت وزیر تاج الملک اور مجد الملک کا بڑا افسوسناک انجام ہوا، جس کی وجہ سے وہ اصفہان میں زیادہ عرصہ نہ ٹھیر سکا۔ بالآخر وہ کرمان پہنچا، جہاں سلجوقی ایران شاہ ۴۹۰ھ/ ۱۰۹۶ء سے حکومت کر رہا تھا۔ یہ حکمران ابن الہَبّاریّہ کا ہم مشرب ثابت ہوا۔ اس کی باقی ماندہ زندگی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات معلوم نہیں۔ اس کی وفات کی مختلف تاریخیں بیان کی جاتی ہیں۔ شاید صحیح تاریخ وہ ہے جو سبط ابن الجوزی نے لکھی ہے، جس کی رو سے اس نے ۵۰۹ھ/ ۱۱۱۵ء میں [کرمان میں] انتقال کیا۔

ابن الہَبّاریّہ کا دیوان، جو ابن خلّکان کے بیان کے مطابق چار جلدوں پر مشتمل تھا [اور بقول الصفدی تین جلدوں پر]، سوء اتفاق سے ہم تک نہیں پہنچا اور یہ اس زمانے کی تاریخ کے مطالعے کے لیے بھی ایک بڑا نقصان ہے۔ عماد الدّین نے اپنی خریدۃ میں دیوان کے نسبۃً طویل اقتباسات دیے ہیں۔ شاعر نے کتاب کلیلۃ و دمنۃ کی ایک منظوم شکل بھی، بعنوان نتائج الفتنۃ فی نظم کلیلۃ و دمنۃ، تصنیف کی تھی (قبّ *Orientalische Studien, Th. Nöldeke gewidmet*، ۱: ۴۱ ببعد)۔ [یہ کتاب چند مرتبہ طبع ہوچکی ہے، مثلاً بمبئی ۱۳۰۴ھ، طبع نور الدّین؛ بمبئی ۱۳۱۷ھ، طبع فیض اللہ بیابانی و صالح محمد]؛ (۲) بارہ ابواب پر مشتمل ایک گلدستۂ اشعار، بعنوان فُلک المعانی (قبّ بارٹولڈ (Barthold)، در *Zapiski Vost. Otd. Imp. Arch. Obč.*، ۱۸: 0144 ببعد)؛ (۳) کتاب الصادح و الباغِم، کلیلۃ و دمنۃ کی طرز پر [دو ہزار اشعار پر مشتمل] منظوم اخلاقی کہانیاں۔ مشرق میں یہ کتاب بہت مقبول ہے۔ شاعر نے اس کی تیاری میں دس سال صرف کیے اور صَدَقہ بن المنصور [المزیدی] کے نام سے منتسب کی، قاہرہ ۱۲۹۲ھ، بیروت ۱۸۸۶ء۔

مآخذ: علاوہ ان حوالوں کے جو متنِ مادّہ میں دیے گئے ہیں؛ (۱) ابن خلّکان: وفیات، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، عدد ۶۸۷، [قاہرہ، ۲: ۱۹]؛ (۲) الصفدی: [الوافی بالوفیات، ۱: ۱۳۰ ببعد،] *Recueil de textes relatifs à l'histoire des Seldj.*، ۲: ۶۵ و دیکھیے اشاریہ؛ [(۳) النجوم الزاھرۃ، ۵: ۲۱۰؛ (۴) ابن العماد: شذرات، ۴: ۲۴؛ (۵) لسان المیزان، ۵: ۳۶۷؛ (۶) مرآۃ الزمان، ۸: ۵۸؛ (۷) المخطوطات المصورۃ، ۱: ۲۳۸]؛ (۸) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۲۵۲ ببعد [و تکملہ، ۱: ۴۴۶]؛ (۹) Chauvin: *Bibliographie des ouvrages arabes*، ۲: ۱۷۱ ببعد.

(ادارۂ [آ])

---

* **ابن ہُبَل**: [زیادہ صحیح ہَبَل، الدارس (۲: ۱۳۰) میں تصحیفًا ابن مقبل لکھا گیا ہے]، مُہَذّب الدین ابوالحسن علی بن احمد [بن عبدالمنعم]، ایک طبیب، جو [۲۳ ذوالقعدہ] ۵۱۵ھ/ [۱۸ جنوری] ۱۱۲۲ء کو بغداد میں پیدا ہوا۔ اس نے مدرسۂ نظامیہ میں نحو و فقہ پڑھی، لیکن بعد میں طب کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ خلاط میں شاہِ اَرمن کا درباری طبیب بن گیا، جہاں اس نے بہت دولت جمع کرلی۔ اس کے بعد اس نے ماردین میں بدر الدّین لُؤلُؤ کی ملازمت اختیار کرلی اور آخرکار موصل چلا گیا۔ جب اس کی عمر ۷۵ سال کی ہوئی تو وہ بدقسمتی سے نابینا ہوگیا، تاہم وہ ۶۱۰ھ/ ۱۲۱۳ء تک زندہ رہا۔ [ابن العبری نے لکھا ہے کہ اس کی وفات ۶۱۹ھ میں ہوئی، لیکن اس کا یہ بیان درست نہیں] اس کی سب سے بڑی کتاب المختار فی الطب ہے، جس کے دو باب دُکوننگ (de Koning) نے *Traité sur le calcul dans, les reins et dans la vessie*، ص ۱۸۶ ببعد، میں شائع کیے۔ ابن ہُبَل شاعر بھی تھا۔ اس نے ایک بیٹا چھوڑا، جس کا نام شمس

الدّین ابوالعباس احمد تھا اور اپنے والد کی طرح طبیب تھا۔ وہ ایشیاے کوچک میں سلجوقی بادشاہ کیکاؤس [رَکّ بآن] کے دربار میں مطب کرتا تھا اور وہیں اس کا انتقال ہوا.

مآخذ: (۱) ابن ابی اصیبعہ، طبع مُلر (Müller)، ۱: ۳۰۴ بعد؛ (۲) ابن القِفطی: تأریخ الحکماء، طبع لپرٹ (Lippert)، ص ۲۳۸ بعد؛ (۳) لِکلِرک (Leclerc): *Histoire de la medecine arabe*، ۲: ۱۴۱ بعد؛ (۴) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۴۹۰ [و تکملہ، ۱: ۸۹۵؛ (۵) نکت الهمیان، ص ۲۰۵؛ (۶) ابن العبری: مختصر، بیروت، ص ۴۲۰؛ (۷) لغة العرب، ۲: ۲۶؛ (۸) انباہ الرواۃ، ۲: ۲۳۱].

(ادارۂ [آ]، طبع اول)

---

* **ابن ہُبَیرَہ:** (۱) ابوالمُثنّٰی عمر بن ہُبَیرَہ الفِزاری، والیِ عراق، قِنَّسرِین کا باشندہ تھا۔ اس کا ذکر ان قائدین میں سے ایک کی حیثیت سے آتا ہے جنھوں نے سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں بوزنطیوں کے خلاف جنگ میں حصّہ لیا تھا۔ ۹۶-۹۷ھ/ ۷۱۵ء کے موسمِ گرما میں بیڑے کو ساز و سامان سے لیس کیا گیا اور موسمِ خزاں میں ابن ہُبَیرَہ نے اس سے بوزنطی علاقے پر حملہ کیا۔ دوسری طرف مَسلَمہ ابن عبدالملک نے خشکی کی راہ سے فوج کشی کی۔ ابن ہُبَیرَہ نے موسم سرما ایشیاے کوچک میں گزارا اور آئندہ موسمِ گرما میں جنگی کارروائیاں دوبارہ شروع کی گئیں۔ اواخر ۹۷ھ/ اگست ۷۱۶ء میں عربوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع کر دیا، لیکن ایک سال کے کامل محاصرے کے بعد انھیں اسے ترک کرکے وطن واپس جانا پڑا۔ ۱۰۰ھ/ ۷۱۸-۷۱۹ء میں [حضرت] عمرؓ بن عبدالعزیز نے ابن ہُبَیرَہ کو الجزیرہ (میسوپوٹامیا) کا والی مقرر کیا۔ اس نے ارمینیہ میں بوزنطیوں کے خلاف ۱۰۲ھ/ ۷۲۰-۷۲۱ء میں ایک مہم کی کامیابی کے ساتھ قیادت کی، جس کے بعد خلیفہ یزید بن عبدالملک نے اسے عراق اور خراسان کا والی مقرر کیا۔ شمالی اور جنوبی عربوں کے مسلسل باہمی نزاع میں وہ اپنے نسب کی بنا پر ہمیشہ اوّل الذّکر کا ساتھ دیتا رہا، لہٰذا آخر الذّکر کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی۔ شوال ۱۰۵ھ/ مارچ ۷۲۴ء میں خلیفہ ہِشام بن عبدالملک کے تخت نشین ہونے کے جلد ہی بعد ابن ہُبَیرَہ کو معزول کر دیا گیا اور خالد بن عبداللہ القسری اس کا جانشین ہوا۔ ایک اَور روایت کے مطابق یہ واقعہ اگلے سال پیش آیا۔ [خالد نے اسے قید کر دیا، لیکن اپنے بعض دوستوں کی مدد سے وہ جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر ہِشام اس سے راضی ہو گیا۔ جب وہ امیر تھا تو فرزدق نے اس کی ہجو کہی، لیکن جب وہ قید ہو گیا تو اس کی مدح میں قصائد کہے۔] اس کا بیٹا یزید بھی ابن ہُبَیرَہ ہی کہلاتا ہے.

مآخذ: (۱) طبری: تأریخ، ج ۲، دیکھیے اشاریہ؛ (۲) ابن الأثیر: الکامل، طبع ٹورن برگ (Tornberg)، ۱۷-۱۰۲؛ (۳) الیعقوبی: تأریخ، طبع ہوتسما (Houtsma)، ۲: ۳۵۹ بعد، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۸، ۳۸۸؛ (۴) ابن خلدون: العبر، ۳: ۷۱، ۸۲؛ [(۵) المسعودی، مطبوعۂ پیرس، ۵: ۴۵۸؛ (۶) الجمحی، ص ۲۸۷ بعد؛ (۷) رغبة الآمل، ۲: ۷۷، ۲۲۹؛ ۳: ۱۷۳؛ ۶: ۲۲۹ بعد؛] (۸) Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ۱: ۵۶۶، ۵۵۹، ۶۰۵، ۶۲۰؛ (۹) Muir: *The Caliphate, its Rise, Decline and Fall*، طبع سوم، ص ۳۸۹، ۳۹۵؛ (۱۰) Wellhausen: *Das arabische Reich*، ص ۱۹۹ بعد؛ (۱۱) *Die Kämpfe der Araber mit den Romäern*، در *Nachr. von der Kgl. Ges. d. Wiss zu Göttingen, Philol.-hist. KI.*، ۱۹۰۱ء، ص ۴۴۰ بعد.

(۲) ابوخالد یزید بن عمر، مقدم الذکر کا بیٹا ۸۷ھ/ ۷۰۵-۷۰۶ء میں پیدا ہوا۔ اسے خلیفہ الولید ثانی نے قِنَّسرِین کا والی مقرر کیا۔ ۱۲۸ھ کے آغاز/ خزاں ۷۴۵ء میں مروان ثانی نے اسے عراق کا والی مقرر کیا اور ایک فوج دے کر خوارج کے خلاف بھیجا۔ رمضان ۱۲۹ھ/ جون ۷۴۷ء میں یزید کوفے میں داخل ہوا، پھر اس نے شہر واسط پر قبضہ کر لیا اور عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز [رَکّ بآن] کو، جسے خارجی سردار الضحاک بن قیس الشیبانی [رَکّ بآن] سے صلح کرنا پڑی تھی اور جو خارجیوں کی طرف سے شہر کا والی بن کر وہیں رہ پڑا تھا، گرفتار کر لیا؛ پھر تمام عراق کو تسخیر کر لیا گیا۔ خلافت اموی کے دیگر دشمنوں کی طرح خوارج نے بھی علوی باغی عبداللہ بن معاویہ [رَکّ بآن] سے اتحاد کر لیا، لیکن مؤخّر الذّکر کو یزید بن ہُبَیرَہ کے سپہ سالار عامر ابی ضُبارہ نے شکست دی اور اب خوارج عراق میں مقاومت کے قابل نہ رہے۔ اس وقت عباسی میدان میں اتر آئے اور جب ان کا سپہ سالار قَحطَبہ بن شَبِیب کوفے کی طرف بڑھا تو یزید جلدی سے اس کے مقابلے کے لیے آیا، لیکن اسے محرم ۱۳۲ھ/ اگست ۷۴۹ء میں ہزیمت ہوئی اور فرار ہونا پڑا۔ قحطبہ مارا گیا - لیکن معلوم نہیں کس طرح - اور اس کا بیٹا حسن اس کی جگہ سپہ سالار بنا، یزید (ابن ہُبَیرَہ) واسط میں جا کر پناہ گزیں ہوا، جہاں حسن نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اسی سال عباسیوں کے خانوادے کی خلافت کو باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ خلیفہ ابوالعباس السفاح کا بھائی ابوجعفر حسن بھی قَحطَبہ کی امداد کے لیے واسط گیا اور کئی ماہ کے محاصرے کے بعد یزید (ابن ہبیرہ) کو اطاعت اختیار کرنا پڑی۔ اگرچہ عباسیوں نے اس سے صاف طور پر معافی کا وعدہ کیا تھا تاہم اسے جلد ہی قتل کر دیا گیا۔ ابن خلّکان کے بیان کے مطابق اسے ذوالقعدہ ۱۳۲ھ/ جون ۷۵۰ء میں قتل کیا گیا، لیکن ایک اَور مآخذ کے مطابق اس نے اپنے محاصرین سے اس وقت تک گفت و شنید شروع نہ کی جب تک خلیفہ مروان ثانی [رَکّ بآن] کی موت کی خبر نہ موصول ہوئی۔ اگر یہ صحیح ہے تو یزید کا قتل ۱۳۳ھ کے ابتدائی مہینوں (خزاں ۷۵۰ء) سے پہلے واقع نہیں ہو سکتا.

مآخذ: (۱) ابن خلّکان: وفیات الاعیان، طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، عدد ۸۲۸ (ترجمہ de Slane، ۴: ۲۰۴ بعد)؛ (۲) طبری: تأریخ، ج ۲، بمدد اشاریہ؛ (۳) ابن الأثیر: کامل، ٹورن برگ (Tornberg)، ۵: ۲۴۳-۳۴۰؛ (۴) الیعقوبی: تأریخ، طبع ہوتسما (Houtsma)، ۲: ۴۰۵، ۴۰۷ بعد، ۴۱۱ بعد؛

(۵) کتاب الأغانی، ۲: ۱۵۶ بعد؛ ۱۶: ۸۴؛ ۱۸: ۱۴۲؛ [(۶) البلاذری: فتوح البلدان، ص ۲۹۵؛ (۷) الذہبی: تأریخ، ۵: ۳۱۵؛ (۸) المسعودی، مطبوعۂ پیرس، ۶: ۶۵ بعد؛ (۹) مرآۃ الجنان، ۱: ۲۷۷؛ (۱۰) البغدادی: خزانۃ، ۴: ۱۶۷ بعد؛ (۱۱) رغبۃ الآمل، ۳: ۷۳؛ (۱۲) شذرات الذہب، ۱: ۱۹۰]؛ (۱۳) *Fragm. Histor. Arab.*، ج ۱، دیکھیے اشاریہ؛ (۱۴) Weil: *Gesch. d. chalifen*، ۱: ۶۸۱، ۶۸۸، ۶۹۰، ۶۹۹ بعد و ۲: ۱۱ بعد؛ (۱۵) Wellhausen: *Der arabische Reich*، ص ۲۲۱، ۲۳۷، ۲۴۵ بعد، ۳۳۶ بعد، ۳۴۳.

----

* **ابن ہُبَیرہ**: دو وزیروں کا نام:۔

(۱) عون الدّین ابو المظفر یحیٰی بن محمد بن ہبیرہ الشّیبانی، ۴۹۰ھ/ ۱۰۹۶-۱۰۹۷ء میں [السواد میں] پیدا ہوا یا ایک اور ماخذ کے مطابق ۴۹۷ھ/ ۱۱۰۳-۱۱۰۴ء میں۔ وہ دُور بنی اَوْقَر کا باشندہ تھا، جو بغداد سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس نے بغداد میں [خصوصاً فقہ حنبلی کی] تعلیم پائی۔ کئی عہدوں پر مامور رہنے کے بعد اُسے ۵۴۲ھ/ ۱۱۴۷-۱۱۴۸ء میں رئیس ''دیوان الزِّمام'' مقرر کیا گیا اور ربیع الآخر ۵۴۴ھ/ اگست ۱۱۴۹ء میں خلیفہ المُقتفی نے اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ جب سلجوقی سلطان مسعود بن محمد رجب ۵۴۷ھ/ اکتوبر ۱۱۵۲ء میں فوت ہوا تو والیِ بغداد مسعود البلالی نے الحِلّہ پر قبضہ کرلیا، لیکن ابن ہبیرہ نے اسے جلد ہی شکست دی اور اسے تکْرِیت کی طرف بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد نہ صرف الحِلّہ بلکہ کوفہ اور واسط بھی وزیر کے قبضے میں آ گئے۔ جب سلطان محمد بن محمود نے واسط کی طرف ایک فوج بھیجی تو خلیفہ بذاتِ خود اپنے وزیر کی مدد کو فوراً پہنچا اور سلطان کی فوجوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ۵۴۸ھ/ ۱۱۵۳-۱۱۵۴ء میں المُقتفی نے تکْرِیت کا محاصرہ کیا لیکن اسے اپنا منصوبہ ترک کرنا پڑا۔ اس کے ایک سال بعد اولاً خلیفہ نے اور پھر اس کے وزیر نے از سرِ نو کوشش کی کہ شہر کو بزورِ شمشیر فتح کرلیں، مگر انھیں ناکامی ہوئی؛ تاہم مسعود البلالی کو کھلے میدان میں جنگ میں دو بار ہزیمت اٹھانا پڑی، یعنی خلیفہ کے ہاتھوں بَعْقُوبا کے قریب اور پھر ابن ہبیرہ کے مقابلے میں واسط کے قرب و جوار میں۔ اس فتح کے بعد ابن ہبیرہ کو ''سلطان العراق'' کا خطاب عطا ہوا۔ جب ۵۵۵ھ/ ۱۱۶۰ء میں خلیفہ المُقتفی نے وفات پائی اور المُستَنجِد اس کا جانشین ہوا تو ابن ہبیرہ اپنے عہدے پر بحال رہا۔ وہ ۱۳ جمادی الاولی ۵۶۰ھ/ ۲۵ مارچ ۱۱۶۵ء کو فوت ہوا۔ وہ ایک عالم کی حیثیت سے بھی مشہور تھا [اس نے صحیح بخاری اور مسلم کی شرحیں لکھیں]۔

مآخذ: (۱) ابن خلّکان: وفیات الاعیان، طبع وُسْتِنْفِلْٹ (Wüstenfeld)، عدد ۸۱۷؛ (ترجمہ از دیسلان (de Slane)، ۴: ۱۱۴ بعد)؛ (۲) ابن الطقطقی: الفخری، طبع درانبورغ (Derenbourg)، ۴۱۹-۴۲۶؛ (۳) ابن الأثیر: الکامل، طبع Tornberg، ج ۱۱، بمواضع کثیرہ؛ [(۴) ابن العماد: شذرات الذہب، ۴: ۱۱۹؛] (۵) ہوتسما (Houtsma): *Recueil de textes relatifs á l'histoire des Seldjoucides*، ۲: ۲۲۱-۲۲۳، ۲۳۴-۲۳۹، ۲۴۷-۲۵۵، ۲۹۰-۲۹۲؛ (۶) Weil: *Gesch. d. Chalifen*، ۳: ۳۰۵، ۳۱۰؛ (۷) براکلمان، ۱: ۴۰۸ [و تکملہ، ۱: ۶۸۷].

(۲) عزّ الدّین محمد بن یحیٰی، مقدم الذکر کا بیٹا، اپنے باپ کی وفات کے بعد وزیر بنا، لیکن جلد ہی اسے قید خانے بھیج دیا گیا اور پھر وہ غائب ہوگیا۔ کیونکہ اس کے بعد تاریخ میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

مآخذ: ابن الطقطقی: الفخری، طبع درانبورغ (Derenbourg)، ص ۴۲۶.

(K. V. ZETTERSTÉEN)

----

* **ابن ہشام**: جمال الدّین ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن احمد بن عبداللہ بن ہشام الانصاری المصری، ذوالقعدہ ۷۰۸ھ/ اپریل-مئی ۱۳۰۹ء میں قاہرہ میں پیدا ہوا اور وہیں ۵ ذوالقعدہ ۷۶۱ھ/ ۱۷-۱۸ ستمبر ۱۳۶۰ء کو جمعرات اور جمعے کی درمیانی رات کو وفات پائی۔ [ابن نباتہ اور دوسرے شعرا نے مرثیے کہے۔] اس نے زُہَیر بن ابی سُلْمٰی کا دیوان ابو حیّان النحوی الاندلسی سے پڑھا اور شہاب الدّین عبداللطیف بن المُرحِّل الفاکہانی وغیرہ سے بھی تعلیم حاصل کی۔

شافعی عالم ہونے کی حیثیت سے وہ مصر کے قُبّۃ المنصوریہ میں تفسیر قرآن کا استاد مقرر ہوا، لیکن اپنی وفات سے پانچ سال پہلے اس نے حنبلی مذہب اختیار کرلیا اور اس مقصد کے لیے چار ماہ سے کم عرصے میں الخِرَقی کی مختصر زبانی یاد کرلی۔

ابن خلدون مختصر طور پر اس کے متعلّق یوں لکھتا ہے: ''ابن ہشام نحو کا متبحر عالم تھا اور اس علم میں کمال رکھتا تھا۔ اس نے موصل کے ان نحویوں کا مسلک اختیار کیا جو ابن جنّی کے نظریات کو مانتے تھے اور اس کے طرزِ تعلیم کی پیروی کرتے تھے۔ ابن ہشام نے جس قابلیت کا مظاہرہ کیا وہ حقیقۃً قابلِ توجہ ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اسے اپنے مضمون پر پوری قدرت تھی اور وہ ایک فہیم انسان تھا۔''

ابن ہشام نے مندرجۂ ذیل تصانیف چھوڑی ہیں:۔

(۱) قطر النّدٰی وَبَلّ الصّدٰی، نحو پر ایک مختصر سا رسالہ، جو کئی بار چھپ چکا ہے؛ (۲) قطر النّدٰی کی شرح، جو تونس میں ۱۲۸۱ھ میں شائع ہوئی؛ بولاق ۱۲۵۳ھ، ۱۲۶۴ھ، ۱۲۸۲ھ؛ قاہرہ ۱۲۷۴ھ؛ مع فرانسیسی ترجمہ از Goguyer: *La Pluie de rosée, étanchement de la soif*، لائڈن ۱۸۸۷ء؛ (۳) شذور [یا شذرات] الذہب فی معرفۃ کلام العرب، صرف و نحو پر ایک مختصر رسالہ، جو حجم میں سابق الذکر رسالے سے چھوٹا ہے؛ [استانبول ۱۲۵۳ھ]؛ (۴) شذور کی شرح، جو بولاق میں ۱۲۸۲ھ میں شائع ہوئی، قاہرہ ۱۲۵۳ھ، ۱۳۰۵ھ، [الامیر الکبیر کا اس پر حاشیہ بھی ہے، مصر ۱۳۰۳ھ، ۱۳۰۵ھ، ۱۳۰۷ھ]؛ (۵) الإعراب عن قواعد الإعراب، تجزیۂ منطق پر ایک مختصر اور جامع رسالہ، بولاق ۱۲۵۳ھ، قسطنطینیہ ۱۲۹۸ھ؛ دساسی (de Sacy) نے اپنی کتاب *Anthologie grammaticale* میں شائع کیا اور فرانسیسی میں

ترجمہ کیا، پیرس ۱۸۲۹ء، ص ۴۳ - ۹۲؛ ترجمہ: ص ۱۵۳ - ۲۲۳؛ (۶) مُغْنِی اللَّبِیْبُ عَنْ کُتُبِ الاَعَارِیْب (مصنّف نے اس نام کی ایک اور کتاب ۷۴۹ھ/ ۱۳۴۸ء میں مکّے میں لکھی تھی، جو مصر واپس آنے پر کھوگئی اور پھر اس نے مکّے میں دوبارہ قیام (۷۵۶ھ/ ۱۳۵۵ء) کے دوران میں یہ کتاب لکھی)، نحو پر ایک مکمّل رسالہ، جسے دو حصّوں میں یا آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں حروف کی مکمّل تشریح اور جملوں کی ترکیب کے قوانین مندرج ہیں، [مصر چاپ سنگی بدون تاریخ،] تہران ۱۲۷۴ھ، [تبریز چاپ سنگی ۱۲۷۶ھ،] قاہرہ ۱۳۰۵ھ، ۱۳۰۷ھ؛ (۷) موقِد الاَذْہَان و مُوقِظ الوَسْنَان، صرف و نحو کی بہت سی مشکلات کا حل، پیرس، کتاب خانۂ اہلیہ، شمارہ ۴۱۱۵، ii؛ ۴۱۶۲، i؛ برلن، .Verz، شمارہ ۶۷۴۸، ۶۷۴۹؛ کتاب خانہ خدیویہ، فہرست، ۷: ۶۹، ۱۰۴، ۱۷۲، ۵۹۸؛ (۸) الغاز نحویۃ، مغلق نحوی چیستانوں کا مجموعہ، جو سلطان الملک الکامل کے کتب خانے کے لیے تیار کیا گیا تھا، قاہرہ سے ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوا؛ (۹) الروضۃ الادبیۃ فی شواھد علوم العربیۃ، ان استشہادی اشعار کی شرح جو ابن جنّی نے اپنی تصنیف، کتاب اللَّمَع میں دیے ہیں، برلن شمارہ ۷۲۵۲؛ (۱۰) الجامع الصغیر فی النّحو صرف و نحو پر ایک رسالہ، پیرس، کتاب خانہ اہلیہ، شمارہ ۴۴۵۹؛ (۱۱) رسالۃ فی انتصاب لغۃً و فضلاً و اعراب خلافًا و ایضًا والکلام علی هَلُمَّ جَرًّا، الفاظ لغۃً وغیرہ کی تشریح نحوی، برلن، Verz، شمارہ ۶۸۸۶؛ لائڈن .Cat، ج ۱، طبع ثانی، شمارہ ۲۲۱، تحت عنوان مسائل فی النحو و اجوبتها؛ کتاب خانۂ خدیویہ، فہرست، ۴: ۵۳، ۵۹ و ۷: ۵۶۴؛ السُّیوطی کی کتاب الاشباہ والنظائر، ۳: ۲۰۳ - ۲۲۲، میں حیدر آباد میں [۱۳۱۶ -]۱۳۱۷ھ میں چھپی؛ (۱۲) قرآن کی نو آیات میں حالت مفعولی (نصبی) پر مختصر بحث، برلن شمارہ ۶۸۸۴؛ غالبًا درانبورغ (Derenbourg): *Mss. arab. de l'Esc.*، شمارہ ۸۶، ۶؛ (۱۳) مسئلۃ اعتراض الشّرط علی الشّرط، لائڈن، *.Cat*، ج ۱، طبع دوم، شمارہ ۲۱۷، ۲۱۸؛ السُّیوطی کی مذکورۂ بالا کتاب میں چھپی، ۴: ۳۴ - ۴۲؛ (۱۴) فرج الشّذا فی مسئلۃ کذا، اسی موضوع پر اس کے استاد ابوحیّان کی کتاب الشَّذا فی احکام کذا کا تکملہ، السُّیوطی کی مذکورۂ بالا کتاب میں چھپی، ۴: ۱۲۰ - ۱۳۱؛ (۱۵) شرح القصیدۃ اللّغزیۃ فی المسائل النحویۃ، ایک نظم کی شرح، جس میں مغلق نحوی چیستانیں ہیں، لائڈن، شمارہ ۲۲۲؛ السُّیوطی کی مذکورۂ بالا کتاب میں چھپی، ۲: ۳۰۲ - ۳۲۳؛ (۱۶) اوضح المسالک الی الفیۃ ابن مالک، جسے غلطی سے التَّوضیح کہا جاتا ہے، الفیۃ ابن مالک کی منثور اور اضافہ کردہ شکل، ۱۳۰۴ھ اور ۱۳۱۶ھ میں قاہرہ میں شائع ہوئی اور ۱۸۳۲ء میں کلکتے میں؛ (۱۷) شرح بانَت سُعاد، رسول [اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کی مدح میں کَعب بن زُہَیر کے قصیدے کی شرح، طبع Guidi، لائپزگ ۱۸۷۱ء، قاہرہ ۱۳۰۴ھ، ۱۳۰۷ھ؛ (۱۸) شوارد المُلَح و موارد المِنَح، روح کی نجات پر ایک رسالہ، برلن شمارہ ۲۰۹۷؛ (۱۹) مختصر الاِنتصاف من الکشّاف، ابن المُنیر کی انتصاف من الکشّاف کا اختصار، جو ان معتزلی عقائد کے ردّ میں لکھی گئی تھی جو الزمخشری کی الکشّاف میں پائے جاتے ہیں، برلن، شمارہ ۷۹۱۔ ابن ہشام کی دیگر نحوی تصانیف السُّیوطی کی کتاب مذکور میں چھپ چکی ہیں، ۲: ۲۹۲، ۲۹۹ - ۳۰۱ و ۴: ۲ - ۳۴، ۴۳ - ۵۳، ۱۰۰ - ۱۲۰.

مآخذ: (۱) السُّیوطی: حسن المحاضرۃ، قاہرہ ۱۳۲۱ھ، ۱: ۲۵۷؛ (۲) وہی مصنّف: بغیۃ الوعاۃ، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۲۹۳؛ (۳) ابن خلدون، ترجمہ دیسلان (de Slane)، ۳: ۲۷۳، ۳۱۲؛ [(۴) ابن العماد: شذرات الذھب، ۶: ۱۹۱؛ (۵) روضات الجنات، ص ۴۵۵؛ (۶) ابن حجر: الدرر الکامنۃ، ۲: ۳۰۸؛ (۷) طاش کوپرو زادہ: مفتاح السعادۃ، ۱: ۱۵۹؛ (۸) آداب اللغۃ، ۳: ۱۴۳؛ (۹) الشوکانی: البدر الطالع، ۱: ۴۰۰ ببعد؛] (۱۰) محمد بن شنب: *Etude sur les pers. ment. dans. l'Idjāza de Sidi Abd al-Qādir al-Fāsi*، پیرس ۱۹۰۷ء، شمارہ ۲۹۱؛ (۱۱) براکلمان، ۲: ۲۳ ببعد [و تکملہ، ۲: ۱۶]؛ قبّ ضمیمہ، [شمارہ ۷۰۶، ص در [تکملہ، ۳: ۱۲۲۷]؛ (۱۲) Huart: *A Hist. of Arab. Lit.*، ص ۳۸۷ ببعد.

(محمد بن شنب MOH. BEN CHENEB)

ابن ہِشام: [ابو محمد] عبدالمَلِک بن ہِشام ابن ایّوب الحِمْیَرِی البصری،* ایک عرب نحوی، جو بصرے میں پیدا ہوا اور مصر کے شہر فُسطاط میں ۱۳ ربیع الثانی ۲۱۸ھ/ ۸ مئی ۸۳۳ء کو بروایت دیگر ۲۱۳ھ میں فوت ہوا۔ اس نے ابن اسحٰق [رکّ بآن] کی سیرۃ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کی روایت کے علاوہ انجیل اور جنوبی عربستان کے قصوں اور افسانوں کا ایک مجموعہ، بعنوان کتاب التیجان، لکھا، دیکھیے Ahlwardt: *Verzeichnis der arab. Hdss. zu Berlin*، شمارہ ۹۷۳۵؛ ریو (Rieu): *Supplement to the Catalogue of Arab. Mss. in the Brit. Mus.*، شمارہ ۵۷۸ - ۵۷۹؛ تونس شمارہ ۴۹۵۳ الف؛ استانبول، عاصم، شمارہ ۶۹۱؛ الزّیات: خزائن الکتب فی دمشق و ضواحیها، ص ۷۲، شمارہ ۱۲؛ *Manuscrits de la collection Landberg*، شمارہ ۱۷۔ [سیرۃ رسول اللہ متعدد بار چھپ چکی ہے، گوتھا ۱۸۵۹ء؛ طبع وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld)، لائپزگ ۱۹۰۰ء، [۱۹۶۱ء] مصر ۱۳۲۹ھ، بولاق ۱۲۹۵ھ، الطّحاوی کی تعلیقات کے ساتھ۔ السُّہیلی (م ۵۸۱ھ) نے الروض الأُنُف کے نام سے اس سیرۃ کی شرح لکھی (مصر ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء)].

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان، طبع وُسٹنفلٹ، عدد ۳۹۰ (قاہرہ ۱۲۹۹ھ، ۱: ۳۶۵)؛ (۲) السُّیوطی: بغیۃ الوعاۃ، ص ۳۱۵؛ [(۳) الیافعی: مرآۃ الجنان، ۲: ۷۷؛ (۴) الروض الانف، مقدّمہ؛] (۵) وُسٹنفلٹ (Wüstenfeld): *Ges. der Araber*، عدد ۴۸؛ (۶) M. Lidzbarski: *De propheticis quae decuntur*

légendis arabicis، لائپزگ ۱۸۹۳ء،ص ۵ ببعد؛(۷)وہی مصنّف،در *Zeitschr. f. Assyriologie*، ۸: ۲۷۱ ببعد؛[(۲) براکلمان (Brockelmann):تکملہ،۱:۲۰۶].

(براکلمان C. BROCKELMANN)

----

* ابن الہیثم: پورانام ابوعلی الحسن[یا محمد]ابن الحسن[(یا الحسین)بن الہیثم؛ ازمنۂ متوسطہ کے یورپی مآخذ میں اسے بالعموم ال ہیزن(Alhazen) لکھا گیا ہے؛[اسلامی دنیا اور ازمنۂ متوسطہ کا سب سے بڑا طبیعیات دان،جس کا شمار ہمیشہ بڑے بڑے ماہرینِ بصریات میں ہوتا رہے گا۔ وہ ہیئت دان بھی تھا، عالمِ ریاضیات بھی اور طبیب بھی۔] اسے طب اور فلاسفۂ متقدمین کے ارسطاطالیسی فلسفے پر پوری پوری دسترس حاصل تھی۔[مزید براں اس نے ارسطو اور جالینوس کی شرح بھی کی۔] وہ ۳۵۴ھ/ ۹۶۵ کے قریب بصرے میں پیدا ہوا، لہٰذا بعض اوقات اسے ابوعلی البصری بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اچھی خاصی عمر میں مصر آیا، جہاں اس نے چند سال فاطمی خلیفہ الحاکم کی ملازمت میں گزارے۔[معلوم ہوتا ہے خلیفہ نے خود اسے مصر آنے کی دعوت دی تھی۔] مصر آکر اس نے خلیفہ سے اس امر کی پیشکش کی کہ وہ نیل کے بہاؤ کو قابو میں لاسکتا ہے،لیکن[اُسوان کے قریب دریا کا معائنہ کرنے کے بعد] اسے جلد ہی یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا۔[اس پر اسے بےحد خجالت ہوئی۔ بایں ہمہ خلیفہ نے بعض دواوین (محکمے) اس کے سپرد کر دیے، جن میں وہ ارادۃً نہیں، بلکہ خلیفہ کے ڈر سے مجبوراً کام کرتا رہا۔ اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ اس کے دماغ میں فتور ہے، تاآنکہ الحاکم کا انتقال ہو گیا،] جس کے بعد وہ ریاضی اور دوسرے علوم میں اپنی تصنیفات کی بدولت گزر اوقات کرتا رہا۔ اس نے ۴۳۰ھ/ ۱۰۳۹ء کے آخر یا اس کے فوراً بعد وفات پائی، جیسا کہ اس کے تراجم میں مذکور ہے۔[علمِ ہیئت میں اپنی مہارت کے باعث اسے بطلمیوس ثانی بھی کہتے ہیں۔] ابن ابی اُصَیبِعہ نے ابن الہیثم کی کوئی دوسو کتابوں اور رسالوں کا ذکر کیا ہے، جو اس نے ریاضیات، ہیئت، طبیعیات، فلسفہ اور طب میں تصنیف کیں اور جن کے لیے قارئین کو مآخذِ ذیل سے رجوع کرنا چاہیے، بالخصوص (ابن ابی اُصَیبِعہ کے علاوہ) F. Woepcke اور E. Wiedmann کی تصنیف سے۔ طبیعیات میں اس کی اہم ترین تصنیف *Optics* یعنی کتاب المناظر[یا تنقیح المناظر] ہے، جس کا لاطینی ترجمہ ۱۵۷۲ء میں F. Risnes نے Basle سے ''شفق'' پر مصنّف کے ایک رسالے کے ساتھ بعنوان *Opticae thesaurus Alhazeni Arabis bibriseptem nune premim edite. Eiusdem liber de de crepusculis et nubium ascensionibus*, etc., a Fred. Risnero شائع کیا۔

لاطینی میں مؤخّر الذکر مقالے کا ترجمہ Gerhard of Cremona نے کیا تھا اور غالباً المناظر کا بھی[۱۵۷۲ء میں]، جس کے متعلّق یقین سے ابھی تک کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ قرونِ وسطٰی میں راجر بیکن (Roger Bacon) سے لے کر کپلر تک یورپ نے علمِ مناظر کے مطالعے میں ابن الہیثم کی کتاب المناظر سے نہایت گہرا اثر قبول کیا۔[اس میں آنکھ کا مکمل بیان موجود ہے اور رؤیت کی نہایت عمدہ تشریح کی گئی ہے۔] عربی میں کمال الدّین ابوالحسن الفارسی (م ۱۳۲۰ء) نے المناظر کی جو ضخیم شرح لکھی تھی وہ بھی اب تک موجود ہے۔ شرح مذکور اور ابن الہیثم کی المناظر کے لیے دیکھیے ویڈمان کے مصنّفات، جن کا حوالہ نیچے دیا گیا ہے۔[دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن کی طرف سے کتاب المناظر شائع کی جارہی تھی]۔

[ابن الہیثم نے عکسیات (catoptrics)، کروی اور شلجمی (parabolic) آئینوں، کروی انحرافات (aberrations) اور انعطافات (dioptrics) میں بھی تحقیقات کی۔ وہ کہتا ہے کہ زاویۂ وقوع (incidence) اور زاویۂ انحراف کی نسبت یکساں نہیں رہتی۔ عدسہ میں یہ قوت ہے کہ ہر چیز کی جسامت کو بڑھا دے۔ اس نے فضائی انعطاف کا مطالعہ کیا۔ اس کے نزدیک شفق کی ابتدا یا انتہا اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب افق سے ۱۹ درجے نیچے ہو اور اس بنا پر فضا کا ارتفاع معلوم کرنے کی کوشش بھی کی۔ وہ دوچشمی رؤیت (binocular vision) کی توجیہ کرتا ہے اور اس نے افق کے قریب چاند اور سورج کی جسامتوں میں اضافے کی نہایت صحیح تشریح کی ہے۔ ابن الہیثم پہلا شخص ہے جس نے حجلۂ تاریک (camera obscura) استعمال کیا۔]

ابن الہیثم کے رسائل، جن میں سے بعض عربی میں شائع ہوے،[حیدر آباد ۱۳۵۷ھ] صرف ترجموں کی شکل میں دستیاب ہوتے ہیں۔ ماخذ کے تحت جو حوالے دیے گئے ہیں ان کے علاوہ حسبِ ذیل کا ذکر بھی مناسب ہے: (۱) *Über die Beschaffenheit der Schatten* (فی کیفیۃ الاظلال)، جس کا جرمن زبان میں مختصر ترجمہ ویڈمان (E. Weidmann) نے *Beiträge z. Gesch. d. Naturwissensch.*، ج ۱۳ (*Sitzungsber. der phys.-mediz. Sozietät in Erlangen*، ج ۳۹ (۱۹۰۷ء): ص ۲۲۶ ببعد) میں شائع کیا؛ (۲) *Über parabolische Hohlspiegel* (فی المَرایا المُحرِقہ بالقُطُوع)، جس کا جرمن ترجمہ ہائی برگ (J. L. Heiberg) اور ویڈمان (E.Wiedmann) نے *Biblioth. Mathem.*، سلسلہ ۳، ج ۱۰ (۱۹۱۰ء): ص ۲۰۱ - ۲۳۷، میں شائع کیا؛ (۳) اقتباسات از رسائل موسومہ *Über sphärische Hohlspiegel* (فی المرایا المحرقہ بالدّوائر)، مترجمۂ ویڈمان، وہی رسالہ، ص ۲۹۳ - ۳۰۷؛ (۴) *Über die Ausmessung des paraboloides* (فی مساحۃ المجسّم المُکافِی)، ترجمہ مع شرح از H. Suter، در *Biblioth. Mathem.*، سلسلہ ۳، ج ۱۲ (۱۹۱۲ء): ص ۲۸۹ - ۲۳۲؛ (۵) اقتباسات از رسائل موسومہ فی المکان (*Über den Ort*) (*oder Raum*)، فی مسئلۃ عَدَدِیَّۃ (*über ein Zahlen-*

(problem über einen satz der Banū Mūsa، فی شکل بنی موسیٰ)، فی اُصول المساحۃ (über die Elemente der Ausmessung)، جرمن ترجمے کی شکل میں ویڈمان نے شائع کیے، در Beiträge z. Gesch. d. Naturwissensch.، ج ۱۷ (Sitzung-sber. der phys.-mediz. Sozietät in Erlangen، ج ۴۱ (۱۹۰۹ء): ص ۱-۲۵)؛ [(۶) مقالۃ فی الضوء، طبع برمان (Bermann)، مع جرمن ترجمہ، لائپزگ ۱۸۸۲ء].

مآخذ: (۱) ابن ابی اُصَیبِعَہ (طبع Müller)، ۲: ۹۰-۹۸؛ (۲) [ابن] القفطی (طبع Lippert)، ص ۱۶۵-۱۶۸؛ (۳) ویڈمان (E. Wiedmann): *Zu Ibn al-Haitham ein arabischer Gelehrter* (نقل چاپی از *Festschrift für J. Rosenthal*، لائپزگ ۱۹۰۶ء)؛ (۴) وہی مصنّف: *Zu Ibn al-Haithams Optik* (نقل چاپی از *Archiv für die Gesch. d. Naturwissensch. u. d. Technik*، ج ۳، ۱۹۱۰ء)؛ (۵) Woepcke: *L' algêbre d' Omar Al-khayyāmī*, etc.، پیرس ۱۸۵۱ء، ص ۷۳-۷۶؛ (۶) Steinschneider: *Notice sur un ouvrage astronomique inédit d'Ibn Haitham*، در *Bollettino di bibliogr. della scienza mat. e fis.*، ۱۴ (۱۸۸۱ء): ۷۲۱ بعد و ۱۶ (۱۸۸۳ء): ۵۰۵ بعد؛ (۷) براکلمان (Brockelmann): ۱: ۴۶۹ [و تکملہ، ۱: ۸۵۱]؛ (۸) زُوٹر (Suter): *Abhandlgn. z. Gesch. d. mathem. Wissensch.*، ۱۰: ۹۱-۹۵؛ ۱۴: ۱۶۹-۱۷۰؛ [(۹) ابن العبری: تأریخ مختصر الدول، ص ۳۱۶؛ (۱۰) البیہقی: تأریخ حکماء الاسلام، ص ۸۵؛ (۱۱) جمیل بک: عقود الجوهر، ۱: ۵۴ بعد؛ (۱۲) مصطفٰی نظیف: الحسن بن الهیثم؛ (۱۳) کشف الظنون، ۱: ۱۳۸؛ (۱۴) سارٹن (G. Sarton): *Introduction to the History of Science*، ج ۱].

(H. SUTER [وسیّد نذیر نیازی])

----

* **ابن یَعِیش**: پورا نام مُوَفَّق الدّین ابو البقاء یَعِیش بن علی بن یَعِیش الحَلَبی، جسے ابن الصّانع [الصائغ - شذرات] بھی کہا جاتا ہے، ایک عرب نحوی، جو حلب میں ۳ رمضان ۵۵۳ھ/ ۲۸ ستمبر ۱۱۵۸ء کو پیدا ہوا۔ اپنے وطن اور دمشق میں نحو اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے ابو البرکات ابن الأنباری [رک بہ مادۂ الأنباری] سے نحو پڑھنے کے خیال سے بغداد جانے کا ارادہ کیا، لیکن موصل پہنچ کر اسے ابن الانباری کی وفات کی خبر ملی، اس لیے وہ کچھ عرصے تک علمِ حدیث حاصل کرنے کی غرض سے وہیں ٹھیر گیا۔ اس کے بعد وہ حلب واپس چلا آیا، جہاں اس نے درس دینا شروع کر دیا۔ بقول ابن خَلِّکان [رک بآن] ، جس نے ۶۲۶-۶۲۷ھ میں اس کا درس سنا تھا، ابن یعیش ادب میں سند مانا جاتا تھا۔ المازنی کی تصریف پر ابن جنّی کی شرح کے حاشیے کے علاوہ اس نے الزمخشری کی المُفَصّل کی بھی ایک مبسوط شرح لکھی، جس میں اس نے زمخشری سے اکثر اختلاف رائے کیا ہے۔ مؤخر الذکر تصنیف کو G. Jahn (لائپزگ ۱۸۸۲-۱۸۸۶ء) نے طبع کیا ہے۔

ابن یعیش نے ۲۵ جمادی الاولٰی ۶۴۳ھ/ ۱۸ اکتوبر ۱۲۴۵ء کو حلب میں وفات پائی اور وہیں مقام ابراہیم میں دفن ہوا۔

مآخذ: (۱) ابن خَلِّکان: طبع Wüstenfeld، عدد ۸۴۳؛ (۲) السُّیوطی: بغیة الوعاة، ۴۱۹؛ (۳) حاجی خلیفہ، طبع Flügel، ۲: ۳۰۴؛ ۶: ۳۹؛ [(۴) ارشاد الأریب، ۳: ۴۷، ۷۷؛ (۵) معجم البلدان، ۱: ۷۵۷؛ (۶) اعلام النبلاء، ۴: ۴۱۱؛ (۷) مفتاح السعادۃ، ۱: ۱۵۸؛ (۸) مرآۃ الجنان، ۴: ۱۰۶؛ (۹) شذرات الذهب، ۵: ۲۲۸]؛ (۱۰) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۲۹۷ [و تکملہ، ۱: ۵۲۱].

(C. VAN ARENDONK)

⊗ **ابن یمین**: امیر فخر الدّین محمود بن امیر یمین الدّین محمد (۶۸۵-۷۶۹ھ/ ۱۲۸۶-۱۳۶۸ء)، ایران کا ایک مشہور شاعر، جو اصلاً ترک تھا۔ اس کے اجداد علم و ہنر کے اعتبار سے مشہور تھے اور شاہی دیوان کے مختلف عہدوں پر فائز رہے (ابن یمین: کلّیات، نسخۂ کتاب خانۂ جامعہ، استانبول، مخطوطات فارسی، شمارہ ۴۹۲، مقدمہ، ورق ۲ ب)۔ اس کا باپ امیر یمین الدّین محمد دیکھیے دولت شاہ: تذکرۃ الشعراء، طبع براؤن (E. G. Browne)، لائڈن ۱۹۰۱ء، ص ۲۷۲-۲۷۵) اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے تھا۔ تاریخ ادبیاتِ ایران کے جملہ مؤرخین دولت شاہ (تذکرہ، طبع مذکور، ص ۲۷۳) کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر متفق ہیں کہ ابن یمین کا والد امیر یمین الدّین محمد، سلطان محمد خدا بندہ کے عہدِ سلطنت (۷۰۳-۷۱۶ھ/ ۱۳۰۴-۱۳۱۶ء) میں خراسان کے شہر فَرْیُومَدْ میں آیا اور وہاں املاک و اسباب خرید کر قیام پذیر ہو گیا تھا اور ابن یمین اسی شہر میں پیدا ہوا؛ لیکن یہ روایت قابلِ قبول نہیں، کیونکہ محمد خدا بندہ کا عہدِ سلطنت ۷۰۳ھ/ ۱۳۰۴ء سے شروع ہوتا ہے اور ابن یمین، جیسا کہ اس کی نسبت فَرْیُومَدی سے معلوم ہوتا ہے، یقیناً اسی شہر میں پیدا ہوا تھا؛ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی پیدائش کی تاریخ اس سال سے پہلے کی ہو اور ابن یمین کا باپ لازم ہے کہ محمد خدا بندہ کی سلطنت کے آغاز سے پہلے اس شہر میں آیا ہو۔ امیر یمین الدّین اس شہر میں خراسان کے صاحب دیوان، وزیر علاء الدّین محمد کی نظروں میں واجب الاحترام بن گیا اور وزیر مذکور پوری طرح سے اس کی نگہداشت کرنے لگا۔

امیر محمود کا بیٹا ابن یمین فَرْیُومَدْ کے شہر میں ۶۸۵ھ/ ۱۲۸۶ء کے نواح میں پیدا ہوا (دیکھیے سعید نفیسی: دیوان ابن یمین، تہران ۱۳۱۸ھ ش، ج ۱: ص الف)۔

ممکن ہے ابن یمین نے ابتدائی تعلیم اپنے باپ سے حاصل کی ہو، جو ایک اچھا شاعر اور ادیب تھا (تاریخ وفات ۴ محرم ۷۲۲ھ/ ۲۳ جنوری ۱۳۲۲ء، از

روے قطعۂ تاریخ، ابن یمین: کلّیات، نسخۂ مذکورہ، ورق ۴۵۸؛ لیکن دولت شاہ: تذکرہ، ص ۲۷۴، میں اس کی تاریخِ وفات ۷۲۴ھ لکھتا ہے)۔ ابن یمین چونکہ مستوفی اور طغرائی کے القاب سے مشہور ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ وہ سَرَبُداروں کے دربار میں ان منصبوں پر فائز رہا ہو۔ اگرچہ وہ صرف سَرَبُدار حکمرانوں کی مدح خوانی کے لیے مشہور ہے لیکن اس کے دیوان کے کامل نسخے میں (دیکھیے نیچے) وزیر غیاث الدّین ابن رشید الدّین فضل اللہ (م ۷۳٦ھ/۱۳۳٦ء) کی مدح میں بھی قصائد ملتے ہیں (مثلاً کلّیات، نسخۂ مذکور، ورق ۲۳۵ الف ببعد)۔ ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن یمین تبریز گیا تھا اور کچھ عرصے وہاں رہا تھا، اس کے سوا اس نے باقی ساری عمر اپنے وطن میں یا اس کے آس پاس گزاری اور قریب کے بادشاہوں اور امیروں کی مدح سرائی کرتا رہا۔ اس کے بیشتر قصائد سربدار بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ وجیہ الدّین مسعود بن فضل اللہ (۷۳۸-۷۴۵ھ/ ۱۳۳۸-۱۳۴۴ء) کی تعریف و توصیف میں ہیں، جیسا کہ خود ابن یمین کا بیان ہے (کلّیات، نسخۂ مذکورہ، ورق ۵ ب ببعد، اور یہیں سے نقل کرتے ہوئے فصیحی: مجمل؛ براؤن (E. G. Browne): *History of Persian Literature under Tartar Dominion*، کیمبرج ۱۹۲۰ء، ص ۲۱۲ ببعد) کہ سفر و حضر میں وہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وجیہ الدّین سربداری مذکور اور ایک کُرت بادشاہ معز الدّین محمد کے مابین زاوہ اور خَواف کے شہروں کے درمیان جنگ ہوئی، جس میں وجیہ الدّین کو شکست ہوئی۔ اس لڑائی کے دوران میں ابن یمین کا دیوان لٹیروں کے ہاتھ لگ کر گم ہو گیا اور اس کے بعد کبھی نہ ملا۔ دولت شاہ (تذکرہ، طبع مذکور، ص ۲۷٦) کے قول کے مطابق ابن یمین نے ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء میں وفات پائی، لیکن اس کی کلّیات میں ایسے تاریخی قطعے موجود ہیں جن کا سال ۷۵۴ھ/۱۳۵۳-۱۳۵۴ء ہے، لہٰذا دولت شاہ کے قول کو درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف فصیحی نے مجمل میں اس کی تاریخ وفات ۸ جمادی الاُخرٰی ۷٦۹ھ/۳۰ جنوری ۱۳٦۸ء رقم کی ہے، جو بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ابن یمین کی تصانیف: جیسا کہ اوپر بیان ہوا اس کا دیوان، جسے خود ابن یمین نے مرتّب کیا تھا، ۷۴۳ھ/۱۳۴۳ء میں گم ہو گیا تھا۔ ابن یمین نے اپنا دیوان تلاش کرنے کی بہت کوشش کی اور اسے حاصل کرنے کے لیے کُرت حکمران معز الدّین کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھ کر بھیجا، لیکن وہ دیوان نہ ملا۔ ابن یمین مجبورًا ان شعروں اور قطعوں کو جمع کرتا رہا جو اس کے دوستوں اور دیگر فاضل اشخاص نے "جرائد و سفائن" [یعنی بیاضوں اور یادداشت کی کتابوں] میں لکھ رکھے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے گزشتہ زمانے کے سب اشعار پوری طرح جمع نہیں کر سکا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے اشعار اکثر قطعات ہی کی صورت میں ملتے ہیں۔ اس کے باوجود جو اشعار اس نے اس واقعے کے بعد کہے اور جو اسے گم شدہ دیوان میں سے دستیاب ہوے ان سب کو ملا کر اس نے ۷۵۳ھ/ ۱۳۵۲-۱۳۵۳ء میں ایک نئی کلّیات مرتّب کی (دیکھیے کلّیات، نسخۂ مذکورہ، ورق ٦ ب)، اسی طرح اس نسخے میں جس کا حال شپرنگر (A. S. Sprenger) نے *Catalogue of the Arabic, Persian..... Manuscripts of the Libraries of the kings of Oudh*، کلکتہ ۱۸۵۴ء، ۱: ۴۳۳، میں دیا ہے، لیکن ان نسخوں میں جو ڈورن (B. Dorn) نے *Catalogue des manuscrits et xylographes orientaux de la Bibliothéque Impériale Publique de St. Pétersbourg*، سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۵۲ء، ص ۳۵۸ میں اور مولوی عبد المقتدر نے *Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Oriental Public Library at Bankipur*، کلکتہ ۱۹۰۸ء، ۱: ۸۰۴ میں تاریخ ۷۵٦ھ دی ہے.

ابن یمین نے اس جدید کلّیات پر ایک مقدّمہ بھی لکھا ہے، جس میں اس نے اپنا حال اور کلّیات کی ترتیب کی کیفیت وضاحت سے بیان کی ہے۔ بعض مؤلفین، جو ابن یمین کی تاریخ وفات ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء متصوّر کرتے ہیں، اس کلّیات اور اس کے مقدمے کو ابن یمین سے منسوب کرنے کے بارے میں شبہے میں پڑ گئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ کلّیات ابن یمین کے معاصرین میں سے کسی نے مرتّب کی ہے اور اس کا مقدّمہ بھی اسی شخص نے لکھا ہے (قبّ ایتے (Ethé): *Cat. of the Persian Mss. in the library of the India Office*، ۱: ۷۷۱؛ مولوی عبد المقتدر: کتاب مذکور، ص ۲۰۴، ۲۰٦)؛ لیکن اس بارے میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ حمد و نعت کے بعد اس مقدّمے کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے: "اما بعد ان مقالات کا لکھنے والا اور ان کلمات کا کہنے والا المحمود ابن یمین المستوفی الفَرِیُومَدی یوں کہتا ہے...... الخ۔" اور آخر میں یہ لکھا ہے کہ: "وجری ذلک فی غرة شوّال سنة ثلاث و خمسین و سبعمائة" (نسخۂ مذکور، ورق ۲ الف و ۷ ب).

اس کلّیات میں ابن یمین کے نظم کردہ کل پندرہ ہزار ابیات ہیں اور کتاب قطعات (نسخۂ مخطوطۂ مذکورہ) میں تقریبًا ٦۴۰۰ ابیات ہیں، کتاب قصائد (مشتمل بر تقریبًا ۱۸۰۰ ابیات)، کتاب غزلیات (جس میں غزلیں حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہیں، تقریبًا ۳۷۰۰ ابیات)، رسالۂ کنز الحکمة، (بحر متقارب مقصور و محذوف میں ایک بہت چھوٹی سی مثنوی، اس جگہ یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ چھوٹی سی مثنوی جس کا ذکر فہرست مخطوطات فارسیہ، بانکی پور، ۱: ۲۰۷، میں نصیحت بزر جمہر کے نام سے کیا گیا ہے اسے نسخۂ مذکورہ میں کنز الحکمة کے ایک حصّے کی طرح لکھا گیا ہے، اور رباعیات (کوئی ۳۵۰ رباعیاں)۔ ان کے علاوہ ابن یمین کی ایک اور چھوٹی سی مثنوی رسالۂ کارنامہ کے نام سے بھی موجود ہے۔ یہ مثنوی بحر ہزج میں ہے اور اس میں شاعر کے اپنے زادبوم فریومد اور ان لوگوں کا بیان ہے جو اس سے تعلّق رکھتے تھے۔ یہ مثنوی

۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء میں لکھی گئی تھی (دیکھیے مولوی عبدالمقتدر: کتاب مذکور، ۲۰۶ بعد).

ابن یمین کے منظوم کلام میں سب سے زیادہ مشہور اس کی کلّیات کے قطعات ہیں، جن کا ایک نسخہ یا ایک سے زائد نسخے ہر ایسے کتب خانے میں موجود ہیں جہاں مشرقی مخطوطات ہیں اور یہ قطعات کئی مرتبہ طبع ہو کر شائع بھی ہو چکے ہیں: کلکتہ ۱۸۶۴ء، بھوپال ۱۸۹۰ء۔ V. Schlecta-Vssehrd نے ابن یمین کے ۱۶۴۱ قطعات کو جرمن ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے، بعنوان *Ibn Yemin's Bruchstücke*، وی انا ۱۸۸۷ء۔ روڈوِل (E. H. Rodwel) نے ایک سو قطعات تنقیدی متن اور انگریزی ترجمے کے ساتھ چھاپے ہیں، بعنوان *100 Short Poems, the Persian Text with Paraphrase*، لنڈن ۱۹۳۳ء؛ اور آخر میں سعید نفیسی کی تصحیح سے اس مکمّل نسخے کے مطابق جو تہران میں ہے (دیکھیے ض۔ حدائق: فهرست کتاب خانهٔ مجلس شورای ملی، کتب خطی فارسی، تہران ۱۳۲۱ھ ش، ص ۲۰۴) دیوان کی ایک جلد طبع ہوئی ہے (تہران ۱۳۱۸ھ ش)۔ یہ جلد قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے اور اس میں ۵۱۳۰ بیت ہیں.

ابن یمین کی کلّیات یا اس کے دیوان کی چونکہ زیادہ اشاعت نہیں ہوئی اور ہر شخص کا یہی خیال ہے کہ اس کا دیوان گم ہو چکا ہے اس لیے ابن یمین صرف اپنے قطعات کی وجہ سے مشہور ہے اور قطعات کا سب سے بڑا استاد مانا جاتا ہے۔ ابن یمین اپنے اشعار میں اخلاقی اور صوفیانہ خیالات بیان کرتا ہے، لیکن اس کے افکار اکثر دوسرے اخلاقی شاعروں کے افکار کی مانند ہیں اور اس کا تصوف وحدتِ وجود پر منتہی ہوتا ہے؛ تاہم ابن یمین ایک قنوطیت پسند (pessimistic) شاعر ہے۔ اس کی نگاہ میں عالم حادثات کے تسلسل اور تعاقب سے عبارت ہے، جن کی غرض و غایت معلوم نہیں۔ ابن یمین بالخصوص یہ نہیں سمجھ سکا کہ جب انسان کی تقدیر ارادۂ خداوندی کے تابع ہے تو آخرت میں لوگ اپنے افعال کے لیے مسئول اور مستوجب سزا کیوں ٹھیرائے جائیں گے؛ نیز چونکہ ابن یمین اس جہاں کو بے مقصد اور بے سبب گردانتا ہے اس لیے وہ [معاشرے کی] اساس بیتی (family) کا قائل نہیں، چنانچہ ایک قطعہ میں کہتا ہے کہ اگرچہ باپ بیٹے پر بہت سے احسانات کرتا ہے تاہم بیٹے کے لیے ضروری نہیں کہ باپ کا احسان مانے، کیونکہ باپ ہی نے اسے اس حوادث کے مقام یعنی دنیا میں وجود کی زحمت میں مبتلا کیا ہے۔ اس کے باوجود ابن یمین ایسے اشعار میں جو عملی اخلاق سے تعلّق رکھتے ہیں کسی قدر کم قنوطی ہے۔ وہ نصیحت کرتا ہے کہ زندگی کو چند حقیقی دوستوں کے ساتھ مل کر مزے سے گزارنا چاہیے؛ ایثار، کبر و غرور سے نفرت، حقیقی دوستی، وفاداری، راستی اور درستی، یہ سب ایسے خصائل حسنہ ہیں جو ہر شخص کو حاصل کرنا چاہییں۔ ابن یمین نے ان خیالات کو اپنی نظموں میں ایسے طریق سے بیان کیا ہے جو سہل ممتنع سے قریب ہے اور اس بنا پر اسے ایران کے بڑے بڑے شعرا کی صف میں شمار کیا جانا چاہیے.

ابن یمین خود اپنی کلّیات کے مقدمے میں کہتا ہے کہ وہ نثر نویسی میں بھی کسی قدر مشغول رہا ہے اور ''دُرِّ منثور سے عاطل اور اس کے فضائل سے غافل'' نہیں تھا (نسخۂ مذکورہ، ورق ۵ الف)۔ وہ اپنے باپ کے نام اور دوستوں کے نام برابر خط لکھتا رہا۔ اس کے دو منثور خط مجلۂ آیندہ (سال ۲، ص ۴۳۸-۴۴۰) میں شائع ہو چکے ہیں اور اسی مجلّے میں (ص ۴۲۰-۴۲۲) ان خطوں پر ملک الشعراء بہار کی طرف سے تنقید بھی چھپی ہے۔ اس کی کلّیات کے آخر میں تین خط درج ہیں۔ ان خطوط اور کلّیات کے مقدمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن یمین نثر نویسی میں بھی خوب ماہر تھا، کیونکہ اس کے خطوط طرزِ تحریر، شیرینی کلام اور جزالتِ الفاظ کے اعتبار سے اس قابل ہیں کہ انھیں نثر فارسی کے بہترین نمونے سمجھا جائے.

مآخذ: ان کے علاوہ جن کا ذکر متن میں آ چکا ہے: (۱) هفت اقلیم، نسخہ در کتاب خانۂ جامعہ، استانبول، مخطوطات فارسی، عدد ۲۳۰، ورق ۲۸۴ بعد؛ (۲) خواند میر: حبیب السیر، بمبئی ۱۲۷۱-۱۲۷۳ھ، ۲: ۷۸ بعد؛ (۳) لطف علی بک آذر: آتشکده، ص ۱۱؛ (۴) رضا قلی خاں: مجمع الفصحاء، تہران ۱۲۹۵ھ، ۲: ۲ بعد؛ (۵) Rieu: *Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum*، ص ۸۲۵، ۸۷۱؛ (۶) وہی مصنّف: *Suppl.*، شمارہ ۲۶۱-۲۶۲، ۱۰۷؛ (۷) Ethé: *Grundriss der iranische Philologie*، ۲: ۳۰۳ بعد؛ (۸) براؤن: از سعدی تا جامی، ترجمۂ علی اصغر حکمت (با تصحیحات و علاوات)، تہران ۱۳۲۷ھ ش/۱۹۴۸ء، ص ۲۲۹ بعد؛ (۹) رشید یاسمی: ابن یمین، تہران ۱۳۰۳ھ ش؛ (۱۰) H. Massé: *Anthologie Persane*، پیرس ۱۹۵۰ء، ص ۲۱۲ بعد؛ [(۱۱) مآخذ، جو آ، لائڈن طبع اوّل، ۲: ۴۲۸، میں درج ہیں].

(احمد آتش)

---

* **ابن یُونُس**: پورا نام ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس الصَّدَفی المصری، جو ابوالوفا اور البتّانی کے قول کے مطابق غالبًا عربوں کا سب سے بڑا ہیئت دان تھا۔ اس کا باپ ابوسعید عبدالرحمٰن بن احمد بھی ابن یونس ہی کہلاتا تھا۔ وہ بھی ایک نامور مؤرّخ اور محدّث تھا اور ۳۴۷ھ/۹۵۸-۹۵۹ء میں قاہرہ میں فوت ہوا۔ ابن یونس کا سال پیدائش معلوم نہیں، لیکن اس کا انتقال ۳ شوال ۳۹۹ھ/۳۱ مئی ۱۰۰۹ء کو قاہرہ میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ہیئت اور نجوم کے علاوہ علم وحکمت کی دوسری شاخوں میں بھی اسے اچھی خاصی دسترس حاصل تھی اور وہ ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ ابن خلِکان نے اس کے مخصوص طور طریقوں کے بارے میں، جن کا اظہار زیادہ تر اس کے لباس میں ہوتا تھا، ہم عصر مآخذ سے لے کر کئی ایک قصے بیان کیے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی تصنیف حاکمی زیجات (الزیج الکبیر الحاکمی) ہے، جس کی ابتدا اس نے فاطمی خلیفہ العزیز کے حکم سے ۳۸۰ھ/۹۹۰ء کے قریب کی اور تکمیل اس کے بیٹے الحاکم کے زمانے میں اپنی وفات سے

کچھ پہلے۔ بدقسمتی سے یہ زیجات اب مکمل شکل میں محفوظ نہیں، البتہ ان کے کچھ حصّے لائڈن، اوکسفرڈ، پیرس، اسکوریال، برلن اور قاہرہ میں موجود ہیں۔ کوسن (Coussin) نے ان کے چند ایک ابواب کا ترجمہ *Notices et extraits des manuscripts de la Bibliothèque nationale*، ۷: ۱۶-۲۴۰ میں شائع کیا تھا، جن میں کسوف و خسوف اور سیّاروں کے قرانات سے متعلق قدیم تر ہیئت دانوں کے اور خود اس کے اپنے مشاہدات مندرج ہیں۔ دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے پیشرووں کے مشاہدات اور فلکی مستقلات (constants) پر ان کے بیانات کی جانچ پڑتال اور اصلاح کرے، جس میں مُقطّم کی اعلٰی ساز و سامان سے آراستہ رصدگاہ سے اسے بیش قیمت مدد ملی۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے کروی مثلثات (trigonometry) میں prosthapherical قاعدہ (Formula) بیان کیا، یعنی ($\phi\ \cos. = \frac{1}{2}\{\cos(\phi+\delta)+\cos(\phi-\delta)\}$ cos) [جم فہ جم صہ = ½ {جم (فہ+صہ) + جم (فہ-صہ)}] جو لوگارتم (Logar-ithms) کی ایجاد سے پہلے ہیئت دانوں کے لیے بڑا کارآمد ثابت ہوا، کیونکہ اس سے ستّینی کسروں میں مثلثی تفاعلوں کے پیچیدہ حاصل ضرب کو جمع میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ کرۂ فلکی کی افق اور نصف النّہار کے مستوی پر قائم تظلیل کی مدد سے کروی ہیئت کے کئی ایک مشکل سوالات حل کرنے میں بھی اس نے بڑی مہارت دکھائی۔

مآخذ: (۱) ابن القفطی (طبع Lippert)، ص ۲۳۰؛ (۲) ابن خلّکان (قاہرہ ۱۳۱۰ھ)، ۱: ۳۷۵، ترجمہ از M. Guckin de Slane، ۲: ۳۶۵؛ [(۳) ابن العماد: شذرات الذہب، ۳: ۱۵۶ بعد؛ (۴) الیافعی: مرآۃ الجنان، ۲: ۴۵۱؛ (۵) ابن الوردی، ۱: ۳۲۰؛ (۶) الفہرس التمہیدی، ص ۴۹۱، ۵۰۱؛ (۷) مجلّہ المقتطف، ۸۰: ۱۱۵؛] (۸) v. Braunmühl: *Vorlesgn. über Gesch. d. Trig-onom*، ۱: ۶۱-۶۳؛ (۹) Delambre: *Hist. de l'astron. du moy-en-âge*، پیرس ۱۸۱۹ء، ص ۷۶ بعد؛ (۱۰) Suter: *Abhandlgn. z. Gesch. d. math. Wissench.*، ج ۱۰ (۱۹۰۰ء): ۷۷-۷۹؛ [(۱۱) Brockelmann، ۱: ۲۲۴ و تکملہ، ۱: ۴۰۰].

(H. SUTER)

----

* **الابناء:** (بیٹے) اسم خاص کے طور پر اس کا اطلاق حسبِ ذیل پر ہوتا ہے:-

(۱) سعد بن زید مناۃ بن تمیم کی اولاد پر، اس کے دو بیٹوں کعب اور عمرو کو چھوڑ کر۔ یہ قبیلہ الدّہناء کے ریگستانی علاقے میں آباد تھا (قب F. Wüsten-feld: *Register zu den geneal. Tabellen der arab. stämme*).

(۲) یمن کے ایرانی مہاجرین کی اولاد پر۔ خسرو انوشیروان (۵۳۱-۵۷۹ء) کے عہد میں اور سیف بن ذی یَزَن کے عہد حکومت میں ایرانیوں کی یمن میں مداخلت کے حالات کے لیے، جیسے کہ عرب مصنّفوں نے بیان کیے ہیں؛ قب مادّہ سیف بن ذی یزن۔ غیر ملکی فوجوں کے ہٹ جانے پر سیف کو قتل کر دیا گیا اور ملک کو پھر اہلِ حبشہ نے تسخیر کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی سپہ سالار وَہرِز کو واپس آنا پڑا۔ اس دفعہ اہلِ حبشہ کے اقتدار کا کلّی طور پر خاتمہ کر دیا گیا اور یمن کا ملک ایران کا باج گزار بن گیا۔ نبی [اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم] کے وقت میں یمن کے ایرانی حاکم باذام (باذان) نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسلام قبول کرلیا اور رسول [اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم] کی سیادت تسلیم کرلی، لیکن بعدازاں یمن میں فتنہ و فساد برپا ہوگیا، جس سے نظامِ حکومت بالکل معطّل ہوگیا۔ بالآخر [حضرت] ابوبکر[رض] کے عہد خلافت میں جا کر امن و امان قائم ہوا (نیز قب مادۂ الیمن).

مآخذ: (۱) نولدیکہ (Th. Nöldeke): *Gsch. d. Perser u. Ar-aber zur Zeit der Sassaniden*، ص ۲۲۰ بعد؛ (۲) دخویہ (M. J. de Goeje)، طبری کی فرہنگ میں بذیل مادّہ؛ (۳) Caetani: *Annali dell' Islam*، اشاریہ، ۲: ۱۲۵۱.

(K. V. ZETTERSTÉEN)

(۳) ابناء الدولہ: یہ اصطلاح خلفاے بنی عباس کے عہد کی ابتدائی صدیوں میں عباسی خاندان کے افراد کے لیے استعمال ہوتی تھی؛ بعدازاں اس کے مفہوم کو وسعت دے کر اس کا اطلاق ان خراسانی اور دیگر موالی پر بھی ہونے لگا جو اس خاندان کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد اس میں شامل ہوگئے تھے۔ یہ لوگ ایک ممتاز اور بارسوخ گروہ کے طور پر تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی تک موجود رہے، مگر بعدازاں ترکی اور دوسری فوجوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے سامنے ماند پڑ گئے۔

مآخذ: (۱) الجاحظ: فضائل الاتراک، بمواضع کثیرہ؛ (۲) J. Wellhausen: *Das Arab. Reich.*، ص ۳۴۷ بعد (ترجمہ انگریزی، ص ۵۵۶ بعد)؛ (۳) A. Mez: *Renaissance des Islam*، ص ۱۵۱ (ترجمہ انگریزی، ص ۱۵۵ بعد).

(۴) ابناء الاتراک: ایک اصطلاح ہے، جو مملوکوں کی سلطنت میں کبھی کبھی مملوکوں کے شام یا مصر میں پیدا ہونے والے اخلاف کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ اس کا بدل اولاد النّاس [رکّ بآن] ہے، جو زیادہ مستعمل ہے.

(۵) ابناے سپاہیان: ایک اصطلاح ہے، جو کبھی کبھی عثمانیوں کے سرکاری کاغذات میں سپاہی اوغلان لری، یعنی عثمانی مستقل فوج کے رسالے کے چھے دستوں میں سے پہلے دستے کے سپاہیوں کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ ان کا شمار ''غلامان در'' (قپوقولی) میں ہوتا تھا۔

مآخذ: (۱) H. A. R. Gibb و بوِوِن (H. Bowen): *Islamic Society and the West*، ۱/۱: ۶۹ بعد، ۳۲۶ بعد؛ (۲) اسمٰعیل حقّی اوزون

چارشیلی: عثمانلی دولتی تشکیلا تنیدن قپوقولی اوجاقلری، ۱۹۴۴ء، ۲: ۱۳۸ بعد.

(B. LEWIS)

----

* **اَبنُوس**: رَكَ بہ آبنُوس

----

* **اَبنِیَہ**: رَكَ بہ بناء

----

* **اَبُو**: رَكَ بہ کُنْیَۃ

----

* **اِبو**: یہ عثمانی ترکی میں اَبُو کا تلفظ ہے، رَكَ بہ کُنْیَۃ

----

* **اَبو آم**: تافِیلالت کا مرکزِ حکومت، اس صوبے کے اَور حصّوں کی طرح ابو آم کی سیاحت بھی بہت ہی کم یورپیوں نے کی ہے: یعنی رینے کیلے (Rene Caille)، روہلفس (Rohlfs)، شمٹ (Schmidt)، ہیرس (Harris) اور دِلبرِل (Delbrel)۔ یہ ایک نہایت اہم تجارتی مرکز ہے۔ فرانسیسیوں کے توات (Twat) پر قبضہ کر لینے سے پہلے سوڈان، صحرا اور جنوبی مَرّاکُش کی تجارت ابو آم میں مرتکز ہوتی تھی۔ فاس کے بہت سے سوداگروں نے وہاں بود و باش اختیار کر لی ہے۔ ہفتے میں تین بار یہاں ہاٹ لگتا اور خوب گہما گہمی ہوتی ہے۔ کھجور، نمک اور کھالیں یہاں کی خاص پیداوار ہیں، جو باہر مبادلے میں جاتی ہیں۔ تافِیلالت کا چمڑا شمالی افریقہ میں بہت مشہور ہے۔ یہاں کی کھجوریں اس سارے علاقے میں بہترین سمجھی جاتی ہیں، لیکن جنوبی قسنطینہ (Constantine) اور جنوبی تونس کی کھجوروں سے ادنٰی قسم کی ہوتی ہیں، ابو آم سے تھوڑے فاصلے پر مشرق کی جانب مولاے علی شریف کا مزار ہے، جو اس علاقے کے بڑے ولی اللہ اور مرّاکُش کے موجودہ حکمران خاندان کے مورثِ اعلٰی تھے۔ یہ مقام بڑی محترم زیارت گاہ ہے، جہاں زائرین جوق در جوق آتے ہیں۔ ابو آم سے کوئی ایک گھنٹے کی مسافت پر قصر رِسانی (Risāni) واقع ہے، جہاں حکّام سکونت پذیر ہیں۔ مغرب کی جانب تھوڑے سے فاصلے پر مشہور شہر سِجِلْماسَہ [رَكَ بآن] کے کھنڈر نظر آتے ہیں، جو آج کل ''المدینۃ الحمراء'' (شہر سرخ) کہلاتا ہے۔

مآخذ: (۱) Rohlfs: *Reise durch Marokko*، بریمن (Bremen) ۱۸۶۸ء، ص ۵۳ بعد؛ اطلاعات کا بڑا ماخذ یہی ہے؛ (۲) Schandt، در *Zeitschr. d. Gesellsch. für Erdk. zu Berlin*، ۱۸: ۲۹ بعد؛ (۳) Lacroix کے فرانسیسی تراجم زیرِ عنوان *Voyage au Maroc*، ص ۴۵-۴۶؛ (۴) ہیرس (Harris): *Tafilelt* (لنڈن ۱۸۹۵ء)، ص ۲۲۹، ۲۷۴؛ (۵) Delbrel: *Notes sur le Tafilelt*، در *Bul. de la soc. géogr.* (پیرس ۱۸۹۴ء)، طبع دوم، ص ۱۹۹ بعد؛ (۶) Dstugue: *Quelques mots au sujet de Tafilet de Sidjilmassa*، (وہی مجلّہ، اپریل ۱۸۶۷ء)، ص ۳۳۷ بعد.

(E. DOUTTÈ)

----

* **ابو اسحٰق الاَلبیری**: ابراہیم بن مسعود بن سعید التُّجِیبی، ایک اندلسی فقیہ اور شاعر اور، جیسا کہ اس کی نسبت سے ظاہر ہے، باشندۂ اِلبِیرہ (Elvira)، جس کی جگہ ملوک الطوائف کے صد سالہ عہدِ حکومت میں قریب کے شہر غرناطہ نے لے لی۔ اس کی زندگی کے متعلّق بہت کم باتیں معلوم ہیں۔ وہ چوتھی/دسویں صدی کے آخری سالوں میں پیدا ہوا اور غرناطہ کے بادشاہ بادِیس بن حَبُوس کے عہد میں قاضی علی بن محمد بن توبہ کا کاتب تھا اور اس کے علاوہ درس بھی دیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی نظموں میں مملکتِ غرناطہ میں یہودیوں کے بڑھتے ہوے اقتدار کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا ہے اور بالخصوص ان اختیارات کے خلاف جو اس کے نزدیک بہت زیادہ اہم تھے اور جو مشہور وزیر سیموئیل ہا۔نگید (Samuel ha-Nagid) ابن نگریلا (Ibn Nagrella) کو اور اس کی وفات پر اس کے بیٹے یوسف کو، جو ۴۴۸ھ/۱۰۵۶-۱۰۵۷ء میں اس منصب پر اس کا جانشین ہوا، تفویض کر دیے گئے۔ بلا شبہہ مؤخر الذکر ہی کی تحریک تھی کہ بادیس نے اس فقیہ کو مجبور کیا کہ وہ کوہستان البیرہ (Sierra de Elvira) میں العقاب کے رابطے میں سکونت اختیار کر لے، مگر ابو اسحٰق نے بادشاہ کا حکم نہ مانا۔ اس کی وہ مشہور سیاسی نظم جس پر اس کی شہرت کا زیادہ تر انحصار ہے غرناطہ کے اس قتل عام کا واحد سبب نہ سہی لیکن ایک سبب ضرور بنی جو ۹ صفر ۴۵۹ھ/ ۳۰ دسمبر ۱۰۶۶-۱۰۶۷ء کو وہاں ہوا اور جس میں یوسف بن نگریلا اور اس کے تین ہزار ہم مذہب قتل کر دیے گئے۔ ابو اسحٰق الالبیری اس کے تھوڑے عرصے بعد اسی سال کے آخر یعنی ۴۵۹ھ/۱۰۶۷ء میں فوت ہو گیا۔

اس انتہائی اشتعال انگیز نظم کے علاوہ، جس کی طرف عرصہ ہوا ڈوزی (Dozy) نے توجہ دلائی تھی، ابو اسحٰق نے نظموں کا ایک مجموعہ چھوڑا ہے، جس کی اکثر نظمیں زاہدانہ رنگ کی ہیں اور جو اس نے بظاہر خاصی عمر گزر جانے کے بعد لکھی ہیں۔ یہ دیوان، جس کا ایک مخطوطہ اسکوریال (عدد ۴۰۴) میں محفوظ ہے، مقالۂ ہٰذا کے مصنف نے ایک مقدمے کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ نظموں کا یہ مجموعہ اوسط درجے کی تہذیب کے حامل ایک اندلسی فقیہ کی محدود شاعرانہ صلاحیتوں کا نمونہ ہے، جس کا زورِ بیان صرف اس وقت عروج پر پہنچتا ہے جب اس کا موضوع اس کے غیر روادارانہ تعصّبات کا اظہار کرتا ہے۔

مآخذ: (۱) الضَّبّی [: بغیة الملتمس]، شمارہ ۵۲۰؛ (۲) ابن الأبّار: تکملة (الجزائر)، شمارہ ۳۵۲؛ (۳) ابن الخطیب: احاطة، ایک مقالہ، جو ڈوزی (R. Dozy) نے نقل کیا ہے، *Rech.*، طبع ثالث، ۱: ۲۸۲-۲۹۴ اور ضمیمہ ۲۶ (Poème d' Abou Ishak d' Elvira contre les Juifs de Grenade)؛ (۴) وہی مصنّف: *Hist. mus. Esp.*، طبع ثانی ۳: ۷۰-۷۳؛ (۵) E. Garcia Gómez: *Un*

alfaqui espãnol: Abū Ishāq de Elvira، میڈرڈ۔غرناطہ ۱۹۴۴ء؛(٦) براکلمان (Brockelmann) تکملہ، ۱:۴۷۹-۴۸۰.

(E. GARCÍA GÓMEZ)

✱ **ابواسحٰق**: رک بہ الصّابیٔ والشّیرازی.

✱ **ابوالاَسْوَد الدُؤَلی**: (یا المغربی عربی کے تلفظ کے مطابق الدِیْلی بنو کنانہ کے ایک قبیلے دُئِل بن بکر سے اسم نسبتی)، [حضرت] علیؓ کا ایک ساتھی۔ اس کا نام (ظالم بن عمرو [بن سفیان بن جندل]) اور نسب دونوں غیر یقینی ہیں۔ اس کی ماں قریش کے قبیلۂ عبدالدّار بن قُصَیّ سے تھی اور وہ غالبًا ہجرت سے چند سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ [حضرت] عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بصرے گیا۔ وہاں پہلے وہ اپنے قبیلے میں رہا، پھر اس نے بنوہُذَیل کے درمیان بود و باش اختیار کر لی اور کچھ عرصہ اپنی منظورِ نظر بیوی کے رشتہ داروں بنوقُشَیر کے ساتھ ہی رہا، لیکن اپنے شیعی رجحانات نیز اپنی ضدی طبیعت اور حرصِ مال کی وجہ سے وہ اپنے ہمسایوں کے لیے بارِ خاطر بن گیا۔ یہ بات مشتبہ ہے کہ اسے [حضرت] عمرؓ اور [حضرت] عثمانؓ کے عہد میں کوئی سرکاری منصب حاصل تھا، البتہ [حضرت] علیؓ کے عہد میں اسے شہرت و امتیاز حاصل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے [حضرت] عائشہؓ کے ساتھ ناکام گفت و شنید اور اس کے بعد کی جنگ جمل میں حصہ لیا تھا اور جنگ صفّین میں بھی [حضرت] علیؓ کی طرف سے لڑا تھا۔ وہ بصرے میں قاضی یا حاکم بصرہ عبداللہ بن عباس کے کاتب کی حیثیت سے مامور تھا اور کہا جاتا ہے کہ خوارج کے خلاف لڑائیوں میں اسے کسی فوج کی قیادت بھی سپرد کی گئی...... [......کہا جاتا ہے کہ [حضرت] علیؓ نے اسے بصرے کا حاکم مقرر کر دیا تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ [حضرت] ابن عباسؓ جب حجاز جانے لگے تو اسے اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا (الزِرِکْلی)]، لیکن اس عہدے پر فائز ہونے کا موقع اگر اسے ملا بھی تو بہت کم عرصے کے لیے۔ جب [حضرت] علیؓ شہید کر دیے گئے تو اس نے ایک نظم میں (Rescher کی ترتیب کے مطابق شمارہ ۵۹) بنو امیّہ کو اس قتل کا ذمّے دار ٹھیرایا، لیکن اس کے ان جذبات کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی، کیونکہ بصرے میں شیعوں کی تعداد زیادہ نہ تھی (الأغانی، طبع اوّل، ۱۱:۱۲۱)۔ اسے اس کا احساس نہ تھا کہ اس کا اثر و رسوخ بالکل زائل ہو چکا ہے۔ اسے معاویہ کے نمائندے عبداللہ بن عامر سے شکایت کی وجہ پیدا ہوئی، جس سے زمانۂ سابق میں اس کے تعلقات اچھے تھے (نظم، شمارہ ۲۳، ۴٦)۔ اس نے نائب السلطنت زیاد بن ابیہ کی عنایت حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے اور زیاد کے تعلقات [حضرت] علیؓ کے عہدِ خلافت ہی سے کشیدہ چلے آ رہے تھے، جب کہ دیوان مالیات زیاد کی تحویل میں تھا (الأغانی، ۱۱:۱۱۹)۔ اس نے ٦۱ھ/ ٦۸۰ء میں [امام] حسینؓ کی شہادت پر مرثیہ لکھا (شمارہ ٦۱) اور انتقام کی صدا بلند کی (شمارہ ٦۲)۔

آخری واقعہ جس کا ذکر اس کی منظومات میں آیا ہے یہ ہے کہ اس نے ''امیر المؤمنین''، ابن زبیرؓ سے ٦۹ھ/ ٦۸۸ء میں ان کے مامور کردہ حاکم بصرہ کی شکایت کی تھی (ابن سعد، ۵:۱۹)۔ المدائنی کے قول کے مطابق ابوالاسود بصرے میں ٦۹ھ/ ٦۸۸ء کی [طاعون کی] وباے عام کے دوران میں فوت ہوا۔

اس کی نظموں کا مجموعہ، جو السُّکّری نے مرتّب کیا تھا، محفوظ ہے، لیکن اس کے صرف چند اجزا شائع ہوئے ہیں۔ یہ نظمیں زبان اور بیان کے لحاظ سے بہت معمولی ہیں اور فنی اور تاریخی اعتبار سے غیر اہم۔ یہ زیادہ تر روزمرّہ کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کے متعلّق ہیں اور ان میں سے بعض بظاہر جعلی ہیں۔ یہی بات اس مشہور عام روایت کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے جسے غالبًا بصرے کے کسی لغوی نے گھڑ لیا تھا کہ ابوالاسود نے سب سے پہلے عربی صرف و نحو کے قواعد معیّن کیے اور قرآن [پاک] کا اعراب وضع کیا.

مآخذ: (۱) Brockelmann، ۱:۳۷ و تکملہ، ۱:۷۲؛ (۲) O. Rescher: *Abriss*، ۱:۱۳۱-۱۳۳؛ (۳) Th. Nöldeke، در *ZDMG*، ۱۸٦۴ء، ص ۲۳۲-۲۴۰؛ (۴) O. Rescher، در *WZKM*، ۱۹۱۳ء، ص ۳۷۵-۳۹۷؛ (۵) ابن سَعْد، ۷/۱: ۷۰؛ (٦) ابن قتیبہ: الشعر و الشعراء، ص ۴۵۷؛ (۷) المعارف، ص ۲۲۲؛ (۸) الأغانی، طبع اوّل، ۱۱:۱۰۵-۱۲۴؛ (۹) السِّیَرافی: اَخبار، ص ۱۳-۲۲؛ (۱۰) J. W. Fück: *Arabiya*، ٦؛ [(۱۱) صبح الأعشی، ۳:۱٦۱؛ (۱۲) ابن خلّکان: وفیات الاعیان، ۱:۲۴۰؛ (۱۳) الاِصابة، شمارہ ۴۳۲۲؛ (۱۴) ابن عساکر: تهذیب، ۷:۱۰۴؛ (۱۵) المرزبانی، ۲۴۰؛ (۱٦) انباه الرواة، ۱: ۱۳؛ (۱۷) البغدادی: خزانة، ۱:۱۳٦؛ (۱۸) الذریعة، ۱:۳۱۴؛ (۱۹) ابواحمد: اخبار ابی الأسود؛ (۲۰) الحُصْرِی، ۱:۱۱].

(J. W. FÜCK)

✱ **ابوالاَعْوَر**: عمرو بن سفیان السُّلَمی، معاویہ کی فوج کے ایک سپہ سالار۔ وہ سُلَیم کے طاقت ور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے (اور اسی لیے السُّلَمی کہلاتے ہیں)۔ ان کی والدہ ایک عیسائی عورت تھیں اور ان کے والد جنگ اُحد میں قریش کی طرف سے لڑے تھے۔ ابوالاَعْوَر، جو بظاہر [حضرت] نبی [کریم صلی اللہ علیہ وسلم] کے صحابۂ [کرامؓ] کے قریب ترین حلقۂ اصحاب میں سے نہ تھے، غالبًا اس فوج کے ساتھ ملک شام گئے تھے جو یزید بن ابی سفیان کے زیر قیادت تھی۔ جنگ یرموک میں وہ ایک دستۂ فوج کے سردار تھے اور اسی وقت سے انھوں نے اپنے آپ کو مخلصانہ طور پر بنوامیّہ کی قسمت کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ اسی بنا پر وہ [حضرت] علیؓ کی نظر میں قابلِ ملامت ٹھیرے، خصوصًا اس کے بعد جب انھوں نے جنگ صِفّین میں بھی شرکت کی۔ انھوں نے امیر معاویہؓ کے لیے ملک مصر کو سر کرنے میں عمرو بن العاصؓ کی مدد کی اور چند ایک بحری مہمّوں کی قیادت کی۔ علاوہ ازیں انھوں نے سیاسی اور انتظامی قابلیت بھی دکھائی۔ صِفّین میں انھوں نے [حضرت] علیؓ کے

ساتھ گفتگو میں حصّہ لیا اور الاَذْرُح کے مؤتمر کے لیے ابتدائی مسودہ تیار کیا۔ محاصل کی نئی تقسیم کے سلسلے میں انھیں فلسطین کے فلّاحین (کسانوں) کی گنتی کا کام بھی تفویض ہوا۔ امیر معاویہؓ انھیں عمرو بن العاصؓ کی جگہ مصر کا حاکم بنانے کا خیال رکھتے تھے، کیونکہ مؤخر الذکر ضرورت سے زیادہ خودسری کے مرتکب ہو رہے تھے؛ لیکن یہ تجویز عمل میں نہ آئی اور انھیں ولایت الاُرْدُن کا حاکم بنا دیا گیا۔ عرب مؤرخین ان کی انھیں خدمات کی بنا پر انھیں امیر معاویہؓ کے خاص معاونوں میں، یعنی ان لوگوں میں جو ان کے شیعہ یا بطانہ کہلاتے تھے، شمار کرتے ہیں۔ امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت کے اختتام سے پہلے ہی میدانِ سیاست سے ان کا نام گم ہو گیا.

مآخذ: (۱) ابن سَعْد، ۳/ ۲:۱۰۶؛ (۲) ابن رُستہ، ص ۲۱۳؛ (۳) الطبری، بہ اِمدادِ اشاریہ؛ (۴) المسعودی: مرُوج، ۴: ۳۵۱؛ (۵) Michael the Syrian (Chabot)، ۲: ۴۴۲، ۴۴۵، ۴۵۰؛ (۶) البَیْہقی: مَحاسِن، ۱۴۹؛ (۷) ابن الاَثیر: اسد الغابة، ۵: ۱۳۸؛ (۸) ابن حجر: الاِصابة، ۴: ۱۴؛ (۹) H. Lammens: *Etudes sur le règne de Mo'āwia*، ص ۴۲ ببعد.

(H. LAMMENS)

⊗ **ابو اَیُّوب اَنصاریؓ:** خالد بن زَید بن کُلَیب النَّجّاری الخزرجی (بعض دفعہ انھیں مالِک بن نجّار کی نسبت سے المالکی اور انصار کے اَزدی ہونے کی وجہ سے الازدی بھی لکھا جاتا ہے)، ۴۰ عام الفیل یعنی ۳۱ ق۔ھ میں یثرب (مدینۂ منوّرہ) میں پیدا ہوے۔ والدہ کا نام ہند بنت سعد تھا۔ ابن سعد نے زہراء لکھا ہے، جو ممکن ہے لقب ہو۔ یہ حضرت ابوایوبؓ کے والد کی ماموں زاد بہن تھیں۔ حضرت ابوایوب کا قبول اسلام بیعت عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ کے درمیانی وقفے کا واقعہ ہے۔ سنہ ۱۲ نبوی میں جب حضرت مصعب بن عُمَیر تہتّر انصاری مردوں کا قافلہ لے کر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوے تو حضرت ابوایوب بھی اس میں شامل تھے۔ ابن ہشام (ص ۳۰۵-۳۱۲) نے شرکاے عقبہ کی پوری فہرست درج کی ہے، جس میں سب سے پہلا نام ابوایوّب کا ہے۔ اُن ہی کے مکان پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ہجرت کے وقت مسجد نبوی اور اپنے مکان کی تعمیر سے پہلے قیام فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اسی مکان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور زیدؓ بن حارث بھی فروکش تھے۔ ۲۶ ربیع الاوّل کو جمعے کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے پہنچے تھے، گویا اسی دن سے حضرت ابوایوّبؓ کو شرفِ میزبانی حاصل ہوا۔ یہ شرف کتنے عرصے تک رہا؟ یہاں روایات مختلف ہو جاتی ہیں۔ یہ تو متفق علیہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ پہنچنے کے بعد مسجد نبوی اور اپنا مکان بننے تک حضرت ابوایوبؓ ہی کے ہاں قیام پذیر رہے، لیکن مسجد وغیرہ کی تکمیل کب ہوئی؟ ابن حجر نے تہذیب میں لکھا ہے کہ تعمیرِ مسجد تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دار ابوایّوب میں ایک ماہ قیام کیا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ۲۶ ربیع الثانی تک مسجد نبوی کی تعمیر تمام ہو گئی تھی۔ الاصابة میں ابن حجر نے ابن اسحٰق کی روایت سے لکھا ہے کہ ابوامامہ کا انتقال ہوا تو اس وقت مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی اور واقدی کہتا ہے کہ یہ شوّال کا مہینہ تھا۔ اس روایت میں واقدی کی شمولیت نے ضعف پیدا کر دیا ہے۔ ابن ہِشام کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے پہنچنے کے بعد ماہ ربیع الاوّل سے دوسرے سال کے ماہ صفر تک وہاں قیام رکھا، تا آنکہ اس سال مسجدِ نبوی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکانات بن گئے.

ہجرت کے پانچ ماہ بعد رجب ۱ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے مکان پر انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور ان میں مواخات قائم کی۔ اس میں ابوایوبؓ کے بھائی مصعبؓ بن عُمَیر بنائے گئے تھے.

حضرت ابوایوبؓ نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام غزوات و مشاہد میں حصّہ لیا۔ حجۃ الوداع میں بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ تمام عمر جہاد میں مصروف رہے، یہاں تک کہ غزوۂ قسطنطنیہ میں شہید ہو گئے۔ ان کے مجاہدانہ سفروں میں ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں براعظم شامل ہیں.

جب ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ ہوا تو اس وقت ابوایّوبؓ مدینے ہی میں تھے، بلکہ اس زمانے میں بعض اوقات مسجد نبوی میں امامت بھی کرتے تھے۔ عہد علوی میں، جیسا کہ ابن الاَثیر نے تصریح کی ہے، حضرت علیؓ کے ساتھ نہروان کی جنگ (۳۸ھ) میں شامل رہے اور سواروں کا رسالہ ان کی رکاب میں تھا۔ اسی موقع پر ''رایة الآمان'' بھی ان کے سپرد کیا گیا۔ المسعودی (مروج الذهب، ۳۰۹ ببعد) نے جنگِ جمل (۳۶ھ) میں ان کی شرکت کا ذکر کیا ہے، لیکن المسعودی چوتھی صدی کا مؤرّخ ہے۔ اس سے پہلے کے مؤرّخین کے ہاں یہ روایت نہیں ملتی۔ بعد کے مصنّفین میں سے ابن عبدالبرّ (الاستیعاب، ۴۲۰) اور ابن الاَثیر (اسد الغابة، ۱۴۳) نے بھی اس جنگ میں ان کی شرکت کا ذکر کیا ہے، لیکن ان دونوں مصنّفوں کے ہاں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے؛ بعد میں ابن عساکر (ص ۴۱) نے اسے بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ جنگِ صِفّین (۳۷ھ) میں ان کی شرکت کا سب سے قدیم حوالہ ابن عبدالبر (الاستیعاب) کا ہے۔ ابن عساکر اس جنگ میں ان کی شرکت سے انکار کرتا ہے۔ المسعودی کو بھی اس شرکت کا علم نہ تھا۔ غالب خیال یہی ہے کہ ابوایّوبؓ حضرت علیؓ کے ساتھ صرف جنگ نہروان میں شامل تھے، جو خوارج کے خلاف لڑی گئی۔ جنگ سے پہلے جن لوگوں نے خوارج کو سمجھانے کی کوشش کی ان میں ابوایّوبؓ بھی تھے.

۳۶ھ میں جب حضرت علیؓ نے ہمیشہ کے لیے مدینۂ منوّرہ چھوڑا تو بعد میں وہاں جو والی مقرر کیے ان میں سے ایک ابوایُّوبؓ انصاری بھی ہیں۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔ اس وقت ابوایّوبؓ وہاں موجود نہ تھے، بلکہ مدینے میں تھے۔ ۴۲ھ میں بوزنطیوں کے خلاف غزوات کا زور بڑھ گیا۔

تقریباً پچھتّر برس کا یہ مجاہد بوزنطیوں کے خلاف خالدؓ بن ولید کے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہمراہ مصروف جہاد تھا۔ ۴۶ھ میں بحری لڑائیوں میں شرکت کے لیے وہ مصر تشریف لے گئے۔

۴۹ھ میں حضرت امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر حملے کی غرض سے ایک بیڑا تیار کیا تھا۔ یزید بن معاویہؓ اس کا سپہ سالار تھا۔ ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ایسے صحابہ کے علاوہ ابو ایوبؓ بھی اس میں شامل تھے (ابن عساکر نے غلطی سے عمرو بن العاصؓ کا نام بھی شامل ہونے والوں میں لکھا ہے جو غلط ہے؛ عمرو بن العاصؓ ۴۳ھ میں فوت ہو چکے تھے اور یہ غزوہ ان کے انتقال کے چھے سال بعد ہوا)۔ چار سال تک وہ قسطنطنیہ پر حملوں میں شریک رہے، پھر وہ بیمار ہو گئے۔ یزید عیادت کے لیے آیا اور پوچھا: ''آپ کو کچھ کہنا ہے''۔ فرمایا: ''ہاں یہ کہنا ہے کہ میں مر جاؤں تو میرا جنازہ اٹھا کر اسے دشمن کی سرزمین میں جہاں تک لے جاسکو لے جاؤ اور جب آگے بڑھنے کا امکان نہ رہے تو اسی جگہ مجھے دفن کر دو''۔ چنانچہ ۵۲ھ کی ایک رات وہ غالباً اسہال کی بیماری سے فوت ہو گئے۔ نماز جنازہ یزید نے پڑھائی اور قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے انھیں دفن کر دیا گیا۔ ابن عساکر اور تهذیب میں سالِ وفات ۵۰ھ بھی لکھا ہے، ابن اسحٰق کے یہاں ۵۱ھ اور ابن عساکر کی ایک روایت میں ۵۵ھ بھی درج ہے۔

ابو ایُّوبؓ کے مزار کا ذکر سب سے پہلے ابن قُتَیْبَہ (۲۱۳-۲۷۶ھ) (المعارف، قاہرہ ۱۹۳۴ء، ص ۱۱۹) نے کیا ہے۔ الطبری (۲۲۴-۳۱۰ھ) (تأریخ، ۳: ۲۳۲۴)، ابن سعد (م ۲۳۰ھ)، ابن عبد البرّ (م ۴۶۳ھ) (الاستیعاب)، الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ)، ابن الجوزی (م ۵۱۰ھ)، ابن الأثیر (۵۵۵-۶۳۰ھ)، (الکامل، ۳: ۳۸۱)، ابن عساکر (م ۵۷۱ھ)، القزوینی (۶۰۰-۶۸۲ھ) (آثار البلاد، ص ۴۰۸)، ابن الأثیر (م ۶۳۰ھ) (اسد الغابة) اور ابن حجر (م ۸۵۲ھ) (تهذیب) نے بھی اس مزار کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ بوزنطی اس مزار کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور قحط کے ایّام میں اس مقبرے کی زیارت کے لیے آتے تھے اور بارش کے لیے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ کہتے ہیں بوزنطیوں ہی نے سب سے پہلے اس مقام پر ۵۵ھ کے بعد، جب اسلامی فوجیں واپس چلی آئی تھیں، عمارت تعمیر کی تھی۔

سلطان محمد فاتح نے ۸۵۷ھ/۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح کیا۔ اس سے شیخ آق شمس الدّین نے حضرت ابو ایُّوبؓ کی قبر کا ذکر کیا تھا۔ مصنّف جلاء القلوب نے لکھا ہے کہ آق شمس الدّین نے ایک جگہ نور دیکھا اور کہا کہ سرہانے کی طرف دو ہاتھ زمین کھودو ایک پتھر نکلے گا، جس پر عبرانی خط میں کچھ لکھا ہوگا؛ چنانچہ ایک پتھر برآمد ہوا۔ اسے پڑھوایا گیا تو حضرت ابو ایُّوبؓ کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہ پتھر قبر سے باہر دیوار میں اب بھی لگا ہوا ہے۔ سلطان محمد فاتح نے اس جگہ عمارت تعمیر کروا دی۔ قبر پر تابوت رکھا گیا، جس پر چاندی منڈھی ہوئی تھی۔ مزار کے ساتھ ایک جامع مسجد اور ایک مدرسہ بھی بنوایا گیا۔ اس مسجد میں اتمک جی زادہ احمد پاشا نے ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۰ء میں توسیع کروائی۔ ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۳ء میں دو غلام گردشوں اور نئے میناروں کا اضافہ کیا گیا اور یہی وہ مسجد ہے جہاں سلطان محمد ثانی نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار متبرکہ، جو اسے محلِّ سلطان کے خزانے سے ملے تھے، محفوظ کرائے۔ اس وقت سے اس مزار کے تین حصّے ہیں: جامع ایُّوب، مزار ایوب اور قبرستان ایوب۔ صدر اعظم سِنان پاشا (م ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۱ء)، ماہ فیروز خدیجہ (سلطان عثمان ثالث کی والدہ)، صدر اعظم سمیز علی پاشا، گرجی محمد پاشا، لَلَہ مصطفٰی پاشا (فاتح قبرص) اور دیگر ممتاز افراد اس تربہ (قبرستان) میں مدفون ہیں۔ جامع کے ایک کمرے میں سبز چادر میں لپٹا ہوا ایک عَلم بھی ہے، جس کے متعلّق کہا جاتا ہے کہ یہ وہ تاریخی عَلم ہے جسے ابو ایُّوبؓ علمبردار کی حیثیت سے اٹھاتے تھے۔ اسی جگہ ایک مدرسہ مُلّا عرب چلبی نے بھی قائم کیا تھا۔ سلطان محمد فاتح کے وقت سے اس مزار کو یہ اہمیت حاصل رہی کہ سلاطین عثمانیہ کی تاج پوشی کے موقع پر ہر سلطان یہاں آتا تھا اور شیخ الاسلام اس کی کمر میں بانیِ خاندان عثمان خان کی تلوار حمائل کرتا تھا۔ خود محمد فاتح کی کمر میں شیخ الاسلام شمس الدّین نے یہ تلوار آویزاں کی تھی۔

ابو ایوبؓ انصاری نے اپنے پیچھے یہ اولاد چھوڑی: (۱) ابو منصور مت ایوب؛ (۲) عمرہ؛ (۳) محمد؛ (۴) عبدالرحمٰن۔

ابو ایوبؓ حافظ قرآن تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان کی طرف ڈیڑھ سو احادیث منسوب ہیں، جن میں سے پانچ متفق علیہ ہیں۔ مسند احمد بن حنبل، ۵: ۴۱۲-۴۲۳، میں ان کی ۱۱۲ روایات جمع ہیں۔ کچھ روایات ۵: ۱۱۳-۱۱۴ پر بھی ہیں؛ یہ وہ احادیث ہیں جو حضرت ابو ایوبؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہیں۔ جلاء القلوب کے مصنّف نے ان کی مرویات کی تعداد ۲۱۰ بتائی ہے۔ پطرس بستانی (دائرۃ المعارف) نے لکھا ہے کہ سات صحابہ نے ان سے روایات بیان کی ہیں، لیکن یہ تعداد اس سے زیادہ ہے؛ چند نام یہ ہیں، ابن عمر، ابن عباس، انس بن مالک، براء بن عازب، زید بن خالد جہنی، عبداللہ بن یزید خطمی، ابو امامہ، جابر بن سمرہ، مقدام بن عمرو بن معدی کرب، ابو صرمہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

حضرت ابو ایوبؓ انصاری کی حرکات و سکنات میں فیض یافتۂ نبوّت ہونے کا ثبوت ملتا تھا۔ حُبِّ رسول، جوشِ ایمان، حق گوئی، اتباعِ سنت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جہاد، تواضع، حسنِ ظن، آثارِ نبوی کا ادب ان کے اخلاق و عادات کے نمایاں پہلو تھے۔

مآخذ: (۱) ابن عبدالحکم: فتوح مصر، بہ امدادِ اشاریہ؛ (۲) الجاحظ: الحیوان، بہ امداد اشاریہ؛ (۳) البلاذری: فتوح البلدان ص ۱۵۴ ببعد؛ (۴) ابن سعد: طبقات، ۲/۲: ۱۱۳ و ۳/۲: ۴۹ ببعد؛ (۵) ابو العرب: طبقات علماء افریقیة، طبع محمد بن شنب، الجزائر ۱۹۲۰ء، ص ۲۱ ببعد؛ (۶) الطبری، ۳: ۲۳ ببعد؛ (۷) ابن عبدالبرّ: الاستیعاب، حیدرآباد ۱۳۲۰ھ، ۱: ۱۵۶، ۲: ۶۳۸؛ (۸) ابن القیسرانی: الجمع بین

رجال الصحیحین، حیدرآباد ۱۳۲۳ھ، ص۱۱۸؛ (۹) ابن الأثیر: اسد الغابة، ۲:۲۸ ببعد؛ (۱۰) الذہبی: تجرید اسماء الصحابة، حیدرآباد ۱۳۱۵ھ، ۱:۱۶۱؛ ۲:۱۶۱؛ (۱۱) النَّوَوی: تهذیب الاسماء، مطبوعہ گوٹنگن (Gottingen)، ص ۱۴۲ ببعد، ۶۵۲؛ (۱۲) الصّفدی: نکت الهمیان، مصر ۱۹۱۰ء، ص۲۶۵؛ (۱۳) ابن حجر: تهذیب، حیدرآباد، ۱۳۲۵ھ، ۳:۹۰؛ (۱۴) وہی مصنّف: الاصابة، قاہرہ ۱۳۴۵ھ، ۲:۸۹؛ (۱۵) وہی مصنّف: لسان المیزان، ۵:۳۴۴ ببعد؛ (۱۶) ابن تغری بردی: النجوم الزاهرة، لائڈن ۱۸۵۵ء، ۱:۲۲، ۳۴، ۱۵۱، ۱۵۸ ببعد؛ (۱۷) الخزرجی: خلاصة تذهیب تهذیب الکمال، قاہرہ ۱۳۲۲ھ، ص۸۶؛ (۱۸) السُّیوطی: حسن المحاضرة، قاہرہ ۱۳۲۲ھ، ۱:۱۱۲؛ (۱۹) الدیار بکری: تأریخ الخمیس، قاہرہ ۱۲۸۲ھ، ۲:۲۹۴؛ (۲۰) حلیة الاولیاء، ۱:۳۶۱؛ (۲۱) صفة الصفوة، ۱:۱۸۶؛ (۲۳) عبدالحفیظ بن عثمان: جلاء القلوب و کشف الکروب بمناقب ابی ایوب، مطبوعۂ استانبول؛ (۲۴) حسین ابن اسمٰعیل: حدیقة الجوامع، استانبول ۱۲۸۱ھ، ۱:۲۴۳؛ (۲۵) محمد صدیق انصاری: سلطان ایوب، مطبوعۂ منڈی بہاء الدّین؛ (۲۶) Huart، ص۲۰۶؛ (۲۷) F. W. Hasluck: *Christianity and Islam under the Sultans*، اوکسفرڈ ۱۹۲۹ء، ۲:۶۰۴ ببعد؛ (۲۸) Ch. Pellat، در *RSO*، ۱۹۵۲ء، ص۶۶؛ (۲۹) آآ، طبع دوم، ج ۱.

(عبدالمنّان عمر)

---

* **ابوالبرکات**: ہِبَۃُ اللہ [بن علی] بن مَلْکا [یا مَلْکان، دیکھیے ابن خلّکان و ابن قاضی شہبہ] البغدادی البَلَدِی، ایک فلسفی اور طبیب، جسے "اوحد الزمان" یعنی یگانۂ روزگار کہتے تھے [چنانچہ الزِرِکلی نے اسی عنوان سے اس کا ذکر کیا ہے]۔ وہ موصل کے قریب بَلَد کے مقام پر زیادہ سے زیادہ ۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء میں پیدا ہوا۔ وہ پیدائش کے لحاظ سے یہودی اور ابوالحسن سعید بن ہبۃ اللہ کا غلام تھا۔ بعد میں وہ ایک مشہور طبیب بن گیا اور اس حیثیت سے خلفاے بغداد (جن کے ہاں وہ رہتا تھا) اور سلجوقی سلاطین کی خدمت کرتا رہا۔ سیرت نگاروں نے جو حکایتیں بیان کی ہیں ان سے ان دشواریوں کا اندازہ ہوتا ہے جو اسے اپنے مختلف مُربّیوں اور ان کے درباروں سے تعلّقات کے سلسلے میں پیش آتی تھیں۔ خاصی بڑی عمر کو پہنچ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ ان مختلف افواہوں کے مطابق جو اس کے سیرت نگاروں نے بیان کی ہیں اس نے ایسا کرنے کا فیصلہ سلطان محمود کی بیوی کے انتقال پر، جس کا وہ علاج کرتا رہا تھا، احساسِ شرم یا خوف کی وجہ سے کیا تھا اور یا اس لیے کہ جب خلیفہ المسترشد کی فوج کو سلطان مسعود نے شکست دی اور ابوالبرکات قید ہو گیا تو اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اپنی عمر کے آخری حصّے میں وہ اندھا ہو گیا تھا اور بظاہر ۵۶۰ھ/۱۱۶۴ء کے بعد بغداد میں فوت ہوا [ایک روایت کی رُو سے وہ فوت ہمذان میں ہوا اور اس کا تابوت بغداد لے جایا گیا۔ البیہقی اور حاجی خلیفہ نے اس کا سال وفات ۵۴۷ھ دیا ہے]۔ وہ عیسائی طبیب ابن التِلمیذ کا حریف تھا۔ اس کا شاگرد اور دوست ابراہیم بن اِزرہ (Ezra) کا بیٹا اسحٰق تھا، جس نے اس کی مدح میں عبرانی زبان میں ایک قصیدہ لکھا.

ابوالبرکات کی خاص تصنیف کتاب المعتبر ہے، جس میں منطق، طبیعیات (naturalia) بشمول نفسیات اور مابعد الطبیعیات کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے (اس کتاب کو شرف الدّین یالتقایا نے تین جلدوں میں طبع کیا ہے، حیدرآباد ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۸-۱۹۳۹ء)۔ اس نے تورات کے صحیفہ مواعظ (Ecclesiastes) پر جو مفصّل تفسیر لکھی ہے وہ خاصی فلسفیانہ دلچسپی کی حامل ہے۔ یہ تفسیر ابھی تک غالبًا پوری شائع نہیں ہوئی۔ ان چھوٹے چھوٹے رسائل میں جو ابوالبرکات سے منسوب کیے جاتے ہیں رسالة فی سبب ظهور الکواکب لیلًا و خفاءها نهارًا (قبّ ابن ابی اُصَیبِعَہ، ۱:۲۸۰، ترجمہ از ویڈمان (E. Wied- emann) در *Eders Jahrbuch für Photographie*، ۱۹۰۹ء، ص۴۹-۵۴) قابلِ ذکر ہے۔ ذرا سے مختلف عنوان یعنی رؤیة الکواکب باللیل لا بالنهار کے ساتھ اس رسالے کو ابن سینا کی تصنیف خیال کیا جاتا ہے (قبّ G. C. Anawati: *Essai de Bibliographie avicennienne*، شمارہ ۱۶۲).

المعتبر میں، جو زیادہ تر ابن سینا کی شفاء کی طرز پر لکھی گئی ہے، ابوالبرکات بعض اوقات تو اسی کتاب کے نظریات لے لیتا ہے اور لفظ بہ لفظ انھیں نقل کرتا ہے، لیکن اس کے برعکس وہ بعض دوسرے ایسے نظریات پر جو سب سے زیادہ بنیادی ہیں کڑی تنقید کرتا ہے۔ طبیعیات کے موضوع پر ابن سینا کے نظریات کی مخالفت کے معاملے میں وہ اکثر اس روایت سے متفق نظر آتا ہے جو اسلامی ملکوں میں افلاطونی (Platonic) کے نام سے مشہور تھی اور جس کی پیروی ابوبکر الرّازی نے کی ہے۔ اس کا فلسفۂ نفسیات بعض اعتبار سے شفاء سے بڑھ کر یا زیادہ نمایاں طور پر نو افلاطونی (اشراقی) فلسفے کے مماثل ہے.

لیکن ابوالبرکات کا فلسفیانہ استدلال کا طریقہ ایسا نہیں تھا جس میں کسی روایتی سند کی طرف بآسانی رجوع کیا جا سکے۔ یہ بات کتاب المعتبر کے نام ہی سے ظاہر ہے، جس کے معنی ابوالبرکات کے اپنے مدلول و استعمال کے مطابق کچھ یہ لیے جا سکتے ہیں کہ "ایسی باتوں کے متعلّق کتاب جو ذاتی غور و فکر سے ثابت کی گئی ہیں"۔ واقعہ یہ ہے کہ فلسفیانہ استدلال کا یہ طریق اولًا اس اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں بدیہی صداقتوں یعنی ازلی حقائق کو دلیل میں پیش کیا گیا، جن سے اس زمانے کے مروّجہ فلسفے کے نظریات باطل ہو جاتے ہیں۔ ابوالبرکات یقینیاتِ عقلی، جنھیں مشّائین قبول کرتے ہیں، اور ان معلومات کے درمیان جو قوّتِ واہمہ سے حاصل ہوتے ہیں اور جنھیں وہ ردّ کرتے ہیں، امتیاز کرنے سے انکار کرتا ہے.

اسی حکیمانہ طریقِ استدلال کی بنا پر ابوالبرکات حامیانِ ارسطاطالیس کے نظریۂ مکان کے برخلاف دعوٰی کرتا ہے کہ فضاے بسیط ابعادِ ثلٰثہ [جہات سہ گانہ] رکھتی ہے۔ وہ فلوپونوس (John Philoponus) سے اتفاق کرتے ہوئے

اس دعوے کو ردّ کرتا ہے کہ خلا میں حرکت کرنا امکان سے خارج ہے۔ مشّائین نے اس کے برخلاف جو دلائل پیش کیے ہیں ان کے مغالطے کی وضاحت کر کے وہ فضا کی لامحدودیت کو اس طرح ثابت کرتا ہے کہ انسان کے لیے کسی محدود فضا کا تصوّر ممکن ہی نہیں ہے۔

اسی طرح قلب انسانی کے ازلی (a priori) علم سے استشہاد ہی کے ذریعے ابوالبرکات کے لیے وقت کے مسئلے کی وضاحت بھی ممکن ہوگئی ہے، جس کا صحیح حل اس کے خیال میں طبیعیات کی بہ نسبت مابعد الطبیعیات پر زیادہ منحصر ہے۔ دراصل وہ یہ بتاتا ہے کہ وقت، ہستی اور خودی کا ادراک نفسِ انسانی میں ہر اُس دیگر ادراک سے جو انسان کا نفس حاصل کرے پہلے سے موجود ہے اور یہ کہ ہستی اور وقت کی ماہیت باہم دگر مربوط ہیں۔ اس کی تعریف کی رُو سے وقت ہستی کا پیمانہ ہے (حرکت کا نہیں، جس کے مشّائین قائل تھے)۔ وہ سطحاتِ وقت کے اختلاف، یعنی وقت کی زمان، دہر اور سرمد میں تقسیم، کو قبول نہیں کرتا، جسے ابن سینا اور دوسرے فلاسفہ فرض کر لیتے تھے۔ اس کے خیال میں وقت خالق کی ہستی نیز مخلوق کی ہستی کا ایک خاصّہ ہے۔

وہ ہیولیٰ اور جسم کو ایک ہی چیز قرار دیتا ہے، بشرطیکہ جسم کا تصور اس کی دوسری خصوصیات کو الگ رکھ کر محض جسمیّت کے نقطۂ نگاہ سے کیا جائے۔ جسمیّت ایک ایسا امتداد ہے جسے ناپا جا سکتا ہے۔ اس کی رائے میں عناصرِ اربعہ میں سے صرف مٹی ایسے ذرات (corpuscles) سے مرکب ہے، جو اپنی جامدیت کی وجہ سے ناقابلِ تقسیم ہیں۔

اشیائے متحرکہ کی حرکت پر بحث کرتے ہوئے ابوالبرکات ابن سینا کے نظریے کو، جو آخر میں جان فیلوپونوس کی رائے سے اثر پذیر نظر آتا ہے، کسی قدر ترمیم کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ اس نظریے کی رُو سے حرکت کی علت اشیا کا ''شدید میلان'' ہے، یعنی وہ قوت (جسے بعد میں لاطینی دبستان کے علمانے impetus [قوتِ محرکہ] کا نام دیا) جسے پھینکنے والا جسم پھینکی جانے والی چیز کو تفویض کرتا ہے۔ بھاری اشیا کے گرنے کی رفتار میں اضافے کی توجیہ وہ اس طرح کرتا ہے کہ میلِ طبعی (اُس زمانے میں فلسفے کی ایک مروّجہ اصطلاح) کا وہ خاصّہ جو ان اشیا کے اندر موجود ہے ان میں متواتر میلانات پیدا کرتا ہے۔ اب تک جو کچھ معلوم ہے اس کی رُو سے معتبر کا متن، جو اس اصول سے بحث کرتا ہے، وہ اوّلین تحریر ہے جس میں زمانۂ حاضر کے اس بنیادی قانونِ حرکات (dynamics) کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ ایک مسلسل قوتِ محرّکہ سے ایک اضافہ پذیر حرکت پیدا ہوتی ہے۔

ابوالبرکات کے نفسیاتی نظریے سے بالخصوص اس موقف کا اظہار واضح ترین رنگ میں ہو جاتا ہے جو اس کے فلسفے میں بدیہیات کی طرف رجوع کرنے کو حاصل ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس عقیدے کا نقطۂ آغاز انسان کا خود اپنا یعنی اپنے نفس کا شعور ہے۔ یہ شعور یقینی ہے اور ہر دوسرے علم سے مقدّم۔ یہ شعور اشیائے محسوس کا ادراک کیے بغیر بھی موجود ہوتا ہے۔ ابن سینا بھی قبل ازیں اس بدیہی مدلول سے کام لے چکا تھا جسے اپنے نظریۂ علم النفس میں سمونے میں اسے بڑی دقت پیش آئی، کیونکہ اس کا نظریۂ علم النفس مشّائین کے نظریے سے مماثل ہے، بحالیکہ ابوالبرکات اس مفروضے سے دوسرے نفسیاتی حقائق تک پہنچ جاتا ہے، جن کی بدیہی نوعیت ان کی اسی طرح ضامن اور مصدق ہے، مثلاً انسان کا یہ مسلّمہ شعور کہ وہ ایک ہے، یعنی یہ شعور کہ جب وہ دیکھتا، سنتا، سوچتا، یاد کرتا، خواہش کرتا یا کوئی اور نفسیاتی فعل انجام دیتا ہے تو وہی ایک فرد رہتا ہے۔ ابوالبرکات کے خیال میں یہی ان مختلف نظریات کے ردّ کے لیے کافی ہے جن کی رُو سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ نفسِ انسانی کو متعدد قوتیں حاصل ہیں۔ ایک دوسری مثال: یہ یقین کہ جب انسان دیکھتا ہے تو وہ اسی چیز کا ادراک کرتا ہے جسے وہ دیکھ رہا ہے اور اسی مقام پر ادراک کرتا ہے جہاں وہ چیز ہے ـــ نہ کہ کسی ایسی شکل کا جو بعض مفروضات کی رُو سے دماغ کے اندر بنتی ہے ـــ بجائے خود ان تاثرات کی حقیقت کا ثبوت ہے جن کا وہ ضامن ہے۔ اس طرح ابوالبرکات کے ہاں ہم ایک ایسا علم النفس پاتے ہیں جو جزوی طور پر بدیہی صداقتوں کے نظام پر مشتمل ہے اور جس پر مخصوص حد تک شعور کا تصوّر حکمران ہے (شعور کی اصطلاح کو ابن سینا نے بھی اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے)۔ اس سے اس امتیاز کی نفی ہوتی ہے جو ارسطاطالیس کے نظریے کی رُو سے عقل اور نفس کے درمیان کیا جاتا تھا۔ ابوالبرکات کے نزدیک نفس ہی وہ چیز ہے جو نام نہاد افعالِ معقولہ کو سر انجام دیتی ہے۔ وہ افعالِ معقولہ کے نظریے کی تنقید کرتا ہے۔ اسی طرح وہ عقلِ فعّال کے وجود کا منکر ہے، جس کے مشّائین قائل ہیں۔

افلاطونی یا افلوطینی اثرات، جو یقیناً ابوالبرکات کے ذاتی وجدانیات کے عین مطابق ہیں، شاید روح کی اس تعریف سے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ ایک غیر مجسم جوہر ہے جو جسم کے اندر اور اس کی مدد سے عمل کرتا ہے۔ غیر مادیّت کو ابوالبرکات نے ایک مخصوص اور محدود مفہوم میں لیا ہے، جو اس دور میں بالکل رائج نہ تھا، مثلاً حافظے کے نظریے میں ابوالبرکات کے نزدیک ارواحِ انسانی کو ستاروں کی ارواح معرضِ وجود میں لاتی ہیں اور یہ ارواح انسان کے مرنے کے بعد اپنی علّت [یعنی ارواحِ ستارگان] کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔

[ابوالبرکات کے نزدیک] علّت العلل، یعنی خدائے تعالیٰ، کا علم اشیائے موجودہ ہستی کے علم (جیسا کہ وہ تجربے سے حاصل ہو) کے آخر میں حاصل ہوتا ہے، جس سے کون یا ہستی واجب و حادث (لازم و ملزوم) میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف اس حکمت سے جو نظامِ فطرت میں جلوہ گر ہے ایک خالق کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ آخری بات جو کچھ کم اہم نہیں یہ ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان براہِ راست رابطے کے طریقے بھی موجود ہیں۔ ابوالبرکات اس معاملے میں ابن سینا کی روایت کی پیروی کرتے ہوئے ہستی باری تعالیٰ کے اس ثبوت کو تسلیم نہیں کرتا جو حرکت پر مبنی ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات، مثلاً علم، قدرت اور حکمت، اسی طرح اس کی ذات سے متعلّق ہیں جس طرح مثلث

کے تین زاویوں کا دو قائموں سے مساوی ہونا کسی مثلّث کی ذات سے متعلّق ہے۔

اس کی راے میں خدا جُزئیات کے بارے میں بھی متعدد طرح کے علم کا حامل ہو سکتا ہے۔ اس نظریے کے خلاف جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان کی تردید کرتے ہوے وہ نفسیات کے بارے میں اپنے مسلک کا حوالہ دیتا ہے، جہاں اس نے ثابت کیا ہے کہ اشیاے متصوّرہ کی شکلیں، جو انسان کے نفس کے اندر محفوظ ہو جاتی ہیں، اس شے [یعنی ادراک] کی طرح جو ان کا تصوّر کرتی ہے غیر مادی ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے اللہ کا علم بھی ایک حد تک انسان کے علم سے مماثل نظر آتا ہے۔

ابوالبرکات اشراق کے نظریے کو، جس کے بہت سے حکما قائل ہیں، مسترد کر کے اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ اشیا خدا کے ارادوں کے تواتر و تسلسل سے خلق ہوئی ہیں، خواہ یہ ارادے ازل سے پہلے کے ہوں یا زمانے کے اندر کیے گئے ہوں۔ خدا کی اوّلین مشیّت نے، جو جوہرِ الوہیت کی ایک صفت ہے، موجودات کی پہلی شے پیدا کی، یعنی وہ جسے مذہب کی اصطلاح میں اعلیٰ ترین ملائکہ کہتے ہیں۔

ابوالبرکات کے ہاں خدا کے تصوّر میں شخصیت بعض اوقات اس کے تصوّر کو علمِ کلام کے عقائد سے مربوط کر دیتی ہے۔ بایں ہمہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کے افکار علم الکلام سے متاثر تھے۔

جہاں تک کائنات کی ابدیت کے مسئلے کا تعلّق ہے ابوالبرکات ان حکما کے نظریات بھی پیشِ نظر رکھتا ہے جو اس کی تصدیق کرتے ہیں اور ان حکما کے بھی جو اس کے منکر ہیں، لیکن اپنے نتائج فکر کو صراحۃً بیان نہیں کرتا، بلکہ صرف اتنا اشارہ کرتا ہے کہ جو شخص اس مسئلے کے بارے میں اس کی پیش کردہ توضیح کو سمجھ لے گا اسے اس کا صحیح جواب معلوم کرنے میں کوئی دقّت پیش نہیں آئے گی۔ فی الجملہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالبرکات کے خیال میں اس مسئلے کا صحیح حل وہ ہے جو کائنات کی ابدیت پر زور دیتا ہے۔

ابوالبرکات کے، جس کی سند عراق کے ایک یہودی عالم سیموئل بن علی نے ابن میمون سے مناظرے کے دوران میں پیش کی تھی، مسلمان حامیوں میں سے ایک امیرِ یزد علاء الدولہ فرامرز ابن علی تھا جس نے مُہجۃ التوحید کے عنوان سے ایک کتاب لکھ کر نیز عمر الخیام سے ایک بحث کے دوران میں ابوالبرکات اور اس کے عقائد کی حمایت کی (دیکھیے البیہقی: تتمۃ، ص ۱۱۰-۱۱۱)۔ صف اوّل کی ایک علمی شخصیت فخر الدّین الرازی پر ابوالبرکات کا اثر قطعی طور پر نظر آتا ہے۔ یہ بات خصوصیت سے فخر الدّین کے شاہکار المباحث المشرقیة سے عیاں ہے اور بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ فی الواقع شیعی عالم محمد بن سلیمان التُنکُنُنی نے، جو انیسویں صدی عیسوی کا ایک ایرانی مصنّف ہے، معناً یہاں تک لکھا ہے کہ ابن سینا کی تعلیم ابوالبرکات اور فخر الدّین کے حملوں کے مقابلے میں دم توڑ چکی تھی تا آنکہ نصیر الدّین الطّوسی نے اسے از سرِ نو زندہ کیا (قصص العلماء، چاپ سنگی، ۱۳۰۴ھ، ص ۲۷۸) تو اس کا اشارہ اسلامی فلسفیانہ فکر کے ایک بحران کی طرف ہے، ایک ایسے بحران کی طرف جس کا آغاز ابوالبرکات نے کیا اور جس کی یاد ابن سینا کے ایرانی تلامذہ میں دیر تک قائم رہی۔

مآخذ: (۱) ابن القِفطی (طبع Lippert)، ص ۳۴۳-۳۴۶؛ (۲) ابن ابی اُصَیبِعہ (طبع Müller)، ۱: ۲۷۸-۲۸۰؛ (۳) البیہقی: تتمة صوان الحکمة (طبع محمد شفیع)، ص ۱۵۰-۱۵۳؛ (۴) S. Poznanski در *Zeitschrift für hebräische Bibliographie*، ۱۹۱۳ء، ص ۳۳-۳۶ (اس کتاب میں تورات کی تفسیر کے چند صفحات کی شرح کا اضافہ کر دیا گیا ہے)؛ (۵) شرف الدّین: المعتبر کی "الٰہیات" کا نامکمل ترکی ترجمہ، مقدمے کے ساتھ، استانبول ۱۹۳۲ء؛ (۶) کتاب المعتبر، ج ۳، کے آخر میں سلیمان ندوی کا تبصرہ، ص ۲۳۰-۲۵۲؛ [(۷) ابن خلّکان: وفیات الاعیان، ۲: ۱۹۳؛ (۸) الصفدی: نکت الهمیان، ص ۳۰۴؛ (۹) هدیة العارفین، ۲: ۵۰۵؛ (۱۰) تأریخ حکماء الاسلام، ص ۱۵۲؛ (۱۱) مطالع البدور، ۲: ۱۰۵؛ (۱۲) کشف الظنون، عمود ۱۷۳۱؛ (۱۳) خزائن الکتب القدیمة فی العراق، ص ۱۳۴؛ (۱۴) ابن العبری: مختصر الدول، ص ۳۴۶؛] (۱۵) S. Pines: *Beiträge zur islamischen Atomenlehre*، برلن ۱۹۳۶ء، ص ۸۲-۸۳؛ (۱۶) وہی مصنّف: *Etudes sur Awḥad al-Zamân abu'l-Barakat al-Baghdâdi*، در *REJ*، ج ۱۰۳، ۱۹۳۸ء: ص ۴-۶۴ و ج ۱۰۴، ۱۹۳۸ء: ص ۱-۳۳؛ (۱۷) وہی مصنّف: *Nouvelles Etudes sur Abu'l-Barakat al-Baghdâdi*، در *REJ*، ۱۹۵۳ء؛ [(۱۸) براکلمان (Brockelmann): تکملہ، ۱: ۸۳۱].

(S. PINES)

ابو بُردَہ: رکّ بہ الاشعری. *

ابوالبشر: رکّ بہ آدم علیہ السلام. *

ابوبکرؓ الصدیق: ۱- نام، خاندان اور ابتدائی حالات: گھر والوں نے عبداللہ نام تجویز کیا، اپنی کنیت ابوبکر سے مشہور ہوے (الاصابة، ۲/۳: ۸۲۹)۔ ان کے والد قبیلۂ قریش کی شاخ تَیم کے ابوقُحافہ (عثمان) بن عامر تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو بعض اوقات ابن ابی قُحافہ بھی کہا جاتا ہے۔ اُشْنَاق کا منصب اسی خاندان تَیم بن مرّہ کے سپرد تھا، یعنی یہ لوگ خون بہا اور تاوان کی رقوم مُعیّن کرتے تھے (العِقد الفرید، ۲: ۳۷)۔ ان کی والدہ اسی برادری کی اُمّ الخیر سَلمٰی بنت صخر تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو عتیق کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، جس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ وہ جہنم سے آزاد ہیں (ترمذی، ۲: ۲۱۴)۔ قدیم عرب مؤرخوں نے ان کا نام "عتیق" ہی بتایا ہے اور اہلِ لغت نے عتیق کو جمیل سے تعبیر کیا ہے (المحبّر، ۱۲؛ الاشتقاق، ۳۰؛ وابن نعیم: المعرفة بحوالۂ الاصابة)۔ ابن دکین کا قول ہے کہ وہ عتیق اس لیے کہلاتے تھے کہ وہ

شروع سے نیک چلے آتے تھے (لانه قديم فى الخير) (بحوالۂ الاصابة)۔ بعد میں وہ الصدّیق کے لقب سے معروف ہوئے، جس کے معنے سچ بولنے والے، معاملے کے سچے یا تصدیق کرنے والے کے ہیں۔ آخری مفہوم کو اس روایت کی تائید بھی حاصل ہے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج واسراء [رکّ بآں] کا واقعہ سن کر فی الفور یقین لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے مانا۔ ابن حجر اور محمود العقاد نے عتیق نام کی اور توجیہات بھی بیان کی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا سنہ ولادت حدود ۵۷۱-۵۷۲ء ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں اڑھائی برس چھوٹے تھے، گویا وہ عام الفیل کے اڑھائی برس بعد پیدا ہوئے، یعنی ہجرت سے پچاس برس چھ مہینے پہلے۔

حضرت ابوبکرؓ نے چار شادیاں نہیں، جیسا کہ [آ، لائڈن، طبع دوم، کے مقالہ نگار نے لکھا ہے، بلکہ پانچ شادیاں کیں: (۱) مکّی قبیلۂ عامر کی قُتَیلہ بنت عبدالعُزّٰی سے، جن سے عبداللہ (بروایت ابن سعد) اور اسماء (جن کی شادی الزبیرؓ بن العوّام کے ساتھ ہوئی) پیدا ہوئے۔ یہ مسلمان نہیں ہوئیں اور انھوں نے علٰیحدگی اختیار کر کے مکّے میں دوسری شادی کر لی۔ ایک موقع پر اپنے خاوند کے ہمراہ مدینے بھی گئی تھیں؛ (۲) قبیلۂ کِنانہ کی اُمّ رُومان بنت عمر بن عامر، جن سے عبدالرحمٰن اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ پیدا ہوئے، لیکن یہ ام رومان کی دوسری شادی تھی؛ پہلی شادی طفیل بن سنجرہ سے ہوئی تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ عبداللہ اس شادی سے پیدا ہوئے اور اس طرح وہ حضرت عائشہؓ کے اخیافی بھائی تھے؛ (۳) ام بکر، جو قبیلۂ کلب سے تھیں، نہ مسلمان ہوئیں نہ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینے گئیں۔ ابوبکرؓ نے انھیں طلاق دے دی تھی (بخاری، کتاب مناقب الانصار، ب ۴۵)۔ [آ، طبع لائڈن، کے مضمون نگار نے اس شادی کا ذکر نہیں کیا؛ (۴) قبیلۂ خَثعَم کی اسماء بنت عُمَیس، جن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے، حضرت جعفرؓ کی شہادت (۸ھ) کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے شادی ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں؛ (۵) مدنی خاندان الحارث بن الخزرج کی حَبِیبَہ بنت خارجہ، جن سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد اُمّ کلثوم پیدا ہوئیں۔ آخری دو شادیاں ان کی زندگی کے آخری دور میں ہوئیں۔ پہلی دو شادیاں غالبًا ایک ہی زمانے میں ہوئیں کیونکہ عبدالرحمٰن ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے؛ لیکن مدینے کی طرف ہجرت میں صرف ایک بیوی اُمّ رومان ان کے ساتھ تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے والد اور والدہ دونوں صحابی تھے اور یہ ان کی خصوصیت ہے کہ ان کے خاندان کی چار نسلوں نے عہدِ رسالت دیکھا اور آنحضرتؐ کا فیض صحبت پایا۔

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کے متعلّق ان کے اسلام لانے سے پہلے کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے وقت وہ چالیس ہزار درہم کے سرمائے کے تاجر تھے۔ تجارت کے سلسلے میں مختلف مقامات کی آمد و رفت کے باعث مکّے سے باہر کے بہت سے لوگوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور وہ انھیں خوب پہچانتے تھے (بخاری، کتاب مناقب الانصار، ب ۴۵)؛ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی انھیں بسلسلۂ تجارت بُصْرٰی وغیرہ جانے کا اتفاق ہوا (ابن ماجہ: السنن، کتاب الادب، باب المزاح)۔ وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور یہ کاروبار خوب نفع آور ثابت ہوا، چنانچہ وہ بہت دولت مند تھے۔ اس کی شہادت خود قرآن مجید (۲۴ [النور]: ۲۲) میں موجود ہے۔ ابن ماجہ (حوالۂ بالا) میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ بیان موجود ہے کہ میں قریش میں سب سے بڑا اور متموّل تاجر تھا۔ اسی طرح ابن سعد (۱/۳: ۱۲۲) میں ہے کہ وہ ایک مشہور تاجر تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کو لکھنا پڑھنا بھی آتا تھا اور وہ عرب قبائل کے انساب کے بھی ماہر تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی وہ اخلاقِ حسنہ کا سرچشمہ تھے اور ان کے اخلاق میں اخلاقِ محمدیؐ کا پرتو نظر آتا تھا؛ چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کے متعلّق آپ پر وحیِ نبوّت کے آغاز کے وقت جو الفاظ استعمال کیے تھے تقریبًا وہی الفاظ ابن الدَّغِنہ نے قریش مکہ کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کی تعریف کرتے ہوئے استعمال کیے اور کہا وہ فقرا و مساکین کے دستگیر ہیں، گمشدہ نیکیوں کو بجالاتے ہیں، صلۂ رحمی کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں، حق کی راہ میں جو لوگ مصائب جھیلتے ہیں ان کے مددگار رہتے ہیں (بخاری، کتاب الکفالہ، ب ۴؛ کتاب مناقب الانصار، ب ۴۵)۔ (جو الفاظ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کے لیے استعمال کیے تھے ان کے لیے دیکھیے بخاری، کتاب کیف کان بدء الوحی، حدیث ۳؛ کتاب الکفالہ، ب ۴)۔ حافظ ابن عبدالبرّ نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جاہلیت ہی میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے دوستانہ تعلّقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے پہلے ہی قائم ہو گئے تھے۔ رشتے میں وہ حضورؐ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اخلاق و فضائل کی مماثلت نے اس قدر تعلّقات بڑھا دیے تھے کہ صبح و شام دونوں وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان پر ضرور تشریف لاتے تھے۔ یہ دستور مکّی زندگی میں عرصے تک بعد اسلام بھی قائم رہا (بخاری، کتاب مناقب الانصار، ب ۴۵)۔

۲- قبول اسلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک: الطبری (۱: ۱۱۶۵ بعد)، ابن سعد (طبقات، ۱/۳: ۱۲۱) اور ابن حجر (الاصابة) نے تصریح کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ابوبکرؓ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ بالغ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ، بچوں میں حضرت علیؓ اور عورتوں میں حضرت خدیجہؓ سب سے اوّل اسلام لائے۔ ایمان لانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تمام قوت و قابلیت، سارا اثر و رسوخ، کل مال و متاع، جان اور اولاد، غرض جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ سب دین کی راہ میں وقف کر دیا۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کی تمام زندگی اطاعت و استقامت کی داستان ہے۔ اسلام

 ابوبکرؓ الصدیق

کی دعوت کفار کو ناپسند تھی اور وہ مسلمانوں کو نشانۂ ستم بناتے رہتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح (کتاب مناقب الانصار) میں ایک مستقل باب (۲۹) ان مصائب پر قائم کیا ہے جو آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے مکّے میں کفار کے ہاتھوں برداشت کیے۔ ابوبکرؓ بھی اپنی عظمت و جلالت، اثر و رسوخ اور مال و دولت کے باوجود اس سے پوری طرح محفوظ نہ تھے۔ جب مصائب بہت بڑھ گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ سے فرمایا کہ حبشہ کو ہجرت کر جاؤ؛ چنانچہ دو مرتبہ مسلمان ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ پہلی دفعہ گیارہ مرد اور چار عورتیں، دوسری بار اسّی سے کچھ اوپر افراد؛ حضرت ابوبکرؓ نے عرصہ دراز تک سختیاں برداشت کیں اور حضورؐ کے دامن کو نہ چھوڑا؛ جب انھیں عبادت تک سے روک دیا گیا تو اسلام کے مطابق آزادی سے عبادت بجا لانے کے لیے گھر بار چھوڑ کر براہِ یمن حبشہ کی راہ لی۔ پانچ منزلیں طے کر کے بِرْک الغماد تک پہنچے تھے کہ القارہ کے سردار ابن الدَّغِنہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا: ''کہاں کا قصد ہے''؟ بولے ''میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے؛ ارادہ ہے کہ کہیں الگ جا کر عبادت کروں'' ابن الدَّغِنہ نے کہا: ''تم جیسا شخص نہ نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے'' اور ان کو واپس لے آیا۔ وہ مکّے ہی میں رہے، تا آنکہ ہجرتِ مدینہ کا وقت آ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ اب بھی اذیتیں سہ رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہؓ کو مدینے کی طرف ہجرت کی اجازت دی تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے لیے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی (بخاری، کتاب المنازل، ب ۲۸)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ابھی ٹھیرو، کیونکہ امید ہے مجھے بھی اجازت مل جائے گی''۔ آخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے خطرناک وقت آیا اور یہ وہی وقت ہے جب سے حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کا سب سے درخشاں باب شروع ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی جانب ہجرت کرتے وقت انھیں کو اپنا رفیقِ سفر بنانے کے لیے منتخب کیا۔ اس اہم واقعے کا ذکر قرآن پاک (۹ [الانفال]: ۴۰) میں بھی آیا ہے۔ ہجرت کا واقعہ ایک پُرخطر راز تھا، لیکن ابوبکرؓ اور ان کے خاندان کے سینے اس راز کا مدفن بن گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے مدینے پہنچنے کے جلد ہی بعد ان کا کنبہ جو بظاہر امّ رومانؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ، اور شاید عبداللہؓ پر مشتمل تھا ہجرت کر کے مدینے پہنچ گیا۔ ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہؓ مکّے ہی میں رہے اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے تو بدر اور احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ بھی کی، اگرچہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا۔ مدینے میں حضرت ابوبکرؓ کو بنو حارث بن خزرج کے درمیان السُّنح کے محلے میں ایک مکان ملا۔

مواخات میں ان کے انصاری بھائی حضرت خارجہؓ بن زید تھے (اسد الغابۃ)، جو بعد میں ان کے خسر بھی ہو گئے۔ مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلی مسجد تعمیر کرائی اس کی زمین دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔ ہر چند کہ انھوں نے اسے خانۂ خدا کے لیے کسی صلے کے بغیر پیش کر دیا تھا، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کی قیمت دلوائی۔ یہ رقم ان پانچ ہزار درہم میں سے ادا ہوئی جو حضرت ابوبکرؓ مکّے سے لائے تھے۔

مسلمانوں میں ان کی مخصوص حیثیت اس سے اور نمایاں ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے نکاح کر لیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات و مشاہد میں شامل رہے اور ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حاضر رہتے تھے۔ نازک اور پُرخطر لمحات میں حضرت ابوبکرؓ ایک چٹان کی طرح مستقل مزاج رہتے تھے اور کبھی ہمت نہ ہارتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قائد (رسول اللہ) اور ان کے پیرو کے درمیان حیرت انگیز اتفاق اور ہم آہنگی تھی، چنانچہ جب رسول اللہ نے الحدیبیہ پر صلح کرنے اور الطائف کا محاصرہ ترک کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیصلوں پر اعتراض ہوا (جنھیں اس رائے سے اختلاف تھا ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، جو حضرت ابوبکرؓ سے کبھی جدا نہ ہوتے تھے)، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے بلا تامل اور پورے خلوص کے ساتھ ان فیصلوں کی تائید کی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے اس مہم کی حقیقی غرض و غایت کو جان لیا جو ۸ھ/۶۳۰ء میں فتح مکّہ پر منتج ہوئی؛ بالفاظ دیگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر خاص تھے۔ سرایا میں سے چند ایک ان کی امارت میں سر انجام پائے (بخاری، کتاب المغازی)۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامے پر مسلمانوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلا نام ان ہی کا تھا (الطبری، ص ۱۵۴۸)۔ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اس موقع پر جب آنحضرتؐ شہر میں داخل ہوے تو ابوبکرؓ بھی حضور علیہ السلام کے ساتھ قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ ۹ھ میں امیر حج مامور ہوے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے دوران میں انھوں نے مسجد نبوی میں نماز کی امامت کی۔

۳۔ ابوبکرؓ کا عہدِ خلافت (۱۱ھ/۶۳۲ء - ۱۳ھ/۶۳۴ء): حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن نوزائیدہ اسلامی ریاست کے لیے ایک نازک دن تھا۔ انصارِ مدینہ نے اپنے میں سے کسی کو رئیس بنانے کے لیے صلاح و مشورہ شروع کر دیا، لیکن حضرت عمرؓ اور بعض دیگر صحابہؓ نے انھیں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرنے پر آمادہ کر لیا۔ انھوں نے ''خلیفۃ رسول اللہ'' یعنی رسول اللہ کا نائب یا وارث کا لقب اختیار کیا اور چند روز بعد مدینے کے وسط میں ایک مکان میں منتقل ہو گئے۔

زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے سریۂ اُسامہؓ بن زیدؓ کا معاملہ سامنے آیا۔ ۸ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو جمعرات کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لواء حضرت اسامہؓ کے ہاتھ میں دیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس لشکر میں ان کے ساتھ بھیجا تھا۔ نبی اکرمؐ کی وفات کی وجہ سے یہ مہم رکی رہی۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوے تو فتنۂ ارتداد اور مدعیانِ نبوّت کی سرکشی کی وجہ سے صحابہؓ نے رائے دی کہ بالفعل یہ ملتوی کر دی جائے، لیکن ابوبکرؓ اس

کام کو روکنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے جس کا آغاز خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ اس لیے صحابہؓ کی رائے کے خلاف، جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے، انھوں نے کہا: ''بخدا اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگ کھینچ لیں، تب بھی اس مہم کو نہیں روک سکتا جس کے بھیجنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے''؛ چنانچہ انھوں نے یہ مہم روانہ کر دی۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ، جو دو سال تین ماہ گیارہ روز تک رہا، زیادہ تر ردّہ یا ارتداد کی تحریک سے نبٹنے میں گزرا۔ ایسی مختصر سی مدت میں ایسے عظیم الشّان کارنامے انجام پائے جن پر اسلام کی تاریخ کو ناز ہے۔ یہ تحریک، جیسا کہ اس کے اس نام سے ظاہر ہوتا ہے جو عرب مؤرخین نے اسے دیا، ان کے نزدیک ابتداءً ایک مذہبی تحریک تھی؛ لیکن عہدِ حاضر کے یورپی اربابِ علم بالخصوص J. Wellhausen (*Skizzen und Vorarbeiten*، ج ۶، برلن ۱۸۹۹ء: ۷-۳۷) اور L. Caetani (*Annali*، ۲: ۵۴۹-۸۳۱) نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تحریک حقیقۃً سیاسی تھی۔ اغلب یہ ہے اس کی دونوں حیثیتیں تھیں۔ مدینہ ایک ایسے معاشرتی اور سیاسی نظام کا مرکز بن گیا تھا جس کا ایک جزو لاینفک مذہب بھی تھا، لہٰذا یہ بات ناگزیر تھی کہ اس نظام کے خلاف جو ردِّعمل پیدا ہو وہ مذہبی رنگ بھی اختیار کر لے۔ اس ردِّعمل کے چھے بڑے مرکز تھے۔ ان میں سے چار مرکزوں میں تحریک کے قائدین مذہبی کردار کے حامل تھے، جنھیں عام طور پر ''جھوٹے نبی'' کہا جاتا ہے، یعنی یمن کا الاسود العنسی، یمامہ کے قبیلۂ حنفیہ میں مُسَیلمہ، اسد اور غطفان کے قبیلوں میں طلیحہ، قبیلۂ تمیم کی کاہنہ سَجاح۔ ردّہ کی صورتیں ہر مقام پر وہاں کے حالات و کوائف کے مطابق مختلف تھیں۔ ان میں بنیادی طور پر مدینے کو محاصل بھیجنے اور مدینے کے بھیجے ہوئے عاملوں کا حکم ماننے سے انکار بھی شامل تھا۔ یمن میں ردّہ کی تحریک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی اور جب حضرت ابوبکرؓ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو قیس بن (ہُبیرہ بن عبدیغوث) المکشوح، الاسود کی جگہ لے چکا تھا۔ جن دنوں مسلمانوں کا بڑا لشکر اسامہؓ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ملک شام کو گیا ہوا تھا تو بعض نواحی قبائل نے مدینے پر حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن بالآخر ذوالقصّہ کے مقام پر انھیں شکست ہوئی۔ اسلامی لشکر شام کی مہم سے واپس آ گیا تو خالدؓ بن الولید کے زیرِ قیادت ایک بڑی فوج باغیوں کے مقابلے کے لیے بھیجی گئی۔ سب سے پہلے طلیحہ کو بُزاخہ کی لڑائی میں شکست دی گئی اور اس علاقے کو از سرِ نو اسلام کا مطیع و منقاد بنایا گیا۔ اس کے بعد جلد ہی قبیلۂ تمیم نے سَجاح کا ساتھ چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکرؓ کی اطاعت اختیار کر لی۔ ردّہ کی اہم ترین لڑائی جنگ یمامہ تھی، جو عقرباء کے مقام پر لڑی گئی، جسے طرفین کے مقتولین کی کثرت کی وجہ سے ''حدیقۃ الموت'' (موت کا باغ) کہا جاتا ہے (نواح ربیع الاوّل ۱۲ھ/مئی ۶۳۳ء)۔ یہاں مسلمانوں کے سب سے خطرناک دشمن مسیلمہ نے شکست کھائی؛ وہ مارا گیا اور وسطی عرب کا علاقہ دوبارہ ان کے زیرِ نگیں آ گیا۔ ازاں بعد خود خالدؓ تو عراق کی طرف کوچ کرنے سے پہلے یمامہ میں امن قائم کرتے رہے اور ماتحت سپہ سالاروں کو ضمنی مہموں پر بحرین اور عمان (بشمول مہرہ) کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ یمن اور حضر موت میں اہلِ ردّہ کو ایک اور سپہ سالار المہاجر بن ابی امیہ نے شکست دی۔ ابوبکرؓ نے اسیر سرداروں کے ساتھ نہایت نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کیا اور ان میں سے اکثر دینِ اسلام کے سرگرم حامی اور مؤید بن گئے۔ روایات سے پتا چلتا ہے کہ ردّہ کی تحریک ۱۱ھ کے اختتام/ مارچ ۶۳۳ء سے پہلے پہلے دبا دی گئی تھی، لیکن Caetani کا خیال ہے کہ ان سب واقعات کے لیے بہت زیادہ لمبا عرصہ چاہیے؛ اس لیے ممکن ہے کہ یہ کشمکش ۱۳ھ/ ۶۳۴ء تک جاری رہی ہو۔

شام کی طرف جانے والی شاہراہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پیمانے پر لشکر کشی کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ عرب قبائل میں امن قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب کے سب حلقۂ اسلام میں آ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ بھی جنگی اہمیت کے اس نکتے سے بخوبی آگاہ تھے، چنانچہ اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں اس امر کے باوجود کہ عرب میں بغاوتیں پھوٹ پڑنے کا خطرہ لاحق تھا وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کے مطابق اسامہؓ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ملک شام کی طرف ایک بڑی فوج بھیجنے کے ارادے پر جمے رہے۔ پھر جب وسطی عرب میں مسیلمہ کا خطرہ دور ہو گیا تو خالدؓ کو عراق کی طرف بھیجنے میں ذرا بھی توقف سے کام نہیں لیا گیا۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ''ملکوں کی فتح عظیم'' کا آغاز ہوا۔ اسلامی روایات میں ان فتوحات کا جو حال مذکور ہوا ہے اور ان کے وقوع کی جو تاریخیں دی گئی ہیں، ان میں مآخذ کی اس چھان بین کی بنا پر جو مختلف عالموں کی طرف کی گئی ہے بعض اہم تبدیلیاں کر دی گئی ہیں (Wellhausen: کتاب مذکور، ص ۳۷-۱۱۳؛ De Goeje: *Mémoire sur la Conquête de la Syrie*، طبع دوم، لائڈن ۱۹۰۰ء؛ N. A. Miednikoff: *Palestina*، سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۹۷-۱۹۰۷ء (بزبان فارسی)؛ Caetani: *Annali*، ج ۲ و ۳)۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت صورت حال بظاہر یہ تھی کہ خالدؓ قبیلۂ بنو بکر بن وائل کے ایک لشکر کے ساتھ مل کر، جو المثنّیٰ کی قیادت میں تھا، عراق میں پیش قدمی کر رہے تھے اور حیرہ کا قدیم شہر ان کی زد میں آ گیا تھا۔ لیکن اس شہر کے لوگوں نے ساٹھ ہزار درہم دے کر امان پائی۔ پھر المثنّیٰ تو اسی محاذ پر رُکے رہے، لیکن خالدؓ نے دمشق کی طرف اپنی شہرۂ آفاق یلغار کی اور ان تین اسلامی دستوں سے جا ملے جو یزید بن ابی سفیانؓ، شُرَحبیلؓ بن حسنہ اور عمرو بن العاصؓ کے زیرِ قیادت فلسطین میں کامیابی سے لڑتے رہے تھے، لیکن اب ایک اپنے سے بڑے بوزنطی لشکر کے مقابلے میں دب رہے تھے۔ مسلمانوں کی متحدہ افواج نے جمادی الاولیٰ کے آخر/ جولائی ۶۳۴ء میں یروشلم (القدس) اور غزّہ کے درمیان الاجنادین (غالبًا الجنابتین کی بگڑی ہوئی شکل) کے مقام پر دشمن کو شکست دی۔ اسی طرح ایرانی سلطنت میں اسلام کی توسیع کا آغاز بھی حضرت ابوبکرؓ ہی نے کیا،

لیکن پھر بھی ان کی زیادہ تر توجہ شام ہی پر مرکوز تھی۔ یہ بات واضح نہیں کہ کس مرحلے پر ان ملکوں میں محض تاخت کرنے کے بجائے انھیں فتح کر لینے کا فیصلہ کیا گیا۔

ابوبکرؓ پندرہ روز علیل رہ کر یوم دوشنبہ گزار کر منگل کی رات کو ۲۲ جمادی الاُخریٰ ۱۳ھ/۲۳ اگست ۶۳۴ء کو فوت ہوئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ان کی انتہائی سادہ زندگی، جس میں دولت، شان وشوکت اور نمود و نمائش کی کوئی جگہ نہ تھی، آگے چل کر ایک مشعل راہ بن گئی۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کوئی حج کیا یا نہیں، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ عام خیال یہی ہے کہ اس عرصے میں انھوں نے کوئی حج نہیں کیا۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک ۱۲ھ میں انھوں نے حج کیا اور وہیں سے واپس آ کر انھوں نے شام پر فوج کشی کا ارادہ کیا (الطبری، ص ۲۰۷۸)۔

قرآن مجید، جیسا کہ مکّی (عبس، البروج، الطور، الواقعہ) اور مدنی (البقرۃ، آل عمران، ھود، البیّنۃ) سورتوں اور احادیث سے ثابت ہے، ابتدائے عہد نبوّت ہی سے اہتمام کے ساتھ لکھا جاتا تھا اور اس کی ترتیب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلقین الٰہی کے مطابق قائم کرتے جاتے تھے اور فرما دیا کرتے تھے کہ فلاں آیت کو فلاں جگہ رکھو۔ اس کے لکھنے والوں میں عثمانؓ، علیؓ، خالدؓ بن سعید، ابانؓ بن سعید، علاءؓ بن الحضرمی، اُبیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن سعد، معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، حنظلہؓ وغیرہ تھے اور بہت سے صحابہ پورے قرآن کے حافظ بھی تھے۔ قرآن مجید چمڑے کے اوراق، شانے کی چوڑی ہڈیوں اور کھجور کی چھال پر لکھا ہوا تھا اور حُفّاظ کو اس کی ترتیب بھی یاد تھی۔ حضرت عمرؓ کی تحریک سے حضرت ابوبکرؓ نے پورے قرآن مجید کو ایک مجموعے میں پھر سے لکھوا کر محفوظ کر لیا اور خلیفۂ وقت کے ارشاد کے ماتحت زیدؓ بن ثابت نے شہادتیں لے لے کر قرطاس پر ایک کتاب کی صورت میں لکھا۔ الکتاب کی یہ کاغذی صورت، جو عہد نبوّت کے مسوّدات کے مطابق اور حفّاظ کی مستند شہادتوں کے ساتھ مرتّب ہوئی تھی، حضرت ابوبکرؓ کی زندگی تک ان کے پاس، پھر حضرت عمرؓ کے پاس، پھر حضرت ام المؤمنین حفصہؓ کے پاس سرکاری نسخے کی حیثیت سے محفوظ رہی۔

اخلاق و عادات: حضرت ابوبکرؓ ان ممتاز، متموّل اور ذی اثر لوگوں میں سے تھے جن سے مسلمانوں کو اخلاقی اور مادّی دونوں طرح کی امداد ملی۔ اخلاقی امداد میں اشاعتِ اسلام ان کا نہایت نمایاں کارنامہ ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ اسلام کی دعوت دینا حد درجہ خطرناک کام تھا، انھوں نے سعدؓ بن ابی وقاص، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ ابن عوف، ابوعبیدہؓ بن الجراح، عثمانؓ بن مظعون، ابوسلمہؓ، ابن عبدالاسدؓ، اور خالدؓ بن سعید بن العاص ایسے لوگوں کو اسلام کے آستانے پر لا کھڑا کیا۔ یہ تمام حضرات مہاجرین اوّلین میں بھی سبقت اسلامی کے لحاظ سے بالکل ابتدائی صف میں تھے۔ گھر والوں پر ان کا یہ اثر پڑا کہ والدۂ ماجدہ اور والد بیعت سے مشرّف ہوئے۔ ان کے غلام عامرؓ بن فہیرہ نے بھی ابتدا ہی سے اسلام قبول کر لیا۔ اولاد میں حضرت اسماءؓ اور عبداللہؓ بہت ہی قدیم الاسلام ہیں۔ اخلاقی امداد کے سلسلے میں ان کا ایک کارنامہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہے۔ مادّی امداد میں وہ سرگرمی تھی جس نے سات صحابۂ کبار، یعنی بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، زنیرہؓ، ان کی صاحبزادی نہدیہؓ، جاریہؓ بنت مومّل، ام عبیسؓ اور لُبینہؓ کو اپنے پاس سے رقم ادا کر کے نجات دلائی۔ قبولِ اسلام کے وقت ان کا تجارت میں چالیس ہزار درہم کا سرمایہ لگا ہوا تھا، ان میں پینتیس ہزار درہم مکّے ہی میں اسلام پر صرف کر دیے اور باقی پانچ ہزار مدینے پہنچ کر اور اس عرصے میں مزید جو روپیہ کمایا وہ بھی سب کا سب مایحتاج کے علاوہ اس راہ پر قربان کرنے کی سعادت حاصل کی، چنانچہ وفات کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ان وقیع اخلاقی اور مالی امدادوں کا اعتراف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں اس طرح فرمایا ہے: ''رفاقت اور مال میں مجھ پر سب سے بڑا احسان ابوبکرؓ کا ہے'' (بخاری، مناقب الانصار، باب ۴۵)۔

حضرت ابوبکرؓ کا شجاعت وثبات میں بھی بڑا مقام ہے۔ تمام جنگوں میں آپ شانہ بشانہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں ہم میں سے سب سے زیادہ جری وہ سمجھا جاتا تھا جو آنحضرتؐ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا تھا، کیونکہ دشمنوں کا سب سے زیادہ زور آپؐ کی ذات اقدس پر ہوا کرتا تھا۔ غزوۂ بدر (۲ھ) میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی شخص آنحضرتؐ کے قریب نہ تھا۔ انھیں اس غزوے میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ آنحضرتؐ کے ساتھ عریش کے اندر موجود تھے۔ غزوۂ احد (۳ھ) میں اتفاقی طور پر کچھ وقت کے لیے لڑائی کا پانسہ پلٹ جانے کے سبب بڑے بڑے جانبازوں کے قدم اکھڑ گئے تھے لیکن جو بارہ صحابیؓ حضورؐ کے پہلو میں پہاڑی پر موجود تھے ان میں ایک ابوبکرؓ تھے۔ ابوسفیان نے میدان خالی دیکھ کر سامنے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی، کیا محمدؐ موجود ہیں۔ جب آنحضرتؐ ہی کی ہدایت کے مطابق جواب نہ ملا تو تین بار حضرت ابوبکرؓ کا نام پکارا (بخاری، کتاب الجہاد، ب ۱۶۴)؛ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کفار آنحضرتؐ کے بعد ابوبکر صدیقؓ کو رئیسِ امت سمجھتے تھے۔ غزوۂ ہوازن میں دشمنوں کی سخت تیر اندازی کی بدولت لشکرِ اسلام میں ابتری پیدا ہوئی تو ان چند جانبازوں میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے حضرت ابوبکرؓ بھی تھے (الطبری، ص ۱۶۶۰)۔

قرآن، حدیث اور فقہ میں غیر معمولی فہم وفراست کے علاوہ انھیں خطابت، شاعری، انساب اور تعبیرِ رویاء میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔ عہدِ اسلام میں انھوں نے شعر کہنے چھوڑ دیے تھے، تاہم نبی اکرمؐ کی وفات پر انھوں نے تین مرثیے کہے، جو طبقات ابن سعد (۸۹:۲/۲ بعد) میں منقول ہیں۔ محکمۂ افتا، خدمتِ قرآن و حدیث اور اشاعتِ اسلام کے متعلّق ابن سعد (۱۰۹:۲/۲ بعد)، تذکرۃ الحُفاظ (۱:۳)، الطبری اور الیعقوبی وغیرہ میں جستہ جستہ واقعات ملتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی ذات محاسنِ اخلاق کا مطلع تھی۔ زمانۂ قبل اسلام کے اخلاق کو، جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے، چھوڑ کر اسلام لانے کے بعد وہ اعلیٰ درجے کے

اخلاق و عادات کا مظہر رہے۔ ان کے ایمان کا یہ عالم تھا کہ ماضی حال، محال ممکن اور غائب حاضر بن گیا تھا اور بسا اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ایمان میں آپ کے ایمان کو شریک فرمایا (بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ب ۵، ۶؛ کتاب الحرث والمزارعۃ، ب ۴)۔ زہد و ورع کا یہ عالم تھا کہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں لٹا دیا اور ایامِ خلافت میں بیت المال سے مایحتاج کے لیے جو رقم لی اس کا اندازہ خود ان کے ان الفاظ سے ہوسکتا ہے: ''ہم نے مسلمانوں کے کھانے میں سے چونی بھوسی استعمال کی اور ان کے موٹے جھوٹے کپڑوں سے تن ڈھانکا۔ مسلمانوں کے مالِ غنیمت سے ہمارے پاس تھوڑا یا بہت کچھ نہیں ہے۔'' انھوں نے مرتے وقت نہ دینار چھوڑے نہ درہم (ابن سعد، ۳/۱:۱۳۹)۔ قبولِ اسلام کے وقت وہ ہزاروں کے مالک تھے، لیکن بعدِ اسلام ان کی جان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں تھی اور مال اسلام کی ضرورتوں کے لیے وقف۔ اس کا مصرف ان کی ذات اور اہل و عیال نہ تھے۔ غزوۂ تبوک پیش آیا تو وہ زمانہ بڑی ہی عسرت اور تنگی کا تھا، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس کی کوئی پروانہ کی اور گھر کا سارا اثاثہ لاکر آنحضرتؐ کے قدموں میں ڈال دیا اور اس سوال پر کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا، فرمایا: ''اللہ اور اس کا رسول'' (ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ)۔ عمل بالقرآن کی فکر انھیں ہمہ وقت رہتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ ساتھ ان کو اہل بیت سے بھی محبت کا گہرا تعلّق تھا۔ وہ اپنے اعزہ و اقارب پر انھیں ترجیح دیتے تھے (بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، ب ۱۲).

حضرت عمروؓ بن العاص سریۂ ذات السلاسل کے امیر بنائے گئے تو انھوں نے دربارِ نبوّت میں آکر سوال کیا: ''آپ کو مردوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟'' فرمایا: ''ابوبکرؓ'' (بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ب ۵؛ کتاب تفسیر القرآن، تفسیر سورۃ الاعراف، ب ۳)؛ اسی لیے حضرت عمرؓ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کرکے کہا تھا: ''آپ ہمارے سردار، ہم سے افضل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے زیادہ محبوب تھے'' (بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، ب ۵)۔ ۲۲ جمادی الاُخرٰی ۱۳ھ کو حضرت ابوبکرؓ فوت ہوے اور بالفاظ محمود العقاد: ''وہ زندگی اس دنیا کو خیرباد کہہ گئی جو شرف و مجد اور تاریخ کا ہر کمال طے کرچکی تھی''.

مآخذ: (۱) قرآن مجید، ۹[التوبۃ]: ۴۰ ببعد و ۹۲[اللیل]: ۱۷ (امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس سورۃ کی آیت ''وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقٰی'' حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے) و ۶۶[التحریم]: ۴ (شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ مفسرین کے سوادِ اعظم کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی شان میں نازل ہوئی) و ۲۴[النّور]: ۲۲ و ۴۶[الاحقاف]: ۱۵ (ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی، ابوالحق الواحدی: اسباب النزول، مطبوعۂ مصر، ص ۲۸۴) و ۵۷[الحدید]: ۱۰ (ازالۃ الخفاء، ص ۴۸) و ۵[المآئدۃ]: ۵۷ (الصوائق المحرقۃ، ص ۲)؛ (۲) حدیث: (الف) بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی، ب ۵؛ کتاب التفسیر، ب ۱۳ (الاعراف، النور)؛ کتاب البیوع، ب ۱۵، ۵۷؛ کتاب مناقب الانصار، ب ۲۹، ۳۰، ۴۵؛ کتاب الاحکام، ب ۵۱؛ کتاب الکفالۃ، ب ۴؛ کتاب المغازی، ب ۲۸، ۳۵، ۶۶، ۱۱۴؛ کتاب النکاح، ب ۱۱؛ کتاب الجہاد، ب ۱۸، ۸۹، ۱۶۴؛ کتاب الشہادات، ب ۱۵؛ کتاب الشروط، ب ۱۵؛ کتاب الاذان، ب ۴۶؛ کتاب استتابۃ المرتدین، ب ۳؛ (ب) مسلم: کتاب الجہاد، باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر، باب التنفیل و فداء المسلمینِ بالاساری؛ (ج) ابوداؤد: کتاب الزکوٰۃ؛ اور دیگر کتب حدیث؛ (۳) ابن ہشام، مواضع کثیرہ؛ (۴) واقدی (ترجمہ، برلن ۱۸۸۲ء)، مواضع کثیرہ؛ (۵) ابن سعد، ۳/۱: ۱۱۹–۱۵۲، ۲۰۲؛ (۶) الطبری، ۱: ۱۸۱۶–۲۱۴۴ (ذکر خلافت ابی بکر)؛ (۷) البلاذری: فتوح، ۹۶، ۹۸، ۱۰۲، ۴۵۰؛ (۸) محمد بن علی العشاری: فضائل ابی بکر الصدیق، ملتان ۱۹۳۹ء؛ (۹) ابن عبدالبرّ: الاستیعاب؛ (۱۰) المسعودی: مروج، ۴: ۱۷۳–۱۹۰؛ (۱۱) ابن حجر: الاصابۃ، ۲: ۸۲۸–۸۳۵، ۸۳۹؛ (۱۲) ابن الأثیر: اسد الغابۃ، ۳: ۲۰۵–۲۲۴؛ (۱۳) ابن قُتیبہ: المعارف، طبع اوّل، مصر ۱۹۳۴ء، ص ۷۳؛ (۱۴) W. Montgomery Watt: *Muhammad at Mecca*، اوکسفرڈ ۱۹۵۳ء، بمدد اشاریہ؛ (۱۵) C. Becker: *The Expansion of the Saracens*، بسلسلۂ *Cambridge Medieval History*، ۱۹۱۲ء، ۲: ۳۲۹–۳۴۱ (= *Islam studien*، لائپزگ ۱۹۲۴ء، ۱: ۶۶–۸۲)؛ (۱۶) حبیب الرحمٰن خاں: سیرۃ الصدیق؛ (۱۷) معین الدّین ندوی: خلفاے راشدین، اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء، ۱، ۸۱)؛ (۱۸) شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء؛ (۱۹) عبدالکریم سیالکوٹی: خلافت راشدہ؛ (۲۰) سعید انصاری: سیر الصحابہ، ۱: ۱۹۹–۳۲۱؛ (۲۱) سعید احمد اکبر آبادی: صدیق اکبر، طبع دوم، دہلی ۱۹۶۱ء؛ (۲۲) عطا محی الدّین: *Abu Bakr*؛ (۲۳) محمد حسین ہیکل: الصدیق ابوبکر؛ (۲۴) عبدالحفیظ: العتیق، آگرہ ۱۹۳۵ء؛ (۲۵) عبدالرحیم دانا پوری: سیرۃ الصدیق، کلکتہ ۱۳۱۳ھ؛ (۲۶) علی حیدر: حضرت ابوبکر، طبع دوم، مطبع اصلاح کھجوا ۱۳۷۸ھ؛ (۲۷) عباس محمود العقاد: عبقریۃ الصدیق، مطبوعۂ مصر؛ اردو ترجمہ: صدیق کامل، از منہاج الدّین اصلاحی، لاہور ۱۹۵۷ء؛ (۲۸) شاہ معین الدّین احمد: تاریخ اسلام، جلد اوّل.

(W. Montgomery Watt [و عبدالمنّان عمر])

----

* **ابوبکر:** (Albu bather): رکّ بہ الحسن بن الخَصِیب.

----

* **ابوبکر:** رکّ بہ ابن طفیل.

----

* **ابوبکر بن احمد:** رَكّ بہ ابن قاضی شہبہ.

----

* **ابوبکر بن سعد بن زنگی:** رَكّ بہ آل سلغوریہ.

----

* **ابوبکر بن عبداللہ:** رَكّ بہ ابن ابی الدنیا.

----

* **ابوبکر بن علی:** رَكّ بہ ابن حِجّہ.

----

* **ابوبکر احمد بن علی بن ثابت:** رَكّ بہ الخطیب البغدادی.

----

* **ابوبکر البیطار:** رَكّ بہ ابن المُنذِر.

----

* **ابوبکر الخلّال:** رَكّ بہ الخلّال.

----

* **ابوبکر الخوارزمی:** رَكّ بہ الخوارِزمی.

----

* **ابوبکرہ:** (گھرنی (Pulley) والے)، رسول [اکرم صلی اللہ علیہ وسلم] کے ایک صحابی نُفَیع بن مَسرُوح [یا الحارث، جو عرب کے مشہور طبیب تھے] کا معروف لقب، جو حبشی تھے (اور پہلے الطائف میں ثقیف کے غلام تھے)۔ ۸ھ/ ۶۳۰ء میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر [الطائف] کا محاصرہ کیا تو یہ ایک گھرنی کے ذریعے اتر کر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر دیا [اسی لیے یہ اپنے آپ کو عتیق النبیؐ کہتے تھے]۔ بعد ازاں انھوں نے یمن میں قیام کیا اور بصرے کی تاسیس میں حصّہ لیا، جہاں وہ سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں ۵۱ھ/ ۶۷۱ء یا ۵۲ھ/ ۶۷۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت عمرؓ نے المغیرہ بن شعبہ [رَكّ بآن] کے خلاف قذف کی شہادت کے سلسلے میں انھیں کوڑے لگوائے اور اس کے بعد انھوں نے سیاسیات میں کوئی حصّہ نہ لیا؛ چنانچہ جنگ جمل میں بھی علٰیحدگی اختیار کی اور محض ان زمینوں کی کاشت میں مصروف رہے جو انھیں حضرت عمرؓ نے دی تھیں اور حدیث روایت کرتے رہے، جس میں انھیں علماے حدیث نے ثقہ مانا ہے.

ان کے سوانح نگاروں نے سُمَیّہ کو ان کی ماں بیان کیا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنی ماں کی طرف سے زیاد بن ابیہ کے بھائی ہوتے ہیں؛ لیکن زیاد [حضرت] معاویہؓ کی جماعت میں شامل ہو گئے تو ابوبکرہ کا ان سے بگاڑ ہو گیا [ابوبکرہ کی زندگی ہی میں ان کے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد ایک سو سے اوپر ہو گئی (المحبّر، ص ۱۸۹)]۔ ان کے بیٹوں کے نام یہ ہیں، عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالعزیز، مُسلِم، روّاد، یزید اور عُتبہ اور یہ سبھی روایت حدیث میں حصّہ لیتے رہے۔ عوامی حمّاموں کی آمدنی سے دولت کما کر اور زیاد کی نظر عنایت سے انھوں نے بصرے کے متوسط طبقے بلکہ امرا میں بھی جگہ حاصل کر لی [ان کے شجرۂ نسب کے لیے نیز دیکھیے] (۱) ابن الطقطقی: الفخری، (طبع Derenbourg)، ص ۲۴۵؛ (۲) المقدسی: البدء (طبع Huart)، ۶: ۹۴-۹۵؛ (۳) I. Goldziher: *Moh. Stud.*، ۱: ۱۳۷ ببعد.

اس خاندان کا ایک خلف ابوبکرہ بکّار بن قُتَیبَہ [البکراوی] (۱۸۲ھ/ ۷۹۸ء - ۲۷۰ھ/ ۸۸۴ء) [مصر کا] قاضی تھا (دیکھیے ابن خلِّکان، شمارہ ۱۱۵ [و مطبوعۂ قاہرہ، ص ۹۱؛ نیز ابن ماکولا: الاکمال، ۱: ۳۴۹])۔

مآخذ: (۱) ابن قتیبہ: المعارف، قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۱۲۵-۱۲۶؛ (۲) ابن سعد، ۷/۱: ۸-۹، ۱۳۸-۱۳۹؛ (۳) البلاذری: فتوح، ص ۳۴۳ ببعد؛ [(۴) ابن درید: الاشتقاق، ص ۱۸۵-۱۸۶؛ (۵) ابن عبدالبرّ: الاستیعاب، شمارہ ۲۸۴۲؛ (۶) ابن ماکولا: الاکمال، حیدر آباد ۱۹۶۲ء، ۱: ۳۴۹؛] (۷) ابن الفقیہ، ص ۱۸۸؛ (۸) الأغانی، طبع اوّل، ۲: ۴۸ و ۷: ۱۴۱ و ۹: ۱۰۰ و ۱۴: ۶۹؛ (۹) النّووی: تہذیب، ص ۷۸۳-۷۹۳، ۶۷۷-۶۷۸؛ (۱۰) الاصابۃ، شمارہ ۸۷۹۴؛ (۱۱) یاقوت، ۱: ۶۳۸-۶۴۴ و مواضع کثیرہ؛ [حدائق الحنفیۃ ص ۱۵۷ ببعد].

(M. Th. Houtsma ہوتسما و پیلا Ch. Pellat)

----

* **ابو بلال:** رَكّ بہ مِرداس بن اُدَیّہ.

----

* **ابو بَیہَس:** الہَیصَم بن جابِر، قبیلۂ بنو سعد ابن ضُبَیعَہ کا خارجی، جو الحجّاج کی دار و گیر سے بچنے کے لیے بھاگ کر مدینۂ منورہ چلا گیا، لیکن وہاں کے والی عثمان بن حَیّان نے اسے گرفتار کر کے ظالمانہ طریقے سے قتل کرا دیا (۹۴ھ/ ۷۱۳ء)۔ خوارج کا ایک فرقہ اس کے نام پر بَیہَسی کہلاتا ہے، جس کا موقف متشدّد ازرقیّہ اور معتدل صُفریّہ و اِباضیّہ کے بین بین تھا۔ بیہسیہ اگرچہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو مسلمان ان کے ہم خیال نہیں وہ کافر ہیں، تاہم وہ ان کے درمیان بود و ماند رکھنے، ان سے رشتہ ناتا کرنے اور ان سے ورثہ پانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ خود ان کے معتقدات میں بھی اختلاف رونما ہو گیا اور وہ کئی شاخوں میں بٹ گئے.

مآخذ: (۱) المبرد: الکامل، ص ۶۰۴، ۶۱۵؛ (۲) البلاذری (Ahlwardt: *Anonyme Arab. Chronik*)، ص ۸۳؛ (۳) المسعودی: مروج، ۵: ۲۳۰؛ (۴) الاشعری: مقالات، ص ۱۱۳ ببعد، ۱۹۵؛ (۵) البغدادی: فرق، ص ۸۷ ببعد؛ (۶) ابن حزم: فِصَل، ۴: ۱۹۰؛ (۷) الشہرستانی: ملل ص ۹۳ ببعد؛ [(۸) نجم الغنی: مذاہب الاسلام، لکھنؤ ۱۳۲۷ھ، ص ۴۷۶-۴۷۷].

(M. Th. Houtsma ہوتسما)

----

* **ابو تاشُفِین اوّل:** عبدالرحمٰن بن ابی حَمُّو، خاندان عبدالواد کا پانچواں

بادشاہ، جو ۲۳ جمادی الاولی ۷۱۸ھ/ ۲۳ جولائی ۱۳۱۸ء کو اپنے والد ابوحمُّو اوّل کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے ان تمام لواحقین کو جو تخت کے دعویدار ہوسکتے تھے جلا وطن کر کے اندلس بھیج دیا اور اس طرح اسے قُسنطِینَہ (Constantine) اور بجایہ (Bougie) کے محاصرے اور اپنی سلطنت کو مشرق کی جانب وسعت دینے کی آزادی مل گئی، لیکن بنوحَفْص نے بنومرین سے اتحاد کرلیا اور مرینی سلطان ابوالحسن نے ابوتاشُفِین کے مقبوضات پر تسلط کر کے ۷۳۵ھ/ ۱۳۳۵ء میں تِلمسان کا محاصرہ کرلیا۔ دو سال بعد پائے تخت ایک حملے میں مفتوح ہوگیا اور بادشاہ لڑائی میں کام آیا۔

مآخذ: دیکھیے مادّۂ بنوعبدالواد.

(A. BEL)

---

* **ابوتاشُفِین ثانی:** بن ابی حمُّو موسیٰ خاندان عبدالواد کا بادشاہ۔ وہ ربیع الاوّل ۷۵۲ھ/ اپریل ـ مئی ۱۳۵۱ء میں پیدا ہوا اور اس کے شباب کا زمانہ نِدرومہ (Nedroma) میں گزرا ابوحمُّو ثانی کے تونس کی طرف فرار کے بعد مرینی سلطان ابوعنان نے اسے فاس بھیج دیا اور تلمسان میں وہ ۷۶۰ھ/ ۱۳۵۹ء میں ہی واپس آسکا۔ باوجود ان مراعات کے جو اس کے والد نے اسے دے رکھی تھیں تخت حاصل کرنے کی بے صبری نے اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ابوحمُّو کا خاتمہ کردے، لیکن ابوحمُّو، جسے اوران میں محبوس کر دیا گیا تھا، قید سے نکل بھاگا اور جب اسے حج کے لیے بھیجا گیا تو وہ فتح کے پھریرے لہراتا ہوا فتح و کامیابی کے ساتھ تلمسان واپس آیا۔ بالآخر ابوتاشُفِین نے ایک مرینی فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس فوج نے ابوحمُّو کو شکست دی اور ابوتاشُفِین کو ذوالحجہ ۷۹۱ھ/ نومبر ۱۳۸۹ء میں تخت نشین ہونے کا موقع مل گیا۔ مرینیوں کے باج گزار کی حیثیت سے جو فرائض اسے تفویض تھے انھیں یہ پوری وفاداری سے سرانجام دیتا رہا۔ اس کا انتقال ۱۷ رجب ۷۹۵ھ/ ۲۹ مئی ۱۳۹۳ء کو ہوا۔

مآخذ: (۱) رکّ بہ مادّۂ عبدالواد.

(A. BEL)

---

* **ابوتُراب:** [حضرت] علیؓ بن ابی طالب [رکّ بآن] کی کنیت.

---

* **ابوتمّام:** حبیب بن اَوس، عربی شاعر اور جامعِ اشعار۔ اس کے بیٹے تمّام کے قول کے مطابق وہ ۱۸۸ھ/ ۸۰۴ء میں پیدا ہوا، لیکن ایک اَور بیان کی رُو سے، جو خود ابوتمّام سے ماخوذ ہے، اس کا سن پیدائش ۱۹۰ھ/ ۸۰۶ء ہے (اخبار، ص ۲۷۲ـ۲۷۳) اور اس کی جاے ولادت جاسم تھی، جو دمشق اور طبریہ کے درمیان ایک قصبہ ہے، اس کے بیٹے کے بیان کے مطابق اس نے ۲۳۱ھ/ ۸۴۵ء اور دوسرے لوگوں کے قول کے مطابق ۲ محرم ۲۳۲ھ/ ۲۹ اگست ۸۴۶ء کو وفات پائی (وہی کتاب)۔ اس کا باپ ثاذُوس (Thaddeus, Theodosius؟ [تدُوس، دیکھیے وفیات الاعیان، مصر ۱۳۱۰ھ، ۱:۱۲۱]) نامی ایک عیسائی تھا، جس کی دمشق میں شراب کی دکان تھی۔ بعد میں ابوتمّام نے اپنے باپ کا نام بدل کر اَوس کر دیا (اخبار، ص ۲۴۶) اور اپنے لیے ایک نسب نامہ وضع کرلیا، جس کی رُو سے اس کا تعلّق قبیلۂ طی سے ہوجاتا ہے۔ اس غلط نسب نامے کی وجہ سے ہجویہ اشعار میں اس کا بہت مذاق اڑایا گیا (اخبار، ص ۲۳۵ـ۲۳۸)، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں لوگوں نے اس نسب نامے کو صحیح تسلیم کرلیا اور اسی لیے بسا اوقات اسے ''الطائی'' یا ''الطائی الکبیر'' کہا جاتا ہے۔ اس نے جوانی کا زمانہ دمشق کے ایک جلاہے کے مددگار کی حیثیت سے گزارا (ابن عساکر، ۴:۱۹)۔ بعدازاں وہ مصر چلا گیا، جہاں پہلے وہ جامع کبیر میں سَقّائی کے ذریعے کسبِ معاش کرتا رہا، اگرچہ اس کے ساتھ ہی اسے عربی نظم اور اس کے اصول و قواعد کے مطالعے کا موقع بھی مل گیا۔ اس کی زندگی کے حالات کو تاریخ وار مرتّب کرنا مشکل ہے، کم ازکم اس وقت تک جب تک کہ وہ واقعات جو اس کے کلام میں مذکور ہیں یا ان لوگوں کے سوانح حیات جن کی اس نے مدح کی ہے صحیح طور پر متعیّن نہ ہوجائیں۔ ایک روایت کے مطابق اس نے اپنے سب سے پہلے قصائد علی بن الجَہْم شاعر کے بھائی محمد بن الجَہْم کی شان میں لکھے تھے (المُوشّح، ص ۳۲۴)، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس شخص کو خلیفہ المُعْتَصِم نے کہیں ۲۲۵ھ میں جا کر دمشق کا والی مقرر کیا تھا (خلیل مردم بک، درمقدمۂ دیوان علی بن الجَہْم، ص ۴)۔ شاعر کا اپنا بیان یہ ہے (اخبار، ص ۱۲۱) کہ اس نے سب سے پہلی نظم مصر میں مُحصّل عیاش بن لَہِیْعَہ کی مدح میں لکھی تھی (البدیعی، ص ۱۸۱)، مگر اس کی طرف سے اسے مایوسی کا سامنا ہوا، جس کا بدلہ اس نے حسبِ معمول اس کی ہجو لکھ کرلیا (دیکھیے البدیعی، ص ۱۷۴ بعد)۔ الکندی (*Governors and Judges of Egypt*، طبع گِسْٹ (Guest)، ص ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۶، ۱۸۷) نے ابوتمّام کے چند ایسے اشعار نقل کیے ہیں جن میں ۲۱۱ـ۲۱۴ھ کے بعض واقعات کا، جو مصر میں رونما ہوے، ذکر آتا ہے۔ مصر سے ابوتمّام شام کو لوٹ آیا۔ اسی زمانے سے اس کی وہ مدحیہ اور ہجویہ نظمیں منسوب کی جاسکتی ہیں جو اس نے ابوالمُغِیث موسیٰ بن ابراہیم الرّافقی پر لکھیں۔ جب المأمون بوزنطیوں کے خلاف مہم سر کر کے واپس آیا (۲۱۵ـ۲۱۸ھ) تو ابوتمّام نے وہی بدوی لباس پہنے ہوے، جو اسے عمر بھر محبوب رہا، خلیفہ کے سامنے ایک قصیدہ پیش کیا، لیکن یہ قصیدہ خلیفہ کو پسند نہ آیا، کیونکہ اسے یہ بات بے محل معلوم ہوئی کہ ایک بدوی شہری طرز کی نظم لکھے (ابو ہلال العسکری: دیوان المعالی، ۲:۱۲۰)۔ اسی زمانے میں نوجوان البُحتُری سے شاید حِمْص میں اس کی ملاقات ہوئی (اخبار، ص ۶۶، قب ۱۰۵).

ابوتمّام نے سب سے پہلے خلیفہ المعتصم کے عہد میں عام شہرت حاصل کی اور نام پایا۔ ۲۲۳ھ/ ۸۳۸ء میں عَمُّوریہ [رکّ بآن] کی تباہی کے بعد معتزلی قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد [رکّ بآن] نے اسے خلیفہ کی بارگاہ میں سامرّا

بھیجا۔ خلیفہ کو شاعر کی کرخت آواز یاد آ گئی جو اس نے مَصِیصَہ میں سنی تھی؛ لہٰذا اس بات کا یقین حاصل کر لینے کے بعد ہی اسے باریاب ہونے کی اجازت دی کہ اس کے ساتھ ایک خوش آواز راوی یا قاری بھی ہوگا (اخبار، ص ۱۴۳-۱۴۴)۔ اس وقت سے ابو تمّام کی زندگی کا وہ دور شروع ہوا جس میں وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا قصیدہ گو مانا گیا۔ خلیفہ کے علاوہ اس نے اپنے دور کے کئی اعلٰی ترین حکّام و عمّال کی شان میں بھی قصائد لکھے۔ ان میں سے ایک ابو داؤد تھا، اگرچہ وہ ایک بار تھوڑے دن کے لیے ابو تمّام سے ناراض بھی ہو گیا تھا، کیونکہ اس نے ایک نظم میں جنوبی عربوں کو (جن میں سے قبیلۂ طی تھا) اتنا بڑھا چڑھا کر دکھایا تھا کہ اس سے شمالی عربوں (جن کی نسل سے ہونے کا قاضی القضاۃ مدّعی تھا) کی تحقیر کا پہلو نکلتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابو تمّام کو اپنے سرپرست کے نام ایک اعتذاری قصیدہ لکھنا پڑا؛ تب جا کر وہ اپنے منصب پر بحال ہوا (اخبار، ص ۱۴۷ ببعد)۔ دیگر اشخاص، جن کی شان میں اس نے قصیدے لکھے، مثال کے طور پر، حسبِ ذیل ہیں: سپہ سالار ابوسعید محمد بن یوسف المَرْوَزی، جس نے بوزنطیوں کے خلاف جنگ میں، نیز بابک الخُرّمی کے خلاف مہم کے دوران میں امتیاز حاصل کیا اور اس کا بیٹا یوسف، جو ۲۳۷ھ میں، جب وہ اَرمینیہ کا والی تھا، ارمنوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا، ابو دُلَف القاسم العِجْلی (م ۲۲۵ھ)؛ اسحٰق بن ابراہیم المُصْعَبی، جو بغداد میں ۲۰۷ سے ۲۳۵ھ تک صاحب الجِسْر، یعنی کوتوالی کا حاکم رہا۔ وزیر محمد بن عبدالملک الزیّات کا کاتب حسن بن وَہْب ابو تمّام کے خاص قدر دانوں میں تھا۔ ابو تمّام نے متعدّد بار صوبوں کے حاکموں، مثلاً محمد بن الہَیْثم والی جَبَل (اخبار، ص ۱۸۸ ببعد)، خالد بن یزید بن مَزْیَد الشَّیْبانی، الواثق کے عہد میں والیِ اَرمینیہ (م ۲۳۰ھ) (اخبار، ص ۱۸۸ ببعد) وغیرہ سے ملاقات کے لیے کئی سفر بھی کیے۔ نیشا پور کے والی عبداللہ بن طاہر کی طرف اس کا سفر سب سے زیادہ مشہور ہے۔ عبداللہ انعام و اکرام دینے میں اس کی توقعات کے مطابق ثابت نہ ہوا اور وہاں کی سرد آب و ہوا شاعر کو راس نہ آئی، لہٰذا وہ جلد ہی واپس روانہ ہو گیا۔ برف باری کے باعث اسے ہمدان میں رکنا پڑا اور اس وقت کو بہت اچھی طرح صَرف کر کے اس نے ابوالوفاء بن سَلَمَہ کے کتب خانے کی مدد سے اپنا مشہور ترین مجموعۂ اشعار الحَمَاسة مرتّب کر لیا۔ اس کی وفات سے کوئی دو سال پہلے حسن بن وَہْب نے اسے موصل کا صاحب البرید [والخبر] مقرّر کرا دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فلسفی [یعقوب بن اسحٰق] الکِنْدی نے پیشگوئی کی تھی کہ شدّتِ فکر یعنی قوائے دماغی سے بہت زیادہ کام لینے کے باعث ابو تمّام جلد فوت ہو جائے گا (ابن خلّکان، بظاہر الصُّولی کے تتبّع میں، اگرچہ الصُّولی کے ہاں متعلّقہ عبارت مفقود ہے، قب اخبار، ص ۲۳۱-۲۳۲)۔ ابو تمّام نے موصل ہی میں وفات پائی۔ اُس محمد کے، جو ۲۱۴ھ میں بابک کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا تھا، بھائی ابونَہْشَل ابن حُمَید الطُّوسی نے شاعر کے مزار پر ایک قُبّہ تعمیر کرا دیا تھا، جس کی زیارت ابن خَلِّکان نے کی تھی۔

ابو تمّام سانولے رنگ کا طویل القامت شخص تھا اور بدویوں کا سا لباس پہنا کرتا تھا۔ وہ نہایت شُستہ اور فصیح عربی بولتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی آواز بہت ناخوشگوار تھی اور زبان میں کسی قدر لکنت بھی تھی اور اسی لیے وہ اپنا کلام اپنے راوی صالح سے پڑھوایا کرتا تھا (اخبار، ص ۲۱۰)۔

ابو تمّام کے قصائد میں بعض اہمّ تاریخی واقعات کا تذکرہ موجود ہے، مثلاً عمّوریّہ کی فتح، بابک کے خلاف مہمّ اور اس کا قتل (۲۲۳ھ/ ۸۳۷-۸۳۸ء)، اُفْشین کا قتل (۲۲۶ھ/۸۴۰ء)، جس کی مدح وہ خود کرتا رہا تھا، اور بہت سے دوسرے واقعات۔ بعض وقائع کی تفصیلات بیان کرنے میں ابو تمّام کے قصائد سے مؤرخین کے بیانات کی تکمیل ہوتی ہے، (قب الطّبری: *The reign of al-Mu'taṣim*، ترجمہ وحاشیہ از E. Marin: نیوہیون ۱۹۵۱ء، اشاریہ و M. Canard: *Les allusions à la guerre byzantine chez les poètes Abū Tammām et Būḥturī*، در A. A. Vassiliev: *Byzance et les Arabes, I, La dynastie d' Amorium*، Bruxelles ۱۹۳۵ء، ص ۳۹۷-۴۰۳)۔

ابو تمّام کی زندگی ہی میں اس کے کلام کی جمالیاتی قدر و قیمت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ شاعر دِعْبِل، جس کی زبان درازی سے لوگ ڈرتے تھے، کہا کرتا تھا کہ ابو تمّام کے کلام کا ایک تہائی حصّہ سرقہ ہے، ایک تہائی خراب اور صرف ایک تہائی اچھا ہے (اخبار، ص ۲۴۴)۔ اس کے شاگرد البُحْتُری کی، جو اسے انتہائی احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا، یہ رائے تھی کہ ابو تمّام کا بہترین کلام اس کے اپنے بہترین کلام سے بہتر اور اس کا برا کلام اس کے برے کلام سے بدتر ہے (اخبار، ص ۶۷)۔ شاعر علیّ بن الجَہْم (م ۲۴۹ھ، اخبار، ص ۶۱-۶۲) ابو تمّام کا دوست اور مدّاح تھا۔ مسجد بغداد کے قبۃ الشّعراء میں ابو تمّام کے اوّلین داخلے کی کیفیت اسی کے بیان سے ماخوذ ہے (تأریخ بغداد، ۸: ۲۴۹، بہ تتبّع المُعافَی بن زکریا؛ دیوان علی بن الجَہْم، مقدمہ، ص ۶-۷)۔ اس کی وفات کے بعد مدتوں لوگ اس کی مدح و قدح لکھتے رہے اور ان تحریروں میں اس کے سرقاتِ ادبی بھی زیرِ بحث آئے۔ اس کے خلاف ابوالعباس احمد بن عبیداللہ القُطْرُبُلّی نے لکھا (الموازنة، ص ۵۶) اور اس کی موافقت میں ابوبکر محمد الصُّولی نے، جس کی کتاب اخبار ابی تمّام شاعر موصوف کی زندگی کے حالات کے لیے قدیم ترین اور سب سے زیادہ مفصّل ماخذ ہے۔ اس کے حامیوں میں المَرْزُوقی (م ۴۲۱ھ) کے نام کا اضافہ ضروری ہے، جس نے کتاب الانتصار من ظلمة ابی تمام لکھی (قب *Oriens*، ۱۹۴۹ء، ص ۲۶۸)۔ قاضی ابوالحسن علی الجُرجانی (م ۳۶۶ھ/ ۹۷۶-۹۷۷ء) نے اپنی وَساطة بین المتنبی و خُصُومِہ، صیداء ۱۳۳۱ھ، ص ۵۸ ببعد، میں اور الآمِدی (م ۳۸۱ھ) نے الموازنة بین الطائیین ابی تمام و البحتری، استانبول ۱۲۸۷ھ، (ترجمۂ ترکی از محمد وِلِد، استانبول ۱۳۱۱ھ) میں اس کے کلام کے محاسن و معائب کا موازنہ کیا ہے۔ المَرْزُبانی (م ۳۸۴ھ) نے المُوَشّح، قاہرہ ۱۳۴۳ھ، ص ۳۰۳، ۳۲۹، میں زیادہ تر اس کے کمزور پہلوؤں

کو نمایاں کیا ہے۔ الشریف المرتضٰی نے الشّھاب فی الشّیب والشباب، استانبول ۱۳۰۲ھ، میں الآمدی کے اعتراضات کے خلاف شاعر کی مدافعت کی ہے۔ عصر حاضر کا قاری بھی ان قدیم نقّادوں کے فیصلے ہی کی پیروی کرے گا۔ ابوتمّام کے قصائد میں درخشاں صنائع شعری کے پہلو بہ پہلو، جن پر اس کی شہرت مبنی ہے، بہت سی ناخوشگوار چیزیں بھی ہیں۔ اسے نہ صرف نامانوس الفاظ بلکہ پُرتصنّع اور بسا اوقات نہایت پیچیدہ ترکیب کے جملے استعمال کرنے کا شوق ہے، جنھیں سمجھنے میں عرب شرح نگاروں کو بڑی محنت کرنا پڑی۔ وہ مجرد تصوّرات کو بدذوقی سے مجسم صورت میں پیش کرتا ہے اور مصنوعی، دور از کار اور غیر دلنشین استعارے استعمال کرتا ہے، جو متعدّد اشعار میں اکثر مسلسل چلتے جاتے ہیں اور پڑھنے والے کو پریشان کرتے ہیں تا آنکہ اسے اتفاقًا کوئی واقعی اعلٰی پائے کی شاعرانہ صنعت نظر آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بدقسمتی سے اس کے ہاں رعایت لفظی اور عسیر الفہم تقابل سے کام لینے کا بہت رجحان پایا جاتا ہے، جس کی خاطر وہ اکثر جملے کی وضاحت اور دلکشی کو قربان کر دیتا ہے (قب عبدالقاہر الجرجانی: اسرار البلاغة، طبع رٹّر (Ritter)، ص ۱۵)۔ اس کا دیوان الصُّولی نے (بہ ترتیب حروف تہجّی) اور علی بن حمزة الاصفہانی نے (بہ لحاظ مضامین) جمع کیا، نیز السّکّری (Oriens، ۱۹۴۹ء، ص ۲۶۸) اور بعض دیگر مؤلّفین نے بھی اس کی روایت کی۔ ناقابلِ اطمینان ایڈیشن قاہرہ ۱۲۹۹ھ اور بیروت ۱۸۸۹ء، ۱۹۰۵ء، ۱۹۲۳ء، ۱۹۳۴ء، میں شائع ہوے، اشاریہ از مرجلیوث (Margoliouth)، در *JRAS*، ۱۹۰۵ء، ص ۷۶۳-۷۸۲۔ اس دیوان کی متعدّد شرحیں ابھی تک طبع نہیں ہوئیں، جو ابوتمّام کا کلام سمجھنے کے لیے لابدی ہیں، یعنی شرح از الصُّولی، از المرزوقی، از التّبریزی، از ابن المُستوفی (اخبار، دیباچہ، ص ۸؛ رٹّر (H. Ritter): *Phil- ologika*، ج ۱۳ [کذا، ۳؟]، در *Oriens*، ۱۹۴۹ء: ص ۲۶۶-۲۶۹؛ حاجی خلیفہ، تحت عنوان دیوان ابی تمّام اور اسمٰعیل پاشا: ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، استانبول ۱۹۴۵ء، ۱: ۴۲۲)، (التبریزی کی شرح قاہرہ میں زیر طبع ہے، ج ۱، ۱۹۵۲ء)۔

مزید براں ابوتمّام نے اشعار کے چند منتخب مجموعے بھی مرتّب کیے، جن میں سب سے زیادہ مشہور کم تر معروف شعرا کے مقطّعات کا مجموعہ الحماسة ہے، جو اس نے ہمدان میں اپنے غیر ارادی قیام کے دوران میں مرتّب کیا تھا، طبع مع شرح تبریزی از فرایتاغ (G. Freytag)، بعنوان *Hamasae Carmina cum Tebrisii scholiis*؛ بون ۱۸۲۸ء، ترجمہ لاطینی ۱۸۴۷-۱۸۵۱ء، جو جملہ اغلاط سمیت بولاق ۱۲۸۴ھ اور قاہرہ ۱۹۳۸ء میں طبع ہوا؛ [اردو ترجمہ مع شرح از ذوالفقار علی: تسہیل الدراسة؛ اردو ترجمہ مع شرح از مولانا اعزاز علی۔] متعدّد شرحوں کے بارے میں دیکھیے براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۳۴ بعد؛ رٹّر (H. Ritter): *Philologika*، ج ۳: در *Oriens*، ۱۹۴۹ء: ص ۲۴۶-۲۶۱؛ حاجی خلیفہ، بذیل مادّۂ الحماسة؛ اسمٰعیل پاشا: ایضاح المکنون، ۱: ۴۲۲؛ [دیوان الحماسة، طبع کبیر الدّین احمد وغیرہ، کلکتہ ۱۸۵۶ء، لکھنؤ ۱۲۹۳ھ؛ شرح از فیض الحسن فیضی، بمبئی ۱۲۹۹ھ؛ طبع A. Krimski، ماسکو ۱۹۱۲ء؛ جرمن ترجمہ از F. Ruckert، شٹٹ گارٹ ۱۸۴۶ء۔] اس کے دوسرے منتخب کردہ اشعار کے مجموعوں میں حسبِ ذیل محفوظ ہیں: (۱) حماسة الصُّغری یا الوَحشِیّات (دیکھیے *Oriens*، ۱۹۴۹ء، ص ۲۶۱-۲۶۲)، جسے ان ''اختیارات'' میں سے کسی کے ساتھ ملتبس نہیں کرنا چاہیے جن کا ذکر الآمدی نے کیا ہے؛ (۲) اختیار الشعراء الفُحول، در مشہد (دیکھیے *MMIA*، ۲۴: ۲۷۴)۔ دیگر تالیفات کے صرف نام ہی معلوم ہیں، یعنی (۱) الاختیارات من شعر الشعراء و مدح الخلفاء و اخذ جوائزھم، (فہرست، ص ۱۶۵؛ معاھد التنصیص، ص ۱۸)؛ (۲) الاختیارات من اشعار القبائل، (فہرست) = الاختیار القبائلی الاکبر اور الاختیار القبائلی (الموازنة، ص ۲۳)؛ (۳) اختیار المقطّعات، جو غزل (نسیب) سے شروع ہوتی ہے (وہی کتاب)؛ نیز نقائض جریر والاخطل، طبع سَلَھِنی، بیروت ۱۹۲۲ء، بھی اس سے ماخوذ ہے۔

مآخذ: (۱) ابوبکر محمد بن یحیٰی الصُّولی: اخبار ابی تمام، طبع خلیل محمود عساکر، محمد عبدہ عزّام: نظیر الاسلام الہندی، قاہرہ ۱۹۳۷ء؛ (۲) نظیر الاسلام: *Die Aḫbār über Abū Tammām von aṢ-Ṣūlī*، مقالہ، برسلو (Breslau) ۱۹۴۰ء؛ (۳) الأغانی، ۱۵: ۱۰۰-۱۰۸؛ (۴) الخطیب البغدادی: تأریخ بغداد، ۸: ۲۴۸-۲۶۳؛ (۵) ابن عساکر: التأریخ الکبیر (طبع بدران)، ۴: ۱۸-۲۶؛ (۶) ابن الأنباری: نزھة، ص ۲۱۳-۲۱۶؛ (۷) ابن نُباتة: سرح العیون، قاہرہ، مطبع م۔ علی صُبَیح، ص ۲۰۵-۲۱۰؛ (۸) العباسی: معاھد التنصیص، قاہرہ، ص ۱۸-۲۰؛ (۹) ابن خلکان، شمارہ ۱۴۶؛ (۱۰) یوسف البدیعی: ھِبة الایّام فیما یَتعَلّق بابی تمّام، قاہرہ ۱۹۳۴ء؛ (۱۱) عبدالقادر البغدادی: خزانة الادب، ۱۳۴۷ھ، ۱: ۳۲۲-۳۲۳؛ [(۱۲) نجیب محمد: ابوتمام الطّائی، حیاته و شعره؛ (۱۳) محمد علی الزاہدی: اخبار ابی تمام؛ (۱۴) المرزبانی: اخبار ابی تمام؛ (۱۵) رفیق فاخوری: ابو تمام...؛ (۱۶) عمر فروخ: ابوتمام؛ (۱۷) ابن العماد: شذرات الذھب، ۲: ۷۲؛ (۱۸) الذریعة، ۱: ۳۱۴ بعد؛] (۱۹) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۲، ۸۳-۸۵ و تکملہ، ۱: ۳۹-۴۰، ۱۳۴-۱۳۷، ۹۴۰ و ۳: ۱۱۹۴؛ (۲۰) O. Rescher: *Abriss*، Stuttgart شٹٹ گارٹ ۱۹۳۳ء، ۲: ۱۰۳-۱۸۱۔

(H. RITTER رٹّر)

✱ **ابوثَوْر:** ابراہیم بن خالد بن ابی الیمان الکَلْبی، ایک ممتاز مفتیِ دین اور ایک مذہب فقہ کا بانی، جس نے صفر ۲۴۰ھ/جولائی ۸۵۴ء میں شہر بغداد میں وفات پائی۔ ابوثور عراق میں الشافعیؒ سے ایک پشت بعد ہوا اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام موصوف کے تمسّک بالحدیث پر منظم اصرار سے متاثر ہوا لیکن اس نے رائے [رکّ بآن] کے استعمال کو ترک نہیں کیا، جیسا کہ قدیم مذاہبِ فقہ کا دستور تھا۔ مؤخّر سوانح

نگاروں نے اس بات کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ ابوثور نے قدیم فقہاے عراق کے مذہب استخراج بالرأے کو چھوڑ کر مذہب شافعی اختیار کر لیا تھا اور درحقیقت بسا اوقات وہ اسی مذہب کے پیروکاروں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن اس کی آرا کو، جو اکثر شوافع کے مسلک سے مختلف ہیں، مذہب شافعی ہی کی متبادل آرا (''وجوہ'') نہیں سمجھا جاتا اور نہ محدث کی حیثیت سے اس کی کوئی خاص شہرت ہی ہے۔ مفتی کی حیثیت سے بعض محتاط تعریفی کلمات اس کے زیادہ معمّر ہم عصر امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ ''اختلاف'' [رک بآن] کے موضوع پر بحث کرنے والی کتابوں میں، خاص طور پر الطبری کی کتاب اختلاف الفقہاء کے دو اجزا (طبع (Kern)، قاہرہ ۱۹۰۲ء، وشاخت (Schacht)، لائڈن ۱۹۳۳ء) میں، احکام شرعیہ پر ابوثور کی چند آرا نقل کی گئی ہیں۔ ابوثور کا فقہی مذہب چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی تک بھی بالخصوص اَرمینیہ اور آذربیجان میں وسیع پیمانے پر رائج تھا۔

مآخذ: (۱) الفہرست، ۱: ۲۱۱ و ۲: ۹۱؛ (۲) الخطیب البغدادی: تأریخ بغداد، ۶: ۶۵ بعد؛ (۳) السبکی: طبقات الشافعیة، ۱: ۲۲۷ بعد؛ (۴) ابن حجر العسقلانی: تہذیب التہذیب، ۱: ۱۱۸ بعد؛ (۵) ابن العماد: شذرات، ۲: ۹۳ بعد؛ (۶) جوینبول (Juynboll): *Handleiding*، ص ۳۶۹-۳۷۱.

(J. SCHACHT)

----

* **ابوجعفر:** استاذ ہرموز [ہرمز] [رک بآن]، عُمان میں شَرف الدولہ بُویہی کا نائب، گو بعدازاں اس نے صمصام الدولہ کا اقتدار تسلیم کر لیا؛ لہٰذا اوّل الذّکر نے اس کے خلاف لشکرکشی کی اور ۳۷۴ھ/ ۹۸۴ء میں اسے قید میں ڈال دیا۔ پھر ۳۷۹ھ/ ۹۸۴ء میں، جب شَرف الدولہ کا انتقال ہو گیا، تو صمصام الدولہ نے اسے صوبۂ کرمان کا والی مقرّر کر دیا، لیکن ۳۸۸ھ/ ۹۹۸ء میں مؤخر الذکر کے قتل پر اس نے کرمان کی دیلمی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور پھر بہاء الدولہ بُویہی کی ملازمت میں داخل ہو گیا، گو بسبب کبرسنی اس نے اسے مجبور کیا کہ جلد ہی ملازمت سے سبکدوش ہو جائے۔ وہ ۴۰۶ھ/ ۱۰۱۵ء میں ۱۰۵ برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا حسن بھی بنوبویہ کے سپہ سالاروں میں سے تھا [قب حسن بن استاذ ہُرموز].

مآخذ: (۱) ابن الأثیر (طبع Tornberg)، ۹: ۲۸ بعد.

(M. TH. HOUTSMA ہوتسما)

----

* **ابوجَہل:** پورا نام ابوالحکم عمرو بن ہشام بن المغیرہ، قریش کے خاندان بنو مخزوم کا ایک فرد، جو اپنی ماں [امّ الجلاس] اسماء بنت مُخرّبہ کی نسبت سے ابن الحَنظَلِیّہ بھی کہلاتا ہے۔ [بنو مخزوم قریش کا ایک ممتاز خاندان تھا۔ قُصَیّ بن کلاب سے پہلے قریش کے تمام اعزازات اسے حاصل تھے۔ قُصَیّ نے غالب آ کر تمام اعزازات ان سے چھین لیے اور صرف قُبّہ (یعنی خیمہ و خرگاہ کا انتظام) اور اعنۃ (یعنی سواروں کی سپہ سالاری) کا اعزاز ان میں باقی رہ گیا].

ابوجہل ۵۷۰ء میں یا اس سے کچھ بعد پیدا ہوا۔ وہ اور آنحضرت [صلّی اللہ علیہ وسلّم] دونوں نوعمری میں عبداللہ بن جُدْعان کے مکان پر ایک دعوت میں شریک ہوے تھے۔ اس کی والدہ اسلام لائیں اور ۱۳ھ/ ۶۳۵ء کے بعد تک زندہ رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے چند سال قبل ابوجہل الولید بن المغیرہ کی جگہ بنو مخزوم اور ان کے حلیف قبائل کا سربراہ بن گیا تھا۔ الولید کے مقابلے میں وہ رسول اللہ [صلّی اللہ علیہ وسلّم] سے مفاہمت پر کم مائل تھا، کیونکہ عمر رسیدہ الولید کی بہ نسبت رسول [اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم] کے ہاتھوں مکّے کے معاملات میں اس کی حیثیت زیادہ معرضِ خطر میں تھی۔ شاید زیادہ تر اسی وجہ سے وہی ہاشم اور المطّلب کے مقاطعے کا ذمّے دار تھا اور اس مقاطعے کا خاتمہ اس کی حکمت عملی کی شکست تھی، لیکن اسے ایک اہم کامیابی اس وقت حاصل ہوئی جب [حضرت] ابوطالب کے انتقال کے کچھ ہی عرصے بعد بنو ہاشم کی سرداری ابولہب کے حصّے میں آئی اور مؤخر الذّکر ابوجہل اور عقبہ بن ابی مُعَیْط کی ترغیب سے آنحضرت [صلّی اللہ علیہ وسلّم] کو پناہ دینے سے دستکش ہو گیا.

بظاہر ہجرت سے ذرا ہی پہلے اس نے رسول اللہ [صلّی اللہ علیہ وسلّم] کو قتل کرانے کی کوشش کی اور یہ طے کیا کہ قصاص کو ناممکن بنانے کے لیے ہر قبیلے سے ایک شخص اس قتل میں شریک ہو۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت [صلعم] سے عداوت کی بنا پر مکّی دور کے اواخر میں اس نے مسلمانوں پر کثیر التعداد مظالم کیے، (قب قرآن [مجید]، ۱۷ [بنی اسرآئیل]: ۶۲؛ ۴۴ [الدّخان]: ۴۳؛ ۹۶ [العلق]: ۶؛ اور ان آیات کی تفاسیر)۔ اس نے اور اس کے بھائی الحارث بن ہشام نے اپنے اخیافی بھائی عیّاش بن ابی ربیعہ کو مدینہ [منوّرہ] سے واپس چلے آنے کی ترغیب دی اور اسے (غالبًا بجبر) مکہ [معظمہ] میں روکے رکھا۔ ابوجہل کا اثر و رسوخ اس کی تجارتی اور مالی قوّت پر مبنی تھا۔ ۱ھ/ ۶۲۳ء میں [حضرت] حمزہؓ کی سِیف البحر کی مہم ایک بہت بڑے کارواں کے قریب جا پہنچی، جس کی رہنمائی ابوجہل کر رہا تھا [مگر الجہنی نے، جو طرفین کا دوست تھا، بیچ بچاؤ کرا دیا اور لڑائی نہ ہونے پائی]۔ ۲ھ/ ۶۲۴ء میں جب مکّے میں یہ خبر پہنچی کہ ابوسفیان کے قافلے کو، جو ارض شام سے آ رہا تھا، مسلمانوں کی تاخت کا خطرہ ہے، تو ابوجہل اپنی قیادت میں ایک ہزار نفوس کی فوج لے کر نکلا اور غزوۂ بدر [رک بآن] میں [عفراء کے بیٹوں کے ہاتھوں] مارا گیا۔ ابوجہل نے یہ خبر مل جانے کے باوجود کہ قافلہ محفوظ ہے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا، شاید اس امید پر کہ لڑائی جیت کر اسے عسکری ناموری حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا، کیونکہ اب تک فوج کی قیادت کا منصب ابوسفیان ہی کو، اگر وہ موجود ہوتا تو، دیا جاتا.

[ابوجہل نے دو شادیاں کیں۔ ام مجالد سے عکرمہؓ پیدا ہوے اور اروی سے دو لڑکیاں؛ بڑی جُویریہ تھی، جسے حضرت علیؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی

زندگی ہی میں پیغامِ نکاح بھیجا تھا اور چھوٹی حنفاء۔ یہ تینوں بچے مشرّف باسلام ہوے]۔ ابوجہل کی موت کے بعد بنومخزوم کے حلیف قبائل کے نامور اشخاص یہ تھے: صفوان بن امیہ (جُمَح)، سہیل بن عمرو (عامر) اور آخر میں ابوجہل کا بیٹا عِکْرِمہ.

مآخذ: (۱) دیکھیے ابن ہشام، واقدی، الطبری، بہ اِمدادِ اشاریہ؛ (۲) ابن سعد، ۳/۱: ۱۹۴ و ۳/۲: ۵۵ و ۸: ۱۹۳، ۲۲۰؛ (۳) الیعقوبی، ۲: ۲۷؛ [(۴) ابن الأثیر، ۱: ۲۳، ۲۵ ببعد، ۳۲ ببعد، ۳۸، ۴۰، ۴۵ ببعد؛ (۵) عیون الاخبار، ۱: ۲۳۰؛ (۶) السیرۃ الحلبیة، ۲: ۳۳؛ (۷) اِمتاع الأسماع، ۱: ۱۸]؛ (۸) Caetani: *Annali*، ۱: ۲۹۴-۲۹۵، ۳۰۹، ۴۷۸، ۴۹۱ وغیرہ؛ (۹) واٹ (Montgomery Watt): *Muhammad at Mecca*، بہ اِمدادِ اشاریہ؛ (۱۰) الاَزْرَقی، طبع وُسْٹنْفِلْٹ (Wüstenfeld)، ص ۴۵۵، ۴۶۹؛ [(۱۱) المُحبّر، بہ اِمدادِ اشاریہ].

(W. MONTGOMERY WATT)

----

* **ابوحاتِم الرّازی:** احمد [یا عبدالرحمٰن] بن حمدان [الورسامی اللیثی]، اسمٰعیلی فرقے کے ابتدائی دور کا مصنّف اور داعیِ رےّ۔ وہ رےّ کے نزدیک ضلع بشاوُوئی میں پیدا ہوا اور حدیث اور عربی شاعری کا اچھا عالم تھا۔ غیاث داعیِ رےّ نے اسے اپنا نائب منتخب کیا۔ غیاث کا جانشین ابوجعفر ہوا، لیکن ابوحاتم نے کسی نہ کسی طرح اسے نکال باہر کیا اور خود رےّ میں اسمٰعیلی دعوت کا قائد بن گیا۔ روایت ہے کہ اس نے احمد بن علی والی رےّ (۳۰۴-۳۱۱ھ/ ۹۱۶-۹۲۴ء) کو اپنے مذہب میں لانے میں کامیابی حاصل کی۔ ۳۱۱ھ/ ۹۲۳-۹۲۴ء میں جب سامانی افواج نے رےّ پر قبضہ کیا تو ابوحاتم وہاں سے دیلم چلا گیا اور وہاں علویوں کے ساتھ مل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں مَرْدَاوِج [رکّ بآن] اس کی مساعی کی حمایت کرتا رہا، لیکن بعدازاں جب مرداوِج اسمٰعیلیوں کا مخالف ہوگیا تو ابوحاتم فرار ہوکر مُفْلِح کے پاس چلا گیا، جو ۳۱۹ھ/ ۹۳۱ء میں آذربیجان کا عامل ہوگیا تھا۔ بظاہر وہاں اس کا انتقال، بروایت ابن حجر، ۳۲۲ھ/ ۹۳۳-۹۳۴ء میں ہوا اور یہ تاریخ اگر بالکل یقینی نہیں تو تقریبًا درست ہے.

اس کی تصانیف میں سے مشہور ترین الزِّینة ہے، جو اصطلاحاتِ دینیات کی ایک لغت ہے۔ اس میں مصنّف کا لسانیاتی ذوق غالب نظر آتا ہے اور اسمٰعیلی عقائد کا نہایت محتاط انداز میں کنایۃً ذکر ہے (اس کتاب کے مختصر بیان کے لیے قبّ A. H. al-Hamdani: *Actes XXIe Congrès des Orientalistes*، ص ۲۹۱-۲۹۴)۔ ایک گم گشتہ تصنیف الاصلاح میں اس نے النَّسفی [رکّ بآن] کے فلسفیانہ نظام کو، جس کی تشریح النَّسفی کی المحصول میں کی گئی ہے، ہدفِ تنقید بنایا تھا۔ جب اس مناظرے کی مزید چھان بین ہوچکے گی اور ابوحاتم کی اعلام النبوّۃ مکمّل طور پر شائع ہوجائے گی تو اس وقت اُمید کی جا سکتی ہے کہ اس کی اپنی آرا پر زیادہ روشنی پڑے گی۔ P. Kraus نے اعلام النبوّۃ کے ایک اہم حصّے کو شائع کیا ہے، جس میں وہ مناظرہ درج ہے جو ابوحاتم اور فلسفی ابوبکر الرّازی میں ہوا تھا۔ [ابوحاتم الرّازی کی ایک اَور کتاب الجامع فی الفقه بھی ہے].

مآخذ: (۱) نظام الملک: سیاست نامه، طبع (شیفر Schefer)، ص ۱۸۶ (طبع خلخالی، ص ۱۵۷)؛ (۲) المقریزی: اتّعاظ (طبع Bunz)، ص ۱۳۰؛ (۳) الفہرست، ص ۱۸۸، ۱۸۹؛ (۴) البغدادی: الفَرْق، ص ۲۶۷؛ (۵) ابن حجر: لسان المیزان، ۱: ۱۶۴؛ (۶) W. Ivanow: *A guide to Ismaili lit.*، ص ۳۲؛ (۷) وہی مصنّف: *Studies in early Persian Ismailism*، ص ۱۱۵ ببعد؛ (۸) P. Kraus، در *Orientalia*، ۱۹۳۶ء، ص ۳۸ ببعد؛ (۹) وہی مصنّف: رسائلِ فلسفیة لابی بکر الرّازی، ۱: ۲۹۱ ببعد؛ [(۱۰) براکلمان (Brockelmann): تکمله، ۱: ۳۲۳].

(S. M. STERN شٹرن)

----

* **ابوحاتِم السِّجِستانی:** سَہْل بن محمد الجُشَمِی، بصرے کا ایک ماہرِ لسانیات (م رجب ۲۵۵ھ/ ۸۶۹ء [یہ ابن دُرَید کی روایت ہے۔ ابن خلّکان نے سالِ وفات ۲۴۸ھ لکھا ہے]).

اس کی نسبت ولایت بصرہ کے ایک گاؤں سجستان سے ہے (یاقوت، ۳: ۴۴)۔ وہ ابوزید الانصاری، ابوعبیدہ مَعْمَر بن المُثَنّٰی، الاصمعی وغیرہ کا شاگرد تھا۔ اس کے شاگردوں میں ابن دُرَید اور المبرّد کا نام لیا جاتا ہے۔ نحوی کی حیثیّت سے وہ کسی بڑی شہرت کا مالک نہیں۔ اس کا خصوصی میدان قدیم شعرا کا کلام، ان کی لغات اور عروض تھا۔ کتابیات کے ماہرین نے اس کی سینتیس تصنیفات کا ذکر کیا ہے (مذکور در A. Haffner: *Drei arabische Quellenwerke über die Aḍdād*، بیروت ۱۹۱۳ء، ص ۱۶۰-۱۶۲)، جن میں سے حسبِ ذیل ہم تک پہنچی ہیں: (۱) الاضداد، طبع Haffner، وہی کتاب، ص ۱۶۳-۲۰۹؛ (۲) النخل، طبع B. Lagumina، در *Atti...Lincei*، Scienze morali، سلسلہ ۴/ ۸: ۵-۴۱، [روم ۱۸۷۳ء، اس کے ساتھ B. Lagumina کے قلم سے اطالوی میں تعلیقات بھی ہیں]؛ (۳) التذکیر و التأنیث، مخطوطۂ تیمور، قبّ *MMIA*، ۱۹۲۳ء، ص ۳۴۰؛ (۴) المُعَمَّرُون [یا المعمرین من العرب و طرف من اخبارهم و ماقالوه فی منتهی اعمارهم]، طبع I. Goldziher: *Abh. z. arab. Philologie*، ج ۲، لائڈن ۱۸۹۹ء [طبع امین الخانجی، مصر ۱۳۲۵ھ].

مآخذ: (۱) الفہرست، ص ۵۸، ۵۹؛ (۲) الازہری: تہذیب اللّغة، طبع K. V. Zetterstéen، در *MO*، ۱۹۲۰ء، ص ۲۲؛ (۳) زُبَیدی: طبقات، طبع F. Krenkow، در *RSO*، ۱۹۱۹-۱۹۲۰ء، ص ۱۲۷، شمارہ ۳۵؛ (۴) الأنباری: نزهة، ص ۲۵۱-۲۵۴؛ (۵) یاقوت: الأرشاد، ۴: ۲۵۸؛ (۶) ابن خلِّکان، شمارہ ۲۶۶؛

(۷) الیافعی: مرآۃ الجنان، حیدرآباد ۱۳۳۷ – ۱۳۳۸ھ، ۲: ۱۵۶؛ (۸) ابن حجر: تہذیب التہذیب، حیدرآباد ۱۳۲۶ھ، ۲: ۲۵۷؛ (۹) السّیوطی: بغیۃ، ص ۲۶۵؛ (۱۰) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۱۰۷ و تکملہ، ۱: ۱۶۷؛ [(۱۱) إنباہ الرواۃ، ۲: ۵۸؛ (۱۲) السیرافی، ص ۹۳؛ (۱۳) آداب اللغۃ، ۲: ۱۸۵]۔

(B. LEWIN)

---

* **ابوحاتم**: یعقوب بن لَبِید (یا لَبِیب یا حَبِیب) المَلْزُوزی التُّجَیْبی، المغرب کا اباضی امام؛ راسخ العقیدہ عرب مؤرّخین اسے صرف بربر باغیوں کا ایک سرغنہ بتاتے ہیں، لیکن اس کی حیثیت اس سے کچھ زیادہ معیّن تھی، کیونکہ طرابلس کے اباضیوں نے اسے امام الدِّفاع (مدافعت کار رہنما) کا لقب دیا تھا۔ ابوزکریا الوَرجلانی کی تاریخ کے مطابق یہ بغاوت ابوالخطّاب کی وفات کے صرف ایک سال بعد رجب ۱۴۵ھ/ستمبر۔اکتوبر ۷۶۲ء میں واقع ہوئی تھی۔ الشمّاخی: السِّیر، قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ص ۱۳۴، کے بیان کے مطابق ابوحاتم کی حکومت ۱۵۴ھ میں شروع ہوئی، مگر ممکن ہے کہ یہاں غلطی سے ۱۴۵ھ کو ۱۵۴ھ لکھ دیا گیا ہو۔

ابوحاتم کی امامت کے ابتدائی سالوں کا حال بہت کم معلوم ہے۔ اس نے طرابلس کو سر کیا، اپنے بہت سے دشمنوں کو قتل کر دیا اور اس شہر کو اپنا دارالحکومت بنا لیا۔ ابوزکریّا لکھتا ہے کہ وہ تاہرت کی امامت کے آئندہ بانی عبدالرحمٰن بن رستم کے ساتھ، جو ان دنوں کوہستان سُوف اَجَّ میں مورچہ بند تھا، راہ و رسم رکھتا تھا۔ ۱۵۴ھ/۷۷۱ء میں ابوحاتم نے عبّاسی والی اِفْرِیقیہ عمر بن حَفْص المعروف بہ ہزار مرد کے خلاف بربروں کی ایک عام بغاوت میں حصّہ لیا۔ وہ اپنا لشکر لے کر زاب کے علاقے میں طُبْنہ کے محاصرے میں شریک ہوا۔ ابوحاتم کی افواج کے ایک اور دستے نے آٹھ ماہ سے القیروان کا محاصرہ کر رکھا تھا، جسے ۱۵۵ھ/۷۷۱-۷۷۲ء کے آغاز میں سر کر لیا گیا۔ القیروان کی اس تسخیر کے جلد ہی بعد مصر سے ایک عبّاسی لشکر طرابلس کی مشرقی سرحد پر آ پہنچا۔ ابوحاتم طرابلس سے چلا اور اس نے ایک لڑائی میں اس لشکر کو شکست دی۔ اباضی وقائع نویس، غالبًا غلطی سے، لکھتے ہیں کہ یہ لڑائی مَغْمَداس (قدیم نام Macomades Syrtis، عہدِ حاضر کے نقشوں میں مرسی زُفْرن) کے مقام پر ہوئی۔ مگر کچھ عرصے بعد ایک اور عباسی لشکر نے یزید بن حاتم الازدی کے زیرِ قیادت قاہرہ سے چل کر طرابلس پر پیش قدمی کی۔ ابوحاتم طرابلس کے اباضی بربر قبائل نَفُوسہ، ہَوّارہ، ضَرِیسہ، وغیرہ کو اکٹھا کر کے غنیم کے مقابلے کے لیے چلا۔ ۲۷ ربیع الاوّل ۱۵۵ھ/ ۷ مارچ ۷۷۲ء کو جبل نفوسہ کے مشرق میں جَنْبی (ابوزکریّا) یا جَنْدُوبہ (الشمّاخی) نامی ایک مقام کے مغرب کی طرف لڑائی ہوئی۔ اباضیوں کے لشکر کے پرخچے اڑا دیے گئے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ابوحاتم اپنے تیس ہزار آدمیوں سمیت میدان جنگ میں کھیت رہا۔

مآخذ: (۱) ابوزکریّا: السّیرۃ و اخبار الائمۃ (مخطوطہ، در مجموعۂ S. Smogorzewski)، ورق ۱۴ الف تا ۱۶ الف؛ (۲) E. Masqueray: *Chronique d'Abou Zakaria*، الجزائر ۱۸۷۸ء، ص ۴۱-۴۹؛ (۳) الشمّاخی: سِیَر، قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ص ۱۳۸ ببعد؛ (۴) البلاذری: فُتوح، ص ۲۳۲ – ۲۳۳؛ (۵) ابن خلدون: *Hist. des. Berb*، ۱: ۲۲۱–۲۲۳، ۳۷۹–۳۸۵؛ (۶) الادریسی: *Descriptio al-Magribi* (طبع دخویہ de Goeje)، ص ۸۳ – ۸۴؛ (۷) H. Fournel: *Les Berbéres*، ص ۳۷۰–۳۸۰؛ (۸) R. Basset، در *JA*، ۱۸۹۹ء، ۲: ۱۱۵–۱۲۰؛ [(۹) احمد بک: المنہل العذب، ۱: ۵۵ ببعد]۔

(T. LEWICKI و A. DE. MOTYLINSKI)

---

* **ابوحاتم**: یوسف بن محمد، رکّ بہ آل رستم۔

---

* **ابوحامد الغَرناطی**: محمد بن عبدالرحمٰن (یا عبدالرحیم) بن سلیمان المازِنی القَیْسی، چھٹی صدی ہجری/بارھویں صدی عیسوی کے شروع کا ایک اندلسی سیاح اور جامعِ ''عجائب'' [رکّ بآن]، مغربی ''رحّالہ'' کا مکمل نمونہ، جسے علم کی خواہش اور قسمت آزمائی کا ذوق بلادِ اسلامیہ کی انتہائی حدود تک کشاں کشاں لے پہنچا۔ اس کی زندگی کے حالات سے متعلّق بہت کم معلومات موجود ہیں، اگرچہ اپنی قسمت آزما زندگی کی اہم تاریخیں خود اس نے اپنی تصانیف میں دے دی ہیں۔ وہ ۴۷۳ھ/۱۰۸۰ء میں غرناطہ میں پیدا ہوا، بلاشبہہ وہیں تعلیم حاصل کی اور غالبًا کچھ عرصے اُقْلیش (Uclés) میں قیام پذیر رہا، جب وہ تیس سال کا ہو گیا تو اپنے وطن سے نکل کھڑا ہوا اور پھر زندگی بھر وہاں واپس نہ آیا۔ ابتدا میں اس نے چند سال افریقیہ میں گزارے، پھر سمندر کے راستے ۵۱۱ھ/۱۱۱۷-۱۱۱۸ء میں اسکندریہ کا رخ کیا اور پہلے وہیں اور بعدازاں ۵۱۵ھ/۱۱۲۱-۱۱۲۲ء تک قاہرہ میں ٹھیرا رہا۔ وہاں سے دمشق میں ایک مختصر سے قیام کے بعد وہ بغداد پہنچا اور چار سال تک وہاں مقیم رہا۔ ۵۲۴ھ/۱۱۳۰ء میں وہ ایران کے شہر اَبْہَر میں موجود تھا اور بعدازاں دریاے والگا (Volga) کے دہانے کے نزدیک جا پہنچا۔ اس کے خاصے عرصے کے بعد وہ ہنگری گیا اور تین سال، یعنی ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء تک وہاں رہا۔ پھر سرزمین صقالبہ کے علاقوں (مشرقی یورپ) میں سے ہوتا ہوا وہ خوارزم پہنچا اور وہاں سے حج کے لیے براہ بخارا، مرو، نیشاپور، ریّ، اصفہان اور البصرہ بلادِ عرب میں وارد ہوا۔ ۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء میں اس نے بغداد میں سکونت اختیار کی، لیکن چھے سال بعد موصل چلا گیا۔ اس کے بعد عازمِ ارضِ شام ہوا اور کچھ عرصہ حلب میں قیام کرنے کے بعد مستقل طور پر دمشق میں سکونت پذیر ہو گیا اور وہیں ۵۶۵ھ/۱۱۶۹-۱۱۷۰ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوا۔

ابوحامد الغرناطی نے بغداد میں اور اس کے بعد موصل میں وہ دو کتابیں تصنیف کیں جن پر اس کی شہرت مبنی ہے۔ ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء میں بغداد میں اس نے مشہور وزیر یحیٰی بن محمد بن ہُبَیرہ کے لیے اپنی المُعْرِب عن بعض عجائب المَغْرِب [یا عجائب البلدان] تصنیف کی اور موصل میں اپنے سرپرست اور مربّی

ابوحفص الاَرْدَبیلی (قبّ براکلمان: تکملہ، ۱: ۷۸۳-۷۸۴) کے ایما پر اپنی کتاب تحفۃ الالباب (یا تحفۃ الاحباب) و نخبۃ الاَعْجاب لکھی، جس کے حوالے مشرق اور مغرب کے مسلم مصنّفین نے بکثرت دیے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں، جن کے کئی مخطوطے محفوظ ہیں، نہ صرف دلچسپ معلومات اور صحیح بیانات پر مشتمل ہیں، بلکہ ان میں اسطوری یا فوق العادت چیزوں کے بیانات بھی موجود ہیں۔ ان پر بہت سے مخصوص مقالے لکھے گئے ہیں، متن بھی مدوّن ہوا ہے اور اس کا مشروح ترجمہ بھی کیا گیا ہے، جو فِرّان (G. Ferrand) نے تحفۃ، *JA*، ۱۹۲۵ء، ۱-۱۴۸، ۱۹۳-۳۰۳، میں شائع کیا اور مُعْرِب کو ڈُبلر (C. E. Dubler) نے مع ایک ہسپانوی ترجمے اور ایک دقیق تنقیدی مقالے کے شائع کیا (*Abū Ḥāmid el Grenadino y su relaciòn de viaje por tierras eurasiáticas*، میڈرڈ ۱۹۵۳ء)۔ تحفۃ میں شہر روم کا جو حال مندرج ہے اس کا ترجمہ ۱۹۰۰ء میں C. Crispo Moncada نے پلرمو (Palermo) کے ایک مخطوطے کی مدد سے اسی شہر سے شائع کیا.

مآخذ: (۱) المقّری: [نفح الطیب] *Analectes*، ۱: ۶۱۷-۶۱۸؛ (۲) حاجی خلیفہ، ۲: ۲۲۲ و ۴: ۱۸۹-۱۹۰؛ (۳) Pons Boigues: *Ensayo biobibliogrāfico*، ص ۲۲۹-۲۳۱؛ (۴) Brockelmann: تکملہ، ۱: ۸۷۷-۸۷۸؛ (۵) *JA*، دسمبر ۱۹۲۰ء].

(E. LÉVI-PROVENÇAL)

----

* **ابو حَبَّہ:** (اناج کا باپ، اس لیے کہ یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے)، کھنڈروں کے ایک وسیع و عریض مجموعے کا نام، جو بغداد کے جنوب مغرب اور مُسَیَّب کے شمال مشرق میں دریاے فرات کے مشرقی کنارے سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع ہے۔ ۱۸۸۱ اور ۱۸۸۲ء میں رَسَّم (H. Rassam) کے زیرِ ہدایت یہاں جو کھدائیاں ہوئیں ان سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ ابو حبّہ ہی وہ مقام ہے جہاں بابل کا قدیم شہر سپّر (Sippar) آباد تھا اور جس کی تلاش اس سے پہلے سِفیرہ (یا سِفرِہ؛ پطرس (Peters) نے اسے سِفیرہ لکھا ہے) کے آثار میں کی جا چکی تھی، حالانکہ سفیرہ کسی قدر شمال کی جانب واقع ہے، اور اس کی وجہ محض ناموں کی مماثلت تھی۔ ۱۸۹۴ء میں پادری شائیل (Father Scheil) نے یہاں جن کھدائیوں کا بیڑا اٹھایا وہ بھی کامیاب رہیں؛ چنانچہ رَسَّم (Rassam) اور شائیل (Scheil) اور بعض عربوں کو خطِ میخی میں جو کتبات دستیاب ہوئے وہ زیادہ تر ان تحریروں پر مشتمل ہیں جو بصورتِ معاہدات لکھی جاتی ہیں، یعنی عدالتی یا تجارتی دستاویزات۔ ان کا بیشتر حصّہ سورج (شمس) دیوتا کے مشہور مندر کے محافظ خانوں سے ملا۔ سپّر بابل کے قدیم ترین شہروں میں سے تھا، جس کا سراغ ان قدیم دستاویزوں سے مل جاتا ہے جن کا تعلق تین ہزار برس قبل مسیحؑ کے زمانے سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دریاے فرات اس کے قریب ہی سے گزرتا تھا، گو اس زمانے میں اس کا طاس ان کھنڈروں سے کوئی ساڑھے سات میل (بارہ کیلومیٹر) دور چلا گیا ہے۔ سپّر بشمول اگاد (Agade) (جسے سپّرِ انونتو بھی کہتے تھے، یعنی انونت دیوی کا شہر سپّر) اور اس کے درمیان غالبًا صرف دریاے فرات حائل تھا۔ وہ دو شہروں کا مجموعہ تھا۔ اس میں اور اگاد میں فرق کرنے کے لیے اسے بعض اوقات سپّرِ شمس سے بھی موسوم کرتے تھے، یعنی شمس کا شہر سپّر۔ یہ مسئلہ ابھی تک متنازعہ فیہ ہے کہ آیا یہ دونوں شہر وہی ہیں جسے عہد نامۂ عتیق میں سفروایم (Sepharwaim) کہا گیا ہے (الملوک الثانی، ۱۸: ۳۴ و ۱۹: ۱۳؛ اشعیاء، ۳۶: ۱۹ و ۳۷: ۱۳).

مآخذ: (۱) Peters، در *Zeitschr. für Assyriologie*، ۶: ۳۳۳؛ (۲) Hilprecht: *Explorations in Bible lands during the 19th century*، (فلاڈلفیا ۱۹۰۳ء)، ص ۲۶۸-۲۷۵، ۲۷۳، ۵۷۳ بعد؛ (۳) V. Scheil: *Une saison de fouilles à Sippar*، (در *Mèm. de l'inst. franç. d'archéol. orient. du Caire*، ج ۱، قاہرہ ۱۹۰۲ء)؛ (۴) Delitzsch: *Wo lag das Paradies*، (لائپزگ ۱۸۸۱ء)، ص ۲۰۹-۲۱۲؛ (۵) Fr. Hommel: *Gesch. Babylon. u. Assyr*، (برلن ۱۸۸۵-۱۸۸۹ء)، ص ۲۰۳-۲۰۵، ۲۲۷-۲۲۹؛ (۶) وہی مصنّف: *Grundriss der Geogr. u. Gesh. des alt-Orients*، (طبع دوم، میونخ ۱۹۰۴ء)، ص ۳۴۱-۳۴۴، ۴۰۲-۴۱۰؛ (۷) Muss-Arnol: *Concise diction. of the Assyrian language*، ۷۸۰.

(STRECK)

----

* **ابوالحسن:** (Albohazen، Alboacen وغیرہ) رکّ بہ ابن ابی الرجال.

----

* **ابوالحسن:** رکّ بہ (۱) الاَشْعَرِی؛ (۲) الشاذِلی.

⊗ **ابوالحسن العامری:** محمد بن یوسف (مشہور بہ ابوالحسن بن ابی ذرّ) نیشاپوری، ملقّب بہ صاحب الفلاسفہ، چوتھی صدی ہجری/گیارھویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں اسلامی فلسفیوں میں سب سے سر برآوردہ؛ (م شوال ۳۸۱ھ) (یاقوت: معجم الادباء، طبع وقفیۂ گب، ۱۲: ۴۱۱).

اس کے بعض ہم عصر مشاہیرِ زمانہ میں سے تھے، جیسے ابو الفضل ابن العمید، اس کا بیٹا ابوالفتح ابن العمید، ابوسعید السِیرافی، ابو النَّصر نفیس، ابو سلیمان سِجزی، ابوحیّان توحیدی اور ابوعلی مِسکَوَیہ، اور انھیں لوگوں میں اس کا بیٹھنا اٹھنا تھا.

اس کے اساتذہ میں سب سے مشہور ابو زید احمد بن السّہل البلخی ہے۔ اس نے خراسان میں اسی سے علم فلسفہ کی تحصیل کی (ابو سلیمان منطقی السجستانی: صوان الحکمۃ، برٹش میوزیم، عدد Or. ۹۰۳۳، ورق ۶۹ الف؛ العقد الفرید، مخطوطۂ

برٹش میوزیم، عدد ۳۶۵ و ۲۳.add، ابوزید مذکور کے لیے دیکھیے ابوحیّان توحیدی: کتاب الامتاع والموانسة؛ الشہرستانی: الملل والنحل، مصر ۱۳۶۸ھ، حواشیِ ناشر، ۳: ۲۵؛ نیز تتمۃ صوان الحکمۃ؛ یاقوت: معجم الادباء؛ براکلمان: کشف الظنون؛ بغیة الوعاة وغیرہ)۔ اس کا دوسرا استاد ابوالفضل ابن العمید ہے (ابوعلی مِسْکَوَیہ: تجارب الامم، ج ۶، طبع ایمڈروز (Amedroz): ص ۲۷۷؛ وہی کتاب، طبع عکسی، ص ۳۵۲).

۳۶۰ھ سے قبل عامری نے مختلف علاقوں میں کئی مرتبہ سفر کیا اور درس و مناظرہ میں مشغول رہا۔ اگرچہ اس نے ایک بار پہلے بھی بغداد کا سفر کیا تھا (تجارب الامم، ۶: ۲۷۷؛ طبع عکسی، ۶: ۳۵۲) تاہم دوسری مرتبہ ۳۶۴ھ میں ابوالفتح ابن العمید (پسر ابن العمید اوّل) کے ہمراہ وہ پھر بغداد گیا (توحیدی: المقابسات، مطبوعۂ مصر، ص ۳۰۷)۔ وہ رےّ بھی گیا اور درس و املا اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہ کر متواتر پانچ سال وہاں گزارے (توحیدی: الامتاع، مطبوعۂ مصر، ۱: ۳۵ بعد، مؤلّفہ مابین ۳۷۰ و ۳۸۷ھ)۔ ۳۷۰ھ میں اس کا نیشاپور میں موجود ہونا بھی معلوم ہوتا ہے (وہی کتاب، ۳: ۹۱-۹۶).

عامری کے شاگردوں میں ابوحیّان توحیدی قابلِ ذکر ہے (المقابسات، مطبوعۂ مصر ۱۳۴۷ھ، ص ۱۶۵، ۳۰۱-۳۰۷؛ عبدالرزاق محی الدین: رسالة، درعربی، مطبوعۂ مصر ۱۹۴۹ء؛ ابراہیم الجیلانی: رسالة، قاہرہ ۱۹۵۰ء، مع رسالۂ توحیدی درعربی)۔ ابوعلی مسکویہ بھی اس کی تعلیمات سے متمتّع ہوا، لیکن اس کا سب سے قریبی اور خاص شاگرد ابوالقاسم الکاتب ہے، جس کا لقب غلامِ ابی الحسن العامری ہوگیا ہے (التوحیدی: کتاب الامتاع والموانسة، ۱: ۳۶، ۶۵؛ وہی کتاب، ۱: ۲۲۲، ۲۲۳).

۳۲۰ھ میں بغداد میں العامری کے دو مناظرے ہوے، جن میں ایک ابوسعید الحسن بن عبداللہ بن المرزُبان السیرافی نحوی سے تھا اور دوسرا ابوبشر متّی بن یونس منطقی نصرانی سے (ابوحیّان التوحیدی: کتاب الامتاع والموانسة، ۱: ۱۰۷-۱۲۹).

العامری کے السیرافی سے مناظرے کا ذکر یاقوت الحموی (معجم الادباء، طبع وقفیۂ گب، بار دوم، ۳: ۱۰۵-۱۲۴، نیز مطبوعۂ قاہرہ، دار المأمون، ۸: ۱۹۰-۲۲۹) نے احوال سیرافی کے ذیل میں کیا ہے۔ اس کے بعد یہی مصنّف العامری اور السیرافی کے درمیان ایک اَور مناظرے کا ذکر کرتا ہے، جو کتاب الإمتاع والموانَسة میں مذکور نہیں ہے۔ یہ مناظرہ بغداد میں ابوالفتح ابن العمید کی مجلس اور مشاہیر علما کی ایک جماعت کی موجودگی میں ہوا۔ اس میں العامری کو نیچا دیکھنا پڑا اور ابن العمید نے السّیرافی کی تحسین کی اور العامری کو ملامت کی۔

العامری کا ماہرینِ فلسفہ کے زمرے میں شمار تو تھا ہی، وہ علومِ شرعیہ سے بھی واقف تھا اور شریعت اور فلسفے کے درمیان توفیق و تطبیق کا شائق۔ اس نے ارسطاطالیس کی اکثر کتابوں کی شرح کی ہے۔ الشیخ الرئیس بوعلی ابن سینا نے اس کے بعض اقوال کو سختی کے ساتھ ردّ کیا ہے اور اسے الفدم (احمق، کودن، کندۂ ناتراش اور خشک مغز) کہا ہے (ابن سینا: النجاة، مطبوعۂ مصر، ص ۴۴۴؛ وہی مصنّف: الشِفاء، مطبوعۂ تہران، ص ۶۱۶، لیکن یہاں اس نے ابوالحسن العامری کا نام نہیں لیا).

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن سینا اور العامری کے درمیان گزرے ہوے ایک مزعومہ واقعے کا، جس کا ذکر بعض کتب میں آیا ہے، بنظرِ تحقیق مطالعہ کیا جائے.

ابن ابی اصیبعہ: عیون الانباء، ۲: ۲۰، نے ابوعلی ابن سینا کی تالیفات کے ضمن میں ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، جس کا نام اجوبة سؤالات سألہ عنها ابوالحسن العامری وهی اربع عشرة مسئلة (یعنی ان چودہ سوالوں کے جوابات جو ابوالحسن العامری نے ابن سینا سے پوچھے تھے)۔ اس کتاب کا کوئی نسخہ ہمارے پاس نہیں ہے اور نہ تالیفاتِ ابن سینا کی ان فہرستوں میں جو لوگوں نے مرتّب کی ہیں اس کا نام کہیں مذکور ہے (دیکھیے ڈاکٹر یحیی مہدوی: فهرست مصنفات ابن سینا، ص ۳۰۸، شمارہ ۱۴ جدول)، لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا ایک نسخہ قاضی نور اللہ شوستری کے پاس موجود تھا، کیونکہ مجالس المؤمنین، تہران ۱۲۹۹ھ ش، ص ۳۳۳، میں بذیل مسئلۂ امامت ایک عبارت ''ان ملفوظات سے جن کی شیخ قدس سرہٗ نے بجواب ابوالحسن العامری تصریح فرمائی ہے''، نقل کی ہے اور اس سے استنباط کیا ہے کہ الشیخ الرئیس شیعی تھا، بعینہٖ یہی استدلال سعید احمد تلمیذ سید داماد کے ہاں کتاب الشفاء، مطبوعۂ تہران، ص ۶۵۷ کے حواشی میں موجود ہے اور چونکہ شیخ کی طرف منسوب عبارت ہو بہو وہی ہے جو اس میں ہے اس لیے احتمال یہ ہے کہ وہ مجالس المؤمنین ہی سے لی گئی ہوگی.

لیکن یہ رسالہ جو کچھ بھی ہو، اگر ابن سینا کا ہے تو ممکن نہیں کہ زیرِ بحث العامری کے سوالات کے جواب میں ہو، کیونکہ العامری کا انتقال ۳۸۱ھ میں ہوا اور ابن سینا ۳۷۰ھ سے پہلے پیدا نہیں ہوا؛ اس لیے العامری کی وفات کے وقت بوعلی سینا کی عمر گیارہ برس سے زیادہ نہیں ہوسکتی اور یہ سمجھ میں آنے کی بات نہیں کہ اسّی سال کا ایک بزرگ کسی طفل یازدہ سالہ سے اس قسم کے سوالات بغرض استفادہ کرے۔ اگر دس گیارہ سال کے لڑکے سے، خواہ وہ کتنا ہی تیزفہم ہو، امتحان کی غرض سے بھی سوالات کرتے ہیں تو ایسے جو اس کے سن و سال کے مناسب ہوں؛ مشورے اور استفتا کے لیے ایسے بچے سے کوئی سوالات نہیں کرتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر بالفرض ابن سینا العامری کے چودہ سوالوں کے جواب میں کوئی رسالہ لکھتا تو اس کا ذکر ابوعبید جوزجانی کی فہرستِ مصنّفاتِ ابن سینا میں ضرور ہونا چاہیے تھا۔ پس اس کا حل یہی ہوسکتا ہے کہ یا تو یہ ابوالحسن العامری کے سوالات کے جوابات لکھنے والا کوئی اور ابوعلی (مثلاً ابوعلی مسکویہ) ہے اور جواب دینے والے کی شخصیت میں اشتباہ واقع ہوگیا ہے، یا یہ سوالات کرنے والے ابوالحسن محمد بن ابی ذر یوسف العامری نہیں کوئی اَور ابوالحسن عامری ہے.

ایک مخطوطے میں، جو کتب خانۂ راغب پاشا (مجموعہ ۱۴۶۱، رسالہ ۲۸، ورق ۱۵۰-۱۶۲) میں محفوظ ہے، سات مناظروں کا ذکر ہے، جو ابو علی سینا اور الشیخ العامری کے درمیان ہوے (دیکھیے مہدوی: کتاب مذکور، ۱۷، ۳۱۷، شمارہ ۱۰۷)۔ اس کے بارے میں بھی وہی دو باتیں کہی جاسکتی ہیں کہ یا تو الشیخ العامری زیر بحث ابوالحسن کے سوا کوئی اور عامری ہے اور یا جس سے اس کا مناظرہ ہوا وہ کوئی اور ابو علی ہے، ابو علی سینا نہیں ہے۔

معلوماتِ عامّہ کے مصنّفین نے ہمارے موضوع بحث کا ذکر حسبِ ذیل طریقوں سے کیا ہے اور اس پر بحث بھی کی ہے۔

''ابوالحسن عامی کی ایک کتاب ہے، جس کا نام اس نے ابد علی الابد رکھا ہے۔ اس میں اس نے کہا ہے: جالینوس کو لوگوں نے حکیم اور فیلسوف نہیں مانا، اس لیے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ مجھے خیر اوّل کے اوصاف میں شک ہے الخ'' (ابوالمعالی محمد الحسینی العلوی، ۴۸۵ھ، طبع شارل شفر، در منتخبات فارسیه، ۱: ۱۴۳ و طبع عباس اقبال، ٦)، اقبال آشتیانی (ص ۵۲) نے قرائن سے پتا لگایا ہے، جو ٹھیک ہے، کہ یہ ''ابوالحسن عامی'' وہی ابوالحسن عامری ہے جس سے ہم بحث کر رہے ہیں اور اس کی شخصیت کو یاقوت: معجم البلدان؛ الشہرستانی: الملل والنحل؛ الشہرزوری: تاریخ الحکماء اور ابوحیّان التوحیدی: مقابسات سے تلاش کر کے معین کیا ہے، لیکن عامری کی کتاب کا نام ابد علی الابد نہیں بلکہ الاَمَد علی الابد ہے، جیسا کہ اس کی تصنیفات کے ذیل میں معلوم ہوگا اور اس کے نسخے میں، جو ''سرویلی کتب خانہ سی'' کے ایک حصّے میں محفوظ ہے، جالینوس کی بابت مذکورۂ بالا تعلیقہ موجود ہے۔

ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی (م ۵۴۸ھ) فقط اس کا نام (ابوالحسن العامری) دینے پر اکتفا کرتا ہے اور اسے یعقوب بن اسحٰق الکندی، حُنین بن اسحٰق، ابوسلیمان السجزی، ابو زید احمد بن سہل البلخی، مسکوَیہ، الرّازی اور ابونصر الفارابی کے زُمرے میں شمار کرتا ہے، لیکن اس کے حالات و اقوال کچھ بھی بیان نہیں کرتا کتاب الملل و النحل، مطبوعۂ لنڈن، ص ۳۴۸؛ مصر ۱۳۶۸ھ، ۳: ۳۸؛ ترجمۂ فارسی، مطبوعۂ تہران، ص ۴۰۷؛ نسخۂ مطبوعۂ مصر کا ناشر حاشیہ ص ۳۸-۴۰ میں ابوالحسن العامری کے بارے میں ابوحیّان التوحیدی سے نقل کر کے کچھ اطلاعات مہیّا کرتا ہے۔

ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے العامری کا دو بار ذکر کیا ہے (ابن تیمیہ تقی الدین ابوالعباس احمد: کتاب الرّد علی المنطقیین، بمبئی ۱۳۶۸ھ، ۷، ۳۴۳)۔ پہلی بار فصل در اختلاف فلاسفہ میں اس کا ذکر کرتے ہوے وہ لکھتے ہیں: ''محمد بن یوسف العامری نے، جو فلسفیوں کا ایک مصنف ہے، ذکر کیا ہے، کہ قدماے فلاسفہ شام میں آئے اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیرووں سے بہت کچھ سیکھا۔ فیثا غورس، جو سقراط کا استاد ہے، لقمان حکیم کی تعلیمات سے مستفید ہوا اور یہ سقراط افلاطون کا استاد ہے اور افلاطون ارسطو کا استاد ہے''۔

ابن تیمیہ کا یہ بیان کتاب الامد علی الابد کی، جس کا ذکر کئی بار آچکا ہے، فصل مذکور پر مبنی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے کتاب تاریخ الحکماء سے لیا ہے۔

دوسری بار العامری کا ذکر انھوں نے اس موقع پر کیا ہے جہاں وہ ان اسلامی تصنیفات کے نام گنواتے ہیں جن میں اسلامی تعلیمات کو حکما کے اخلاقی اصول پر منطبق کیا گیا ہے اور دونوں میں اتحاد ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں وہ لکھتے ہیں: ''جیسے کتاب موازین الاعمال تصنیف ابو حامد الغزالی؛ رسائل اخوان الصفا اور محمد بن یوسف العامری کی کتابیں''۔

کتاب شروق الانوار میں، جو ساتویں صدی کی تالیف ہے، ایک عامری کا دو بار ذکر آیا ہے اور چونکہ اس کا کچھ اَور پتا نشان نہیں دیا گیا اس لیے کہا نہیں جاسکتا کہ وہ یہی عامری ہے یا کوئی اَور۔

شیخ یوسف البحرانی (م ۱۱۸۶ھ) کی کتاب لؤلؤۃ البحرین (مطبوعۂ بمبئی، ص ۲۶۷) میں جس ابوالحسن العامری کا ذکر آیا ہے وہ قطعاً ہمارا ابوالحسن العامری نہیں ہے، کیونکہ اس میں کہا گیا ہے کہ ابوالحسن العامری نے شریف رضی سے ملاقات کی، اس کے ذرا بعد لکھا ہے کہ اس ملاقات کے بعد سیّد رضی کی محرّم ۴۰۶ھ میں وفات ہوئی اور یہ ثابت ہے کہ ہمارا عامری رضی کی وفات سے پچیس سال پہلے انتقال کر چکا تھا۔ لؤلؤۃ کے اس صفحے پر اس خبر سے پہلے رضی کی بابت ایک اَور حکایت ابوالحسن العمری کے نام سے درج ہے۔ یہ وہی ابوالحسن العمری ہے جس کی طرف کشف الحجب والاستار، ص ۳۱۵، ۳۸۸، میں کتاب بعنوان الشافی والعیون منسوب کی گئی ہے اور اس کا پورا نام ابوالحسن علی بن محمد العلوی العمری درج ہے، لیکن اس کا زمانِ حیات معیّن نہیں کیا گیا۔ قرینِ قیاس ہے کہ پہلی حکایت میں بھی یہی العمری مراد ہے، جسے کاتب نے غلطی سے العامری لکھ دیا ہے۔

حسن بن ابراہیم السلماسی مختصر فی الامثال والاشعار (نسخۂ فاتح، عدد ۵۲۹۷، ورق ۱۶۰ب) میں ایک شخص ابوالقاسم العامری سے چند مسجّع کلماتِ حکمت نقل کرتا ہے۔ یہاں اس کی کنیت میں غالبًا اشتباہ واقع ہوگیا ہے، یاممکن ہے کہ وہ کسی اَور حکیم کا کلام ہو۔ بہر حال وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ابوالحسن العامری کی تصنیفات: ابوالحسن العامری نے اپنی کتاب الامد علی الابد کے دیباچے میں اپنی بعض تصنیفات کا ذکر کیا ہے اور اسی کو ابوسلیمان منطقی السجستانی نے اپنی کتاب صوان الحکمۃ میں، جس کا آج کل فقط انتخاب ہی موجود ہے، نقل کیا ہے۔ اس میں سے اور عامری کی دوسری تصنیفات اور کچھ دیگر مصنّفین کی کتابوں سے جو معلومات اس کی تصنیفات کی بابت ہمیں مل سکیں ان کے مطابق ذیل میں ان کی مکمّل فہرست دی جاتی ہے۔ ہر کتاب کے ساتھ ان مآخذ کا حوالہ دیا گیا ہے جہاں اس کا ذکر موجود ہے۔

(۱) الابانة عن عللِ الدّیانة (الامد، دیباچہ، فہرست منتخب صوان الحکمة، البیہقی (تتمة صوان الحکمة) نے اس کتاب کو ابوزید بلخی کی طرف منسوب کیا ہے (قب پروفیسر محمد شفیع: حواشی بر تتمة صوان الحکمة، ص۱۸۶)، منتخب میں اس کا نام تغزیر دیا ہے)؛ (۲) الابحاث عن الاحداث (الامد، صوان، التقریر، ص ۶۳، سطر ۲)، منتخب میں التصرّف؛ (۳) الابشار والاشجار (الامد، صوان، التقریر، ص ۶۵، سطر ۳، سرویلی کے نسخے میں الربانیة)؛ (۴) الاتمام لفضائل الانام (الامد، صوان)؛ (۵) الابصار والمُبصر (موجود) (الامد، صوان، براکلمان: تکملہ، ۱: ۹۵۸، منقول از P. Kraus)، منتخب میں الایجاب عن الاحداث؛ اس کا ایک نسخہ بنام القول فی الابصار والمُبْصِر پہلے استانبول، کتب خانۂ مفید افندی میں تھا، وہاں سے چوری ہوگیا، ایک نسخہ اس کا کتب خانۂ احمد تیمور پاشا میں بہ شمارۂ حکمت ۹۸، موجود ہے؛ (۶) الارشاد لتصحیح الاعتقاد (الامد، صوان، التقریر، ص ۳۰، سطر ۲)؛ (۷) استفتاح النظر (الامد، صوان)؛ (۸) الاعلام بمناقب الاسلام (موجود) (الامد، صوان)، اس کا ایک نسخہ مجموعۂ ۱۴۶۳ راغب پاشا، ورق ۱-۲۸، میں موجود ہے۔ اس مجموعے پر ۵۲۵ھ لکھا ہے۔ مؤلف نے اسے الشیخ الفاضل الرئیس ابونصر سے منتسب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں اسلام کے جملہ مناقب عُلِیّہ جمع کردیے گئے ہیں؛ (۹) الافصاح والایضاح (الامد، صوان)؛ (۱۰) الامد علی الابد (موجود) (صوان، تاریخِ حکما کی باقی کتابیں، جنھوں نے صوان سے نقل کیا ہے)، اس کا ایک نسخہ استانبول، کتب خانۂ سلیمانیہ، قسم سرویلی، مجموعہ شمارہ ۱۷۹، ورق ۷۵-۱۱۰ میں موجود ہے؛ (۱۱) انقاذ البشر من الجبر والقدر (موجود) (الامد، صوان، التوحیدی: الامتاع)، اس کا ایک نسخہ، جو پہلے بیروت، کتاب خانۂ البارودیہ میں تھا، آج کل پرنسٹن یونیورسٹی میں ہے (فہرست فلپ حتّی (Hitti)، شمارہ ۲۱۶۳)، نشان ۳۹۳ ب، ص ۱-۲۵؛ رک بہ مجلة المجمع العلمی العربی، دمشق، ۵ (۱۹۲۵ء): ۳۴؛ براکلمان: تکملہ، ۱: ۷۴۴؛ اس کے ساتھ ایک رسالہ شمارہ (۱۴) ملا ہوا ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے؛ (۱۲) التبصیر لاوجہ التعبیر (الامد، صِوان)؛ (۱۳) تحصیل السلامة من الحصر والاسر (الامد، صوان)؛ (۱۴) التقریر لاوجہ التقدیر (موجود) (الامد، صوان)، اس کا نسخہ انقاذ البشر کے ساتھ ملا ہوا (دیکھیے اسی فہرست میں شمارہ (۱۱)) پرنسٹن یونیورسٹی میں محفوظ ہے اور اس کا ذکر اور اس سے بحث مجلة المجمع العلمی العربی، دمشق، میں موجود ہے اور وہاں سے لے کر براکلمان میں مندرج ہے؛ یہ مجموعے کے ص۲۶-۸۶ پر محتوی ہے؛ (۱۵) السعادة والاسعاد (موجود)، اس کتاب کا قدیم نسخہ آج سے تقریباً چالیس پچاس سال پہلے مصر میں موجود تھا اور اس کی نقل اِس وقت ڈاکٹر اصغر مہدوی کے پاس ہے؛ اصلی نسخے کا عکس بھی دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔ اس نسخے کی بابت محمد کرد علی کا ایک مقالہ مجلة المجمع العلمی العربی، دمشق (۹: ۵۶۳-۵۷۳)، میں شائع ہوا تھا؛ اور وہاں سے لے کر براکلمان نے اپنے تکملہ (۳: ۱۲۳۹) میں درج کردیا ہے۔ کرد علی کا اور اس کے اتّباع میں براکلمان کا خیال ہے کہ ابوالحسن العامری غرغوریس ابن العبری کے بعد ہوا تھا، لیکن اصل نسخہ، جو پانچویں صدی ہجری کا ہے، سر چسٹر بیٹی (Sir Chester Beattie) کے کتب خانے، واقع ڈبلن (آئرلینڈ)، میں محفوظ ہے اور اس کے چھوٹی تقطیع (قطع وزیری) کے ۲۲۴ ورق ہیں۔ بعض اوراق کا اوّل و آخر اور درمیانی حصّہ مفقود ہے۔ راقم مقالہ نے اس نسخے کی خود نقل کرلی ہے جو اس کے پاس موجود ہے۔ اس سے ڈاکٹر مہدوی کے نسخے میں دو ورق زیادہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب مصر میں اس نسخے کی نقل کی گئی تھی اس وقت تک یہ دو ورق گم نہ ہوے تھے۔ بعض اوراق کے کونے کٹ گئے ہیں، جو مصری نقل کے وقت صحیح و سالم تھے۔ میں نے انھیں نسخۂ مہدوی سے مقابلہ کرکے مکمل کرلیا ہے، لیکن کتاب پھر بھی ناقص ہے۔ اس کتاب میں ابو زید البلخی کو کہیں اس کے نام سے یاد کیا ہے اور کہیں اسے فقط الشیخ لکھا ہے؛ (۱۶) الغنایة والدرایة (الامد، صِوان، التقریر، ص۳۹، سطر ۷)؛ (۱۷) فرخ نامۂ یونان دستور (موجود)، احتمال ہے کہ اس کا مصنّف ابوالحسن العامری ہی ہو۔ یونان دستور ایک آدمی کا نام ہے (معلوم نہیں تاریخی ہے یا محض خیالی)، جو پند و نصائح سے متعلّق ادبیات انوشروان خسرو اوّل ساسانی کے عہد کا مصنّف مانا گیا ہے۔ اس نے شہنشاہ کے لیے کچھ نصیحتیں لکھی ہیں۔ انھیں کو مع ان مراسلات کے جو بادشاہ اور مصنّف کے درمیان ہوے جمع کرکے مدوّن کردیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کے پاس اس مجموعے کی ایک نقل خطی موجود ہے (نیز دیکھیے الغزالی: نصیحة الملوک، طبع جلال بہائی، ص ۵۴، ۵۵، ۷۳، ۱۲۳، اس کا ترجمۂ عربی، مطبوعۂ مصر، ص ۵۰ ببعد؛ جاویدان خرد، فارسی، طبع مانک جی ولد لیم جی ولد ہوشنگی ہاتریا، تہران ۱۲۹۳ھ ش، ص ۱۵۰-۱۷۵؛ آداب الحرب والشجاعة (نسخۂ آقاے عبدالحسین میکدہ)، دو صورتوں میں، ایک بعنوان لفظ گویان دستور اور دوسری بعنوان روایات داراب ہرمزویار فرامرز، مطبوعۂ بمبئی، ۲: ۲۳۰-۲۴۰)؛ ان روایات کا انگریزی ترجمہ بعنوان *The Persian Rivayats of Hormazyar Framarz*، بمبئی ۱۹۳۲ء، ص ۵۸۵-۵۸۶؛ فہرستِ ادبیاتِ پارسیان بعنوان *Notices de Literature Parsie*، تالیف فرڈریک ازنبرگ، سینٹ پیٹرز برگ ۱۹۰۹ء، ص ۵۲۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے کہ یہ ابوالحسن العامری کا کارنامہ ہے تو ہمارے پاس فارسی قدیم کی نثر کا ایک نیا نمونہ موجود ہے؛ (۱۸) الفصول فی المعالم الالٰہیة (موجود)، اس کتاب کا مآخذ بالا میں کہیں ذکر نہیں ہے، لیکن دیکھیے مجتبٰی مینوی: مقالہ از خزائن ترکیہ، مجلۂ دانشکدۂ ادبیات، شمارہ ۳، سال چہارم، ۵۹، فصل ۶-د، جہاں کہا گیا ہے کہ اس کا ایک نسخہ سلیمانیہ استانبول، کتب خانۂ اسعد افندی، میں موجود ہے؛ پروفیسر دیتز: مقالہ، جس سے براکلمان نے نقل کرکے اس کا ذکر کیا ہے؛ (۱۹) الفصول البرھانیة فی المباحث النفسانیة (الامد، صِوان، التقریر، ص ۳۸، سطر ۴)؛ (۲۰) کتاب فی الحکمة

(موجود)، اس سے مراد وہ مخطوطہ ہے جو مجموعۂ اسعد افندی، شمارہ ۱۹۳۳، میں مندرج ہے، بشرطیکہ اس کا مصنّف العامری ہو، دیکھیے مجتبٰی مینوی: مقالہ از خزائن ترکیہ، مجلۂ دانشکدۂ ادبیات، شمارہ ۳، سال چہارم، فصل ۶ - ج؛ (۲۱) کتاب فی علم التصوف، اس سے مراد وہ کتاب ہے جسے ابوحیّان التوحیدی نے ایک صوفی شیخ کے کہنے پر العامری سے منسوب کیا ہے۔ احتمال ہے کہ یہ وہی منہاج الدین یا النسک العقلی ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے (۲۲) منہاج الدین، جس سے کلابازی کی تعرّف میں ایک عبارت نقل کی گئی ہے، ممکن ہے کہ یہ وہی کتاب ہو جو العامری نے تصوّف میں لکھی ہے؛ (۲۳) النسک العقلی والتصوف الملی (الامد علی الابد، مقابسات، منتخب صوان الحکمۃ، التقریر لاوجہ التقدیر، ص ۳۶، سطر ۴، ۵) ہوسکتا ہے کہ اس عنوان کی کتاب کا نام کتاب عامری درباب تصوّف و متصوّفین ہو، یا یہ وہی حکمت کی کتاب ہو جو مجموعۂ اسعد افندی میں مندرج ہے (بشرطیکہ وہ العامری کی ہو)، قبّ مجتبٰی مینوی: مقالۂ مذکور، در مجلۂ دانشکدۂ ادبیات، ج ۴، شمارہ ۳.

ابوالحسن العامری کی وفات سے متعلّق مؤرّخین نے ایک دلچسپ قصّہ لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ احمد بن الحسین ابن مہران ابوبکر النیسابوری المقّری کی، جو اپنے زمانے میں ماہر قراءات تھا، اور ابوالحسن العامری صاحب الفلاسفہ کی وفات ایک ہی تاریخ یعنی ۲۷ شوّال ۳۸۱ھ کو ہوئی۔ اسی رات کسی نے احمد بن الحسین کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ عزّ وجل نے ابوالحسن العامری کو میرے سامنے کھڑا کیا اور کہا کہ جا تجھے اس کے طفیل میں نے دوزخ سے نجات دی (یاقوت: معجم الادباء، طبع دوم، طبع وقفیۂ گب، ۱: ۴۱۱؛ ابن البیّع محمد بن عبداللہ بن محمد الحاکم النیسابوری: تاریخ نیشاپور، ص ۳۲۱ - ۴۰۴؛ ابن عساکر الحافظ ابوالقاسم: تاریخ دمشق؛ ابن الشاکر الکتبی: عیون التواریخ، نسخۂ ڈبلن (آئرلینڈ)، کتاب خانۂ سرچسٹر بیٹی، نشان E۷، ورق ۱۴۷)۔ اس حکایت سے معلوم ہوسکتا ہے کہ علماے دین کے ہاں ان لوگوں کی جو فلسفہ و حکمت کو پھیلانے اور اسے شریعت کے ساتھ تطبیق دینے میں کوشاں تھے کتنی وقعت تھی۔ حاکم نیشاپوری نے اس خواب کو نقل کرنے کے بعد ایک مستند حدیث بروایت ابوموسٰی الاشعری نقل کی ہے کہ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ اس امت کے ہر ایک شخص کے ساتھ کفار کے ایک آدمی کو یہ کہہ کر بخش دے گا کہ تجھے اس کے طفیل میں بخشا گیا۔

مآخذ: علاوہ ان کے جو متنِ مقالہ میں مذکور ہیں: (۱) یاقوت: معجم الادباء، وقفیۂ گب، ۱: ۳۶۰، ۳۶۱؛ (۲) کتاب الردّ علی المنطقیین، حواشی ناشر، ص ۵۴۷ - ۵۴۸ (منقول از کشف الظنون؛ مجلۃ المجمع العلمی العربی، دمشق؛ الشہرستانی؛ براکلمان)؛ (۳) الحکمۃ الخالدۃ، ص ۳۴۷ - ۳۴۸ (حاشیہ عبدالرحمٰن البدوی)؛ (۴) عبدالعزیز عزّت: ابن مسکویہ، فلسفتہ الاخلاقیۃ و مصادرھا، مصر ۱۹۴۶ء، بہ اِمداد اشاریہ؛ (۵) سعید نفیسی: پور سینا، ص ۱۳۹، ۱۸۴؛ (۶) براکلمان، [۱: ۲۱۳ و] تکملہ، ۱: ۴۴، ۹۵۸ و ۳: ۱۲۳۹؛ [(۷) ابن مسکویہ، ۶: ۲۷۷؛ (۸) المقابسات، طبع حسن السندوبی، ص ۱۶۵، ۲۰۲ و مواضع کثیرہ].

(ماخوذ از مجتبٰی مینوی)

---

* **ابوالحسن علی:** فاس کے خانوادۂ مرینیہ کا دسواں حکمران، چونتیس سال کی عمر میں ۷۳۱ھ/ ۱۳۳۱ء میں اپنے والد ابوسعید عثمان کے بعد وارث تخت و تاج ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر طاقتور تھا، بلکہ بظاہر اس میں ایک عظیم حکمران کی سی مستعدّی اور وسعتِ نظر بھی موجود تھی۔ بہت سی عوامی عمارات اس کی دینداری اور عظمت و شان پر شاہد ہیں۔ اس کے عہد میں نہ صرف بنو مرین اپنے انتہائی عروج کو اور اس خاندان کی مملکت اپنی انتہائی وسعت کو پہنچ گئی بلکہ ان کا زوال بھی شروع ہوگیا تھا۔ اندلس میں اس نے ۱۳۳۳ء میں جبل الطارق کو عیسائیوں سے چھین لیا، لیکن ایک بحری فتح حاصل کرنے کے بعد اسے طَرِیُف کے نزدیک وادی بکّہ (Rio Salado) کے مقام پر تباہ کن ہزیمت برداشت کرنا پڑی، جس سے [عیسائیوں کے خلاف] مرینیوں کے جہاد کا خاتمہ ہوگیا (۱۳۴۰ء)۔ بلاد بربر میں اس نے عظیم الشّان موحّد سلاطین کی توسیعی حکمت عملی کو دوبارہ اختیار کیا، چنانچہ اس نے تِلِمُسَان کا محاصرہ کیا، فوجی مستقرّ المنصورہ کو از سرِ نو تعمیر کیا اور تین سال کے بعد بالآخر خانوادۂ عبدالواد (بنو زیّان) کے دارالحکومت پر قبضہ کرلیا۔ مفتوحہ تلمسان میں اسے مصر کے مملوک سلطان اور شاہ سودان کے پیغامات تہنیت موصول ہوے۔ اپنے حلیف، تونس کے حفصی بادشاہ، کی حمایت میں اس نے افریقیہ پر فوج کشی کی، لیکن فتح و کامیابی کے ایک دور کے بعد اسے القیروان (Kairouan) کے نزدیک عرب بدووں کی ایک متحدہ جماعت نے شکست فاش دی (۱۳۴۸ء)۔ تونس سے وہ سمندر کے رستے روانہ ہوا، لیکن اس کا بیڑہ ڈوب گیا۔ اس نے الجزائر میں اتر کر اپنی سلطنت، جس پر اس کے بیٹے ابوعنان نے قبضہ کرلیا تھا، دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۷۵۲ھ/ ۱۳۵۲ء میں اس کا انتقال ہوگیا اور ابوعِنان نے اُسے شلّہ (Challa) [رکّ بآن] میں دفن کیا۔

مآخذ: (۱) ابن خلدون: *Hist. des Berbères*، طبع de Slane، ۲: ۳۷۳-۴۲۶؛ ترجمہ، ۴: ۲۱۱-۲۹۲؛ (۲) ابن الاحمر: روضۃ النِّسْرِیْن، طبع و ترجمہ Bouali و G. Marçais، ص ۲۰-۲۲، ۷۵-۷۹؛ (۳) ابن مرزوق: مُسْنَد، طبع و ترجمہ لیوی پراونسال (E. Lévi-Provençal)، در *Hesp.*، ۱۹۲۵ء، ص ۱-۸۱؛ (۴) H. Terrasse: *Hist. du Maroc*، ۲: ۵۱-۶۲؛ (۵) G. Marçais: *Les Arabes en Berbérie du XI^e au XIV^e siècle*، مواضع کثیرہ؛ (۶) H. Basset و E. Lévi Provençal: *Chella*، مقتبس از *Hesp.*، ۱۹۲۲ء.

(G. MARÇAIS)

---

* **ابوالحسن**: (یا ابوالحسین): محمد بن ابراہیم بن سِیمجُور، کوہستان کا موروثی باج گزار سُلطان، جو تین سامانی پادشاہوں ــ عبدالملک اوّل، منصور اوّل اور نوح ثانی ــ کے ماتحت تین مرتبہ، یعنی ۳۴۷-۳۴۹ھ/ ۹۵۸-۹۶۰ء؛ ۳۵۰-۳۷۱ھ/ ۹۶۲-۹۸۲ء؛ ۳۷۶-۳۷۸ھ/ ۹۸۶-۹۸۹ء، خراسان کا والی رہا اور اپنی دوسری بیس سالہ ولایت کے دوران میں تقریبًا خود مختار حکمران کا درجہ حاصل کر لیا؛ لہٰذا سامانیوں کی اسی حد تک اطاعت کرتا رہا جس حد تک اس کی مرضی ہوتی۔ نوح ثانی تخت نشین ہوا (۳۶۵ھ/ ۹۷۶ء) تو اس پر اعلیٰ ترین اعزازات کی بارش کی گئی اور اسے ناصرالدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ اس کی بیٹی کی شادی بھی بادشاہ سے ہوئی، لیکن ۳۷۱ھ/ ۹۸۲ء میں اسے وزیر [سلطنت] ابوالحسن عُتبی کی اشتعال انگیزی پر رسوائی سے معزول کر دیا گیا۔ شروع شروع میں اس کا خیال تھا کہ مسلّح فوجوں کی امداد سے اپنا اقتدار منوا لے، مگر سنجیدگی سے غور و فکر کے بعد اسے ترک کر دیا اور اپنی موروثی جاگیر میں خانہ نشین ہو گیا؛ لیکن جب وزیر مذکور برطرف ہوا اور خانہ جنگی بھی چھڑ گئی تو اسے پھر اپنی ولایت پر بحال کر دیا گیا، جس پر وہ تا دمِ وفات متمکن رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابوعلی [رک بآن] اس کا جانشین ہوا.

علمائے دین نے بطور ایک خدا ترس اور عادل امیر کے اس کی بڑی تعریف کی ہے، قب السمعانی: کتاب الانساب، بذیل مادۂ السِیمجُوری (حوالہ از البیّع: تأریخ نیسابور، جو بارٹولڈ (Barthold) نے دیا، در *Turkistan in the time of the Mongol invasion*، روسی، ۱: ۶۰)۔ دوسری مستند تصانیف میں اسے بہت سے جابرانہ افعال کا مرتکب ٹھیرایا گیا ہے؛ چنانچہ اس کی معزولی جن حالات میں ہوئی ان کے بیان میں روایات کے دو سلسلے ہیں: ایک ان مصنّفین کا جنھوں نے وزیر کی طرفداری کی (عُتبی اور وہ مؤلفین جنھوں نے اس کی پیروی کی، مثلاً ابن الاثیر، میرخواند وغیرہ)، دوسرا ان کا جو والی کے طرفدار تھے (جیسے گردیزی، عَوْفی اور حمد اللہ قزوینی)، قب گردیزی اور عوفی، متن در بارٹولڈ: *Turkistan....*، ۱: ۱۱ ببعد، ۹۱ ببعد.

(بارٹولڈ W. BARTHOLD)

----

* **(بنو) ابوحسین**: صقلیہ کے فرمانرواؤں کا خاندان، رک بہ Kalbids کلبی (بنو) [در آ، لائڈن، طبع دوم].

----

* **ابو حَفص عمر بن جَمِیع**: ایک اِباضی عالم، جو غالبًا جبل نَفُوسہ کا باشندہ تھا اور جس کا ذکر الشمّاخی کی کتاب السِیَر (قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ص ۵۶۱-۵۶۲) کے ایک مختصر سے حاشیے میں آیا ہے۔ اس حاشیے میں اس کے زمانے کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہیں، البتہ اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی کے اواخر میں یا نویں صدی ہجری/ پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں گزرا ہے۔ [وہ ۷۵۰ھ/ ۱۳۵۰ء کے لگ بھگ جربہ میں فوت ہوا].

اس نے المغرب کے اباضیہ کی پرانی کتاب عقیدۃ کا ترجمہ عربی میں کیا، جو اصلًا بربری میں لکھی گئی تھی۔ الشمّاخی (م ۹۲۸ھ/ ۱۵۲۱-۱۵۲۲ء) کے زمانے میں یہ ترجمہ جزیرۂ جَربہ اور جبلِ نفوسہ کے سوا المغرب کی دیگر اباضی بستیوں میں مستعمل تھا۔ [جبل نفوسہ والوں کی ایک اپنی کتابِ عقیدۃ تھی،] بلکہ وہ اب بھی مزاب اور جربہ کے اباضیوں کا سوال و جواب نامہ (درسی کتاب Catechism) ہے۔ ابوحفص کی کتاب عقیدۃ پر بہت سی شرحیں لکھی گئیں، مثلاً شرح از الشماخی (مخطوطات کی شکل میں متداول ہے)؛ از ابو سلیمان داؤد بن ابراہیم الثُّلاتی جربوی (م ۹۶۷ھ/ ۱۵۵۹-۱۵۶۰ء) (دیکھیے Exiga dit Kayser: *Description et histoire de l'île de Djerba*، تونس ۱۸۸۴ء، ص ۹-۱۰ متن، ص ۹-۱۰ ترجمہ) اور آخر میں وہ شرحیں جو عمر بن رمضان الثُّلاتی (بارھویں صدی ہجری/ اٹھارھویں صدی عیسوی) نے [ذوالقعدہ ۱۱۷۹ھ/ اپریل ۱۷۶۶ء میں] لکھیں اور جو عقیدۃ کے بعد الجزائر (مثلاً قسنطینہ ۱۳۲۳ھ) یا قاہرہ کی اشاعتوں میں ہاتھ کی لکھائی یا ٹائپ میں چھپیں۔ [عقیدۃ کی دونوں کتابیں مع تعلیقات ابو اسحٰق ابراہیم اطّفیش نے بھی شائع کیں، جن کا نام ہے مقدمۃ التوحید و شروحہا].

ابوحفص کی عقیدۃ کو A. de Motylinski نے *L'Aqida des Abadhites* کے نام سے مع ترجمے اور حواشی کے، جو اباضی شرحوں سے لیے گئے ہیں، شائع کر دیا ہے، در *Recueil Mèm et Textes XIV^e Congrès des Orientalistes*، الجزائر ۱۹۰۵ء، ص ۵۰۵-۵۴۵.

مآخذ: (۱) الشَّمّاخی: سِیَر، قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ص ۵۶۱؛ (۲) اطّفیش: مقدمۃ التوحید؛ (۳) براکلمان: تکملہ، ۲: ۳۵۷].

(T. LEWICKI و A. DE MOTYLINSKI)

----

* **ابو حَفص عمر بن شُعَیب البَلُّوطی**: قرطبہ کے شمال میں واقع ضلع فَحص البَلُّوط کے موضع بتروج (Pedroche) کا باشندہ، جس نے جزیرہ اِقْرِیطش (Crete) [رک بآن] میں ایک چھوٹے خانوادۂ شاہی کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان نے جزیرۂ مذکورہ میں ۲۱۲ھ/ ۸۲۷ء اور ۳۵۰ھ/ ۹۶۱ء کے درمیان حکومت کی، یہاں تک کہ مؤخر الذکر سن میں اس کے وارث عبدالعزیز بن شعیب کو تخت سے اتار دیا گیا اور جزیرے کو نقیفورس فوقس (Nicephorus Phocas) نے، جو اس وقت سپہ سالار تھا اور بعد میں قیصر روم ہوا، دوبارہ فتح کر لیا.

الرّبض کی مشہور و معروف بغاوت کے بعد، جو قرطبہ [کے جنوب] میں ۲۰۲ھ/ ۸۱۸ء میں برپا ہوئی اور جسے امیر الحکم الاوّل (قب مادّۂ (بنو) امیّۂ اندلس) نے بہت سختی کے ساتھ فرو کیا، چند ہزار اندلسیوں کے ایک گروہ نے، جنھیں

دارالحکومت سے نکال دیا گیا تھا، نقلِ وطن کر کے بحیرۂ روم میں قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ وہ ملک مصر میں ایک جگہ پاؤں ٹکانے میں کامیاب ہوگئے اور چند سال اسکندریہ پر قابض رہے۔ عبداللہ بن طاہر والیِ مصر نے ان کا محاصرہ کرلیا تو ۲۱۲ھ/ ۸۲۷ء میں انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور بعد ازاں فیصلہ کیا کہ جزیرۂ اقریطش میں اترنے کی کوشش کریں۔ انھوں نے اپنے سردار ابو حفص البلّوطی کے زیرِ قیادت جزیرے کو سر کرلیا۔ اس طرح یہ جزیرہ مسلمانوں کے حلقۂ اقتدار میں داخل ہوگیا۔ البلّوطی نے اس جزیرے میں جس حکمران خاندان کی بنیاد رکھی اُس کے زمانے اور اس دور میں جزیرے کے تاریخی حالات کے بارے میں بہت کم اطلاعات ملتی ہیں۔ بوزنطی مؤرّخوں کے ذریعے، جو ابو حفص کو Apocapso یا Apochapsa لکھتے ہیں، صرف اتنا حال معلوم ہے کہ بوزنطیوں نے جزیرۂ مذکور کو دوبارہ فتح کرنے کی جتنی کوششیں کیں وہ سب رائگاں گئیں۔ قیصر تھیوفیلس (Theophilus) نے جزیرے کے واپس دلانے کے لیے عبدالرحمٰن ثانی [رکّ بآن] کو ۲۲۵ھ/ ۸۴۰ء میں خط لکھا۔ اس کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مسلمانوں کے قبضے کے زمانے میں اقریطش نے الاندلس سے اقتصادی اور ثقافتی تعلّقات قائم رکھے۔ اس کا صدر مقام الخندق (موجودہ Candia) علمی سرگرمیوں کا خاصا شاندار مرکز بن گیا تھا۔

مآخذ: (۱) ابن خلدون: عبر، ۴: ۲۱۱؛ (۲) الکندی، *GMS*، ج ۱۹، ص ۱۵۸-۱۸۴؛ (۳) M. Gaspar Remiro: *Cordobeses musulmanes en Alejandría y Creta,* *Homenaje Codera*، سرقسطہ (Saragosa) ۱۹۰۴ء، ص ۲۱۷-۲۳۳؛ (۴) A. A. Vasiliev: *Byzance et les Ara-bes*، ج ۱ (فرانسیسی ایڈیشن از Grégoire و Canard)، Bruxelles ۱۹۳۵ء: ۴۹ ببعد؛ (۵) زمباور (Zambaur)، شمارہ ۴۸، ۷۰؛ (۶) A. Freixas: *Esp-aña en los historia-dores bizantinos, Cuadernos de Hist. de Esp.*، بونس آئرس (Buenos Aires) ۱۹۴۹ء، ۱۱: ۲۱-۲۲؛ (۷) Lévi-Provençal: *Hist. Esp. Mus.*، ۱: ۱۶۹-۱۷۳ و ۲: ۱۴۵-۱۴۶.

(E. LÉVI- PROVENÇAL)

---

* **ابو حَفص عمر بن یحیٰی الھِنتَاتی:** (مَرّاکُش کے کوہستان اَطلس غربی (Anti-Atlas) کے ایک بربری قبیلے ہِنتاتہ کے نام سے عربی وصف نسبتی) یا زیادہ مروج بربری لفظ کے مطابق اینْتی، الموحّد مہدی ابن تُومَرت [رکّ بآن] کا سب سے بڑا رفیق اور خاندان مومنیہ [رکّ بہ عبدالمؤمن] کا سب سے سرگرم حامی۔ اسی ابو حفص کے پوتے امیر ابو زکریا یحیٰی بن عبدالواحد نے ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۶-۱۲۳۷ء میں افریقیہ میں مومنیہ خاندان کی اطاعت ترک کر کے حفصی خاندان [رکّ بہ (بنو) حفص] کی بنیاد رکھی، جس کے حکمرانوں میں وہ خود اور اس کے اخلاف شامل ہیں اور جس کا نام ان کے اس جدّ (ابو حَفص) کے نام پر رکھا گیا۔

ابو حفص اِینتی ــ جس کے بارے میں مفصّل ترین ماخذ البَیذَق [رکّ بآن] کا تذکرہ ہے اور جس کے بیانات گمان غالب یہ ہے کہ قابلِ اعتماد ہیں ــ الموحّد مہدی کی سرگرمیوں سے پہلے اپنے اور ہم قبیلہ لوگوں کی طرح بظاہر ایک بربری نام، یعنی فَسْکات اومُزال، رکھتا تھا۔ ابن تومرت نے اسے حمایت پر آمادہ کر لینے کے بعد اس کا نام [حضرت] رسول [اکرم صلی اللہ علیہ وسلم] کے مشہور صحابی اور خلیفہ کے نام کی یاد میں خود اپنی طرف سے ابو حفص عمر رکھ دیا تھا۔ دونوں کی پہلی ملاقات المہدی کی اپنے پہاڑی ملک میں واپسی کے بعد غالباً ۵۱۴ھ/ ۱۱۲۰-۱۱۲۱ء میں ہوئی؛ ابو حفص اس وقت بظاہر تیس سال کا تھا۔ اس وقت کے بعد سے اس کی زندگی کا قابلِ یادگار دور شروع ہونے والا تھا، جس میں اس نے اپنے آپ کو ایک انتہائی ترقی یافتہ سیاسی فہم و شعور کا مالک ثابت کیا اور سب سے پہلے موحّد خلیفہ پر، جو خود اسی کا ساختہ (''صنیع'') تھا، روز افزوں غلبہ پا تا گیا۔ تمام ادنی و اعلٰی جنھیں اس نئی حکومت سے فائدہ پہنچ رہا تھا، اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ الغرض وہ موحّدین کے نظامِ حکومت کا ''شیخ محترم'' تھا اور یہ زیادہ تر اسی کے دم کی برکت تھی کہ اس نظام کا شیرازہ ابتدا ہی میں نہ بکھر گیا۔ اپنی موت کے وقت تک، جو ۵۷۱ھ/ ۱۱۷۵-۱۱۷۶ء میں بڑی عمر کو پہنچ کر واقع ہوئی، یہ شیر دل بربر، فاتح سپہ سالار، گراں قدر مشیر اور شیخ محترم برابر المغرب، الاندلس اور افریقہ کے تاریخی منظر میں پیش پیش نظر آتا ہے۔ اس کی طویل سیاسی اور عسکری سرگرمیوں کا تفصیلی حال معلوم کرنے کے لیے رکّ بہ مادّۂ المُوَحّدون والمؤمنون.

مآخذ: (۱) E. Lévi Provençal: *Documents inédits d'histoire almohade*، پیرس ۱۹۲۸ء، بہ اِمداد اشاریہ؛ (۲) *Un recueil de lettres officielles almohades*، پیرس ۱۹۴۲ء، بہ اِمداد اشاریہ؛ (۳) ابن القطّان، در *Mélanges R. Basset*، پیرس ۱۹۲۵ء، ۲: ۳۳۵-۳۳۹ نیز الموحّدون کی تاریخ پر ایک غیر مطبوعہ قلمی نسخہ (نظم الجُمان) [نظم الجمان کا ایک حصّہ البیان المغرب کے ساتھ شائع ہو چکا ہے، لائڈن ۱۸۴۸ء، طبع ڈوزی]؛ (۴) عبدالواحد المرّاکشی: المُعجِب (طبع ڈوزی Dozy و ترجمہ از Fagnan)، بہ اِمداد اشاریہ؛ (۵) الموحّدون کے بعد کے دور کے وقائع (مغربی: الحُلل المَوْشِیّة؛ ابن العذاری: بیان؛ ابن خلدون: عبر؛ روض القرطاس؛ تاریخ الدولتین، وغیرہ؛ مشرقی: ابن الأثیر، النُّوَیرِی)، وغیرہ؛ (۶) ابو حفص اینتی کے حالات پر بہترین عمومی تذکرہ، جو اس وقت تک لکھا گیا ہے، R. Brunschvig: *La Berbérie occidentale sous les Ḥafṣides*، پیرس ۱۹۴۰ء، ۱: ۱۳-۱۶ ہے؛ (۷) اس کی زندگی کے مفصّل تر حالات اس کتاب میں مذکور ہوں گے جو A. Huici Miranda شمالی افریقہ اور ہسپانیہ کے الموحّدون اور خاندانِ مومنیہ کے موضوع پر (ہسپانوی زبان میں) لکھ رہا ہے.

(E. LÉVI-PROVENÇAL)

⊗ **ابوحَمزہ**: المختار بن عوف بن مالک الأزدی، السَّلیمی البصری، ایک آتش بیان خارجی سپہ سالار، بصرے میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلّق فرقۂ اباضیہ سے تھا اور وہ ہر سال مکّے جا کر مروان بن محمد کے خلاف خروج کا وعظ کیا کرتا تھا۔ آخر اس نے ۱۲۸ھ/ ۷۴۵ء کے اواخر میں ''طالب الحق'' عبداللہ بن یحیٰی الکندی کی بیعتِ خلافت کر لی۔ ایک بار، کچھ عرصے کے لیے، اس نے مکّۂ معظّمہ اور مدینۂ منوّرہ پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ ۱۳۰ھ میں اس نے وادی القریٰ میں مروان کی فوجوں سے جنگ کی، ہزیمت اٹھائی، مکے واپس بھاگ آیا اور اس کے بعد ابن عطیہ السعدی کے ہاتھوں اسی سال قتل ہو گیا۔ یہ الشمّاخی کا بیان ہے، لیکن ابن الأثیر اور الطبری نے لکھا ہے کہ وہ وادی القریٰ کے معرکے میں کام آ گیا تھا۔ ابن الأثیر اور الشمّاخی وغیرہ نے اس کی نسبت سَلمی لکھی ہے لیکن اللباب اور تاج میں اسے صریح طور پر سلیمہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

مآخذ: (۱) الطبری، تحت حوادث سن ۱۳۰ھ؛ (۲) المسعودی: مروج الذھب، طبع پیرس، ۵: ۲۶۰ و ۶: ۶۶ بعد؛ (۳) ابن الأثیر: الکامل، مصر ۱۳۰۱ھ، ص ۱۶۶ بعد؛ (۴) ابن کثیر: البدایة والنھایة، ۱۰: ۳۵ بعد؛ (۵) ابن تغری بردی: النجوم الزاھرة، طبع جوئنبول، ۱: ۳۴۵؛ (۶) الشمّاخی: کتاب السِّیَر، ص ۹۸ بعد؛ (۷) ابن العماد: شذرات الذھب، ۱: ۱۷۷؛ (۸) اللباب، ۱: ۵۵۸؛ (۹) تاج العروس، ۸: ۳۴۵؛ نیز دیکھیے (۱۰) آ آ، لائڈن، طبع دوم، تحت المختار بن عوف۔

(عبدالمنان عمر)

✱ **ابوحَمّو الاوّل**: موسیٰ ابن ابی سعید عثمان بن یَغمُراسَن، خاندان بنوعبدالواد کا چوتھا حکمران، [جو ۶۶۵ھ/ ۱۲۶۷ء میں پیدا اور ۷۱۸ھ/ ۱۳۱۸ء میں اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ وہ اپنے بھائی ابوزیان کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اور] اس کی بادشاہت کا اعلان ۲۱ شوال ۷۰۷ھ/ ۱۵ اپریل ۱۳۰۸ء کو ہوا۔ سب سے پہلے اسے شہرِ تلمسان کے ان نقصانات کی درستی کرانا پڑی جو اس شہر کو مرینیوں کے ہاتھوں محاصرے کے دوران میں پہنچے تھے۔ بعد ازاں اس نے بیرونی حملوں کے مقابلے کے لیے اپنے دارالسلطنت کے بچاؤ کے انتظامات کیے اور کسی نئے محاصرے کی توقّع میں اسے مستحکم بنایا۔ شہر سے باہر اس نے بنوتُوجین اور مَغراوہ پر اپنا اقتدار از سرِ نو قائم کیا اور بجایہ (Bougie) اور قسنطینہ (Constantine) تک بڑھا اور مغرب میں مرینیوں کو وَجدَہ (Oujda) سے آگے بڑھنے سے روکا۔ اس کی توجہ چونکہ ایک مضبوط لشکر کو برقرار رکھنے پر صرف ہو رہی تھی اس لیے وہ اپنی رعایا کی مادّی اور ذہنی حالت کی طرف بہت کم دھیان دے سکا۔ اس نے اپنے بیٹے ابوتاشُفین کے ساتھ بھی انتہائی درشتی سے کام لیا، جس نے اسے ۲۲ جمادی الاولیٰ ۷۱۸ھ/ ۲۲ جولائی ۱۳۱۸ء کو قتل کرا دیا اور خود اس کا جانشین بن گیا۔

مآخذ: [(۱) یحیٰی ابن خلدون: بغیة الرواد، ۱: ۱۲۶ - ۱۳۲؛ (۲) ابن الاحمر: روضة النّسرین؛ (۳) نیز] آ تا بہ مادّۂ بنوعبدالواد۔

(A. BEL بل)

✱ **ابوحَمّو الثانی**: موسیٰ بن ابی یعقوب یوسف بن عبدالرحمٰن بن یحیٰی بن یَغمُراسَن، خاندانِ بنوعبدالواد کا ایک بادشاہ، جو ۷۲۳ھ/ ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ء میں اندلس میں پیدا ہوا اور جس نے تلمسان کے دربار میں تربیت حاصل کی۔ جب مرینی افواج نے اس کے چچاؤں ابوسعید اور ابوثابت پر جمادی الاولیٰ ۷۵۳ھ/ جون ۱۳۵۲ء میں فتح پائی تو وہ تونس کے حفصی دربار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا اور جب مرینیوں اور حفصیوں کے باہمی تعلّقات خراب ہو گئے تو اسے ایک لشکر کا سردار بنا دیا گیا اور اس نے تلمسان کو از سرِ نو فتح کر لیا، جہاں ربیع الاوّل ۷۶۰ھ/ ۹ فروری ۱۳۵۹ء میں اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ ۷۷۲ھ/ ۱۳۷۰ء میں مرینیوں نے پھر دارالحکومت پر قبضہ کر لیا، لیکن ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۲ء میں وہ شہر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ ابوحمّو اپنی مملکت میں لوٹ آیا، جہاں اسے متعدّد بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں اس کے بیٹے ابوتاشُفین ثانی [رک بآن] کی مخالفت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ابوتاشُفین ثانی نے ۷۹۱ھ میں مرینیوں کی ایک فوج لے کر تلمسان پر چڑھائی کی اور ابوحمّوؔ یکم ذوالحجہ ۷۹۱ھ/ ۲۱ نومبر ۱۳۸۹ء کو لڑائی میں کام آیا۔

ابوحمّوؔ عمدہ تربیت یافتہ دل و دماغ کا مالک تھا اور علما و شعرا کی صحبت کا جویا۔ خود اس نے اخلاق سیاسیّہ کے موضوع پر ایک رسالہ [واسطة السلوک فی سیاسة الملوک] لکھا ہے [جو چھپ چکا ہے، الجزائر، ۱۲۷۴ھ]۔ اس کا کاتب [الانشاء]، دلی دوست اور مؤرّخ یحیٰی بن خلدون تھا، جو رمضان ۷۸۰ھ/ دسمبر ۱۳۷۹ء میں ابوتاشُفین کے ایما سے قتل کر دیا گیا۔

مآخذ: [(۱) یحیٰی ابن خلدون: بغیة الرواد، ج ۲؛ (۲) واسطة السلوک، مقدمہ؛ (۳) ازھار الریاض، ۱: ۲۳۸ بعد؛ (۴) ابن الاحمر: روضة النسرین؛ (۵) ابن حجر: الدرر الکامنة، ۱: ۲۷۸؛ (۶) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۲۵۴ و تکملة، ۲: ۳۶۳؛ (۷) نیز] آ تا بہ مادّۂ بنوعبدالواد۔

(A. BEL بل)

✱⊗ **ابوحنیفہؒ**: حضرت امام اعظمؒ النعمان بن ثابت، بہت بڑے عالم دین، بانی فقہِ حنفی، حدود ۸۰ھ/ ۶۹۹ء میں پیدا اور ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء میں بحالتِ اسیری بغداد میں فوت ہوئے اور وہیں خیزران کے مقبرے کے مشرقی جانب ان کا مزار ہے۔ اس مزار پر ۴۵۹ھ/ ۱۰۶۶ء میں ایک قبہ تعمیر کر دیا گیا تھا۔ جس محلّے میں یہ مقبرہ واقع ہے وہ اب بھی امام اعظمؒ کے نام پر اعظمیہ کہلاتا ہے۔ ان کے دادا، جن کا اسلامی نام غالباً نعمان تھا، کابل کے رہنے والے تھے۔ خطیب البغدادی نے تأریخ بغداد، شمارہ ۲۹۷، میں علاوہ کابل، بابل، انبار، ترمذ اور نسأ (یا سباء) کے ایک روایت ان کے نبطی ہونے کی بھی درج کی ہے۔ وہ التیمی اس لیے کہلاتے

تھے کہ قبیلۂ تیم اللہ بن ثعلبہ کے مولیٰ اور حلیف بن گئے تھے۔ ان کی کنیت ابو حنیفہ حقیقی نہیں، بلکہ وصفی معنے کے اعتبار سے ہے، یعنی ''ابو الملّة الحنیفة''۔ وہ کوفے میں ایک قسم کا ریشمی کپڑا (خزّ) بناتے اور اس کی تجارت کرتے تھے۔ دار عمرو بن حریث میں، جو جامع مسجد کے پاس تھا، ان کی دکان اور کارخانہ تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ وہ حمّاد (م ۱۲۰ھ) کے درسوں میں شریک ہوتے تھے۔ بعد کے سوانح نگاروں نے ان کے اساتذہ کے ضمن میں مستند محدّثین کی جو طویل فہرستیں دی ہیں انھیں تسلیم کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ الذہبی نے تذکرة الحفاظ میں اور ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں ان کے اساتذہ کے سینکڑوں نام گنوائے ہیں۔ وہ تابعین میں سے تھے (ابن الندیم، ص ۲۰۱) اور ابن سعد نے انھیں تابعین کے طبقۂ پنجم میں شامل کیا ہے۔ انھوں نے انسؓ بن مالک کو دیکھا اور عبداللہ بن ابی اوفی، سہل بن سعد اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ کا زمانہ پایا تھا۔ حمّاد کی وفات کے بعد وہ کوفے میں فقہِ اسلام پر سب سے ممتاز سند اور کوفی مکتبِ فقہ کے بڑے نمائندے ہو گئے۔ خلیفۂ وقت انھیں قاضی بنانا چاہتا تھا، لیکن وہ اس کام کے لیے کسی طرح اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے، جس پر ۱۴۶ھ میں منصور نے انھیں قید کر دیا۔ ممکن ہے اس کے پیچھے کچھ سیاسی اسباب بھی ہوں اور عبّاسی حکومت ان کے ان خیالات سے خائف ہو جو وہ اہلِ بیت، نفس الزکیہ اور ابراہیم کے متعلّق رکھتے تھے (خطیب البغدادی، ۱۳/ ۳۲۹)، البتہ نامۂ دانشوران میں امام اعظم کا ابراہیم کے نام جو خط نقل کیا گیا ہے معتبر کتابوں میں اس کا سراغ نہیں ملتا۔

امام اعظم کے علم کی طرح ان کی ذہانت اور طبّاعی بھی ضرب المثل تھی (الذہبی: العبر)۔ اس غیر معمولی ذہانت نے عظیم الشّان ذخیرۂ علم پر تصرّف کر کے ان کو بانیانِ علوم کی صف میں لا کھڑا کیا۔ امام ابن مبارکؒ کے الفاظ میں آثار اور فقہ فی الحدیث کے لیے ایک ''مقیاس'' صحیح پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام ابوحنیفہؒ کے نام منسوب رہے گا۔ اس کو بعض محدّثین نے [رَأیٌ بہ رائی] کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اس ''مقیاس'' اور اس ''رائے'' نے فقہ کے متعدّد ابواب مرتّب کروائے۔ قلائد عقود العقیان کے مصنّف نے کتاب الصیانة کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے جس قدر مسائل مدوّن کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ امام اعظم نے جس طریق سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا تھا وہ نہایت وسیع اور دشوار کام تھا، اس لیے انھوں نے اتنے بڑے اور اہم کام کو محض اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا۔ اسی غرض سے انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور شخص انتخاب کیے اور ان کی ایک مجلس بنائی۔ الطحاوی نے ان میں سے تیرہ کے نام دیے ہیں، جن میں امام ابو یوسفؒ، اور امام زفرؒ نمایاں شخصیتیں تھیں۔ اس طرح فقہ کا گویا ایک ادارۂ علمی تشکیل پذیر ہو گیا، جس نے امام ابوحنیفہؒ کی سرکردگی میں تیس برس تک کام کیا۔ امام اعظم کی زندگی ہی میں اس مجلس کے فتاوٰی نے حسنِ قبول حاصل کر لیا تھا۔ جیسے جیسے یہ فتاوٰی تیار ہوتے جاتے، ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں پھیلتے جاتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اصولِ تحقیق خود لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں کتاب اللہ سے اخذ کرتا ہوں۔ اگر وہاں کوئی مسئلہ مجھے نہیں ملتا تو سنّت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے لیتا ہوں اور جب وہاں بھی نہ ملے تو صحابہؓ میں سے کسی کا قول مان لیتا ہوں اور ان کا قول چھوڑ کر دوسروں کا قول نہیں لیتا اور جب معاملہ ابراہیم، شعبی، ابن سیرین اور عطا پر آ جائے تو یہ لوگ مجتہد تھے، اس وقت میں بھی انھیں لوگوں کی طرح اجتہاد کرتا ہوں (تہذیب التہذیب، ۱۰: ۴۵۱)۔

امام ابوحنیفہؒ اپنے افکار و خیالات کے متعلّق اپنے شاگردوں سے بحث کیا کرتے تھے اور انھیں لکھوا دیا کرتے تھے؛ لہٰذا انھیں شاگردوں کی چند کتابیں، خصوصًا ابو یوسف کی اختلاف ابی حنیفة و ابن ابی لیلٰی اور الرّدُ علی سیر الاوزاعی، الشیبانی کی الحجج اور موطّأ امام مالکؒ کا نسخہ، امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے اہم مآخذ ہیں۔ (رسمی اسناد ''الشیبانی عن ابی یوسف عن ابی حنیفة''، جو الشیبانی کی متعدّد تصانیف میں پایا جاتا ہے اور جو صرف شاگرد اور استاد کے عام تعلّق کو ظاہر کرتا ہے، وہ اس ضمن میں مفید مطلب نہیں ہے)۔ جو عقائد خود ابو حنیفہؒ نے حمّاد سے حاصل کیے ان کے بڑے مآخذ ابو یوسف کی الآثار اور الشیبانی کی الآثار ہیں۔ ابوحنیفہؒ کے جانشینوں کے ساتھ ان کے پیش رووں کا مقابلہ کر کے ہم ان کے ان کارناموں کا اندازہ لگا سکتے ہیں، جو انھوں نے فقہِ اسلامی کے فکر و عقیدے کو نشو و نما دینے میں سرانجام دیے۔ مجموعی طور پر امام ابوحنیفہؒ کا فقہی فکر اپنے ہم عصر ابن ابی لیلی (م ۱۴۸ھ) کے فقہی فکر سے بدرجہا ارفع تھا، جو ان کے عہد میں کوفے کا قاضی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ابن ابی لیلی اور اس وقت کے عام کوفی طریقِ استدلال کا تعلّق ہے امام ابوحنیفہؒ نے ایک نظریاتی منظّم کا کام انجام دیا اور اصطلاحی فکر فقہ کو بھی معتدبہ ترقی دی۔ چونکہ وہ قاضی نہ تھے، اس لیے ان کا فقہی فکر عملی مصالح سے اس حد تک مقیّد نہ تھا جس قدر ابن ابی لیلی کا؛ اس کے ساتھ ہی وہ نظم و نسقِ عدالت کا اس قدر لحاظ نہ رکھتے تھے۔ عام طور پر ابوحنیفہؒ کا مسلک باقاعدہ اور یک رنگ ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ان کا فقہی تفکّر اپنے سے بزرگ معاصرین کی بہ نسبت وسیع تر بنیادوں پر قائم ہے اور اس کا عملی انطباق زیادہ مکمّل طور پر کیا گیا ہے، بلکہ اصطلاحی اعتبار سے بھی وہ زیادہ بلند، محتاط، جامع اور منجھا ہوا ہے۔ ابوحنیفہؒ فقہی مسائل میں رائے اور قیاس کو اسی حد تک استعمال کرتے تھے جس حد تک کہ ان کے زمانے کے دیگر فقہی مذاہب کا دستور تھا اور وہ دیگر مذاہب، مثلاً فقہاے مدینہ، کی طرح خبرِ آحاد کی بنا پر روایتی عقیدے کو ترک کرنے پر بھی مائل نہ تھے، یعنی کسی ایسی حدیث کی بنا پر جسے ایک زمانے میں صرف ایک شخص نے روایت کیا ہو۔ اس قسم کی حدیثیں امام ابوحنیفہؒ کی زندگی، یعنی دوسری صدی ہجری کے نصفِ اوّل، ہی میں اسلامی دنیا میں رائج ہونے لگی تھیں اور جب دو پشتوں کے بعد، زیادہ تر الشّافعیؒ کی بدولت، خبرِ آحاد کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا، تو ابوحنیفہؒ پر خارجی وجوہ کی بنا پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ حدیثِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مزاحم ہوتے ہیں۔ مزید براں ان پر یہ اعتراض بھی وارد کیا گیا کہ وہ فقہ کے قدیم مذاہب میں اپنی ذاتی رائے استعمال کرتے تھے اور ان کی طرف بہت سے ایسے اقوال منسوب کر دیے گئے جو متاخّرین کے ذوق کے لیے سخت ناگوار تھے۔ الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ/ ۱۰۷۱ء) ان معاندانہ رجحانات کا ترجمان بن گیا۔

اعتقادی دینیات کا ایک مقبول عام طریقہ ان سے منسوب ہے، جس میں جمعیّتِ اسلامی، اس جمعیّت کے اصولِ اتحاد، یعنی سنّتِ نبوی اور ان مسلمانوں کی اکثریت کے تصوّرات پر جو درمیانی راستے پر گامزن ہیں اور افراط و تفریط سے بچتے ہیں بالخصوص زور دیا گیا ہے اور جو دلائل عقلی سے زیادہ دلائل منصوصہ پر مبنی ہے۔ اس دینی مسلک کی ترجمانی العالم و المتعلّم (جسے غلط طور پر ابوحنیفہؒ سے منسوب کیا جاتا ہے) میں اور الفقہ الابسط میں کی گئی ہے۔ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے حلقے میں تصنیف ہوئیں۔ بعد کے ادوار میں اسی مسلک کی ترجمانی حنفی علمائے دین کی کتابوں سے ہوئی، جن میں الطّحاوی (م ۳۲۱ھ/ ۹۳۳ء) کی عقیدۃ اور ابواللّیث سمرقندی [رک بآن] (م ۳۸۳ھ/ ۹۹۳ء) کی عقیدۃ، جو سوال و جواب کی شکل میں ہے، بھی شامل ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب ملایا اور انڈونیشیا میں بھی بہت مقبول ہے، حالانکہ یہ وہ علاقہ ہے جو فقہی امور میں مضبوطی سے شافعی مذہب کا پیرو ہے۔ اس مکتبی روایت کی نشوونما مرجئہ [رک بآن] تحریک کے عوامی پسِ منظر میں ہوئی، جس میں ابوحنیفہؒ خود بھی شامل تھے۔ امام رازی (م ۶۰۶ھ) نے مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہؒ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔ الفہرست میں ابن الندیم نے ان کی چار کتابوں کا نام لکھا ہے: الفقہ الاکبر، عثمان البستی (البتّی) کے نام خط، العالم و المتعلّم، الرّدّ علی القدریۃ، مسند، جو خوارزمی (م ۶۶۵ھ) نے مرتّب کی، اس کا ذکر الفہرست میں نہیں ہے۔ حقیقت میں خود امام ابوحنیفہؒ کی واحد مستند تحریر جو ہم تک پہنچی ہے ان کا وہ خط ہے جو انھوں نے عثمان البتّی کو لکھا تھا اور جس میں انھوں نے شائستہ طریقے سے اپنے نظریات کی مدافعت کی ہے (یہ خط العالم و المتعلم اور الفقہ الابسط کے ساتھ قاہرہ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء میں طبع ہو چکا ہے)۔ ایک اور کتاب جو ابوحنیفہؒ سے منسوب کی گئی ہے الفقہ الاکبر ہے۔ Wensinck نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سے مراد صرف الفقہ الاکبر کا حصّۂ اوّل ہے، جس کا اصل متن فقط ایک مبسوط شرح میں مندرج ہے، جسے غلطی سے الماتُرِیدی سے منسوب کیا جاتا ہے (یہ حیدر آباد میں ۱۳۲۱ھ میں مجموعۂ شروح الفقہ الاکبر کے شمارۂ اوّل کے طور پر چھپی ہے)۔ اصل متن میں دس ارکانِ ایمان بیان کیے گئے ہیں، جن میں خارجیوں، قدریوں، شیعیوں اور جہمیوں (ان عنوانات سے متعلّق مادّے دیکھیے) کے مقابلے میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے، مگر مرجئہ اور معتزلہ [رک بآن] کے خلاف مسائل مذکور نہیں ہیں۔ الفقہ الاکبر کے متعلّق شروح لکھی گئیں، جن میں سے ملّا علی قاری (م ۱۰۰۱ھ) کی شرح زیادہ متداول ہے (مصر ۱۳۲۳ھ)۔ ایک مقالے کے سوا الفقہ الاکبر، حصّۂ اوّل کے جملہ مقالات الفقہ الابسط میں بھی درج ہیں، جس میں امام ابوحنیفہؒ کے وہ بیانات قلم بند ہیں جو انھوں نے دینی مسائل کے متعلّق اپنے ایک شاگرد ابو مطیع البلخی (م ۱۸۳ھ/ ۷۹۹ء) کے سوالات کے جواب میں دیے تھے۔ لہٰذا الفقہ الاکبر، حصّۂ اوّل، کے مضامین امام ابوحنیفہؒ کی مسلّمہ آرا پر مشتمل ہیں، اگرچہ اس کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ یہ مختصر متن واقعی انھوں نے لکھا تھا؛ لیکن نام نہاد الفقہ الاکبر ثانی اور وصیۃ ابی حنیفۃ حضرت امام کی اپنی تصنیف نہیں ہیں۔ بعض دیگر مختصر متون کی عبارتیں بھی امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، لیکن ابھی تک ان کے مستند ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تحقیق نہیں ہو سکی، وصیۃ، جس میں انھوں نے اپنے شاگرد یوسف بن خالد السّمتی البصری کو مخاطب کیا ہے، ایرانیوں کے درباری اخلاق کی ترجمانی کرتی ہے، لہٰذا یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ فقہِ اسلامی کے کسی ماہر و متخصّص کی تصنیف ہے۔

حدیث کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے متأثّر ہو کر امام ابوحنیفہؒ کے پیرووں نے حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وہ حدیثیں جمع کیں جن سے امام موصوف نے فقہی استدلال کے سلسلے میں کام لیا تھا۔ اس کام کی ابتدا امام ابو یوسف کے بیٹے یوسف نے کی۔ اس طرح امام اعظم کے ایک شاگرد حسن بن زیاد لؤلؤی کی مرتّبہ ایک کتاب المجرّد لابی حنیفۃ کی نشان دہی ابن الندیم (ص ۲۰۴) نے کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظمؒ کی خالص روایات اس کتاب میں جمع تھیں۔ موضوعہ اخبار کی کثرت کے ساتھ، جو فقہ اسلامی کے ایک خاص پہلو کے ساتھ مخصوص ہیں، ان احادیث کی تعداد بھی بڑھتی گئی، تا آنکہ ابوالمؤیّد محمد بن محمود الخوارزمی (م ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۷ء) نے پندرہ مختلف نسخوں کو ایک کتاب (جامع مسانید ابی حنیفۃ، حیدر آباد ۱۳۳۲ھ) میں جمع کر دیا۔ ہم اب بھی ان مختلف نسخوں میں امتیاز اور ان کے درمیان موازنہ کر سکتے ہیں، لیکن ان میں کوئی نسخہ بھی خود امام ابوحنیفہؒ کی مصدقہ تصنیف نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے ذیل کی کتب بھی منسوب کی جاتی ہیں: آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مدح میں القصیدۃ النعمانیۃ، چاپ سنگی، استانبول ۱۲۶۸ھ؛ المقصود، علم صرف میں، بولاق ۱۲۴۴ھ، استانبول ۱۲۹۳ھ؛ المطلوب شرح المقصود کے نام سے اُس کی شرح بھی شائع ہو چکی ہے، مصر ۱۲۹۳ھ؛ اسی طرح ایک کتاب تکملۃ المقصود بھی شائع ہو چکی ہے، استانبول ۱۳۲۴ھ؛ لیکن ان کا انتساب بھی محلِّ نظر ہے۔

بعد میں امام ابوحنیفہؒ کے دشمنوں نے انھیں بدنام کرنے اور بے اعتبار ٹھیرانے کے لیے ان پر نہ صرف مذہب مرجئہ سے ماخوذ غالی عقائد رکھنے کا الزام عائد کیا بلکہ طرح طرح کے ملحدانہ عقائد رکھنے کا بھی، جن کا حامل ہونا ان کے لیے کسی طرح ممکن نہ تھا، مثلاً ان کی طرف یہ رائے منسوب کی گئی کہ کسی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا جائز ہے، حالانکہ یہ ایسا عقیدہ ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے ان

معتقدات کے، جو العالم والمتعلّم میں بیان کیے گئے ہیں، بالکل متضاد ہے۔ مخالفوں نے انھیں ایسا مرجئہ ظاہر کرنے کی سعی بھی کی جو تلوار کے استعمال پر اعتقاد رکھتا ہو۔ یہ ایسا الزام ہے جو آپ اپنی تردید کرتا ہے.

ان کی اولاد میں سے ان کے بیٹے حمّاد اور پوتے اسمٰعیل نے، جو قاضی بصرہ و قاضی رقّہ رہے (م ۲۱۲ھ/ ۸۲۷ء)، فقہِ اسلامی میں ممتاز حیثیت حاصل کی۔ ان کے اہم ترین شاگردوں میں حسبِ ذیل قابلِ ذکر ہیں: زفر بن الہذیل (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۵ء)، داؤد الطّائی (م ۱۶۵ھ/ ۷۸۱-۷۸۲ء)، ابو یوسف [رکّ بآن]، ابومطیع البلخی (دیکھیے اوپر)، الشّیبانی [رکّ بآن] اسد بن عمرو (م ۱۶۰ھ/ ۸۰۶ء) اور حسن بن زیاد لؤلؤی (م ۲۰۴ھ/ ۸۱۹-۸۲۰ء)۔ محدثین میں سے عبداللہ بن المبارک (م ۱۸۱ھ/ ۷۹۷ء) حضرت امامؒ کو بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے.

خلافتِ عبّاسیہ میں اگرچہ خلفا خود مدعی اجتہاد تھے، تاہم ہارون الرشید کے عہد میں فتاوی ابی حنیفہ ساری قلمرو میں قانونِ سلطنت کی حیثیت سے نافذ تھے۔ مغلوں کے سیلاب کے بعد جو خاندان برسرِ اقتدار آئے ان میں سے اکثر حنفی تھے۔ سلجوقی، محمود غزنوی، جس کی فقہ حنفی پر کتاب التفرید مشہور ہے، نورالدین زنگی، مصر کے چرکسی، ہندوستان کے آلِ تیمور، سب حنفی المذہب تھے۔ اورنگ زیب کے عہد کی فتاوٰی عالمگیری فقہ حنفی کی عمدہ کتاب ہے۔ سب سے آخر میں ترکی کے خلفا جن کی خلافت سوا چھے سو برس تک رہی، عموماً حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر تھے۔ موجودہ افغانستان کی حکومت حنفی المذہب ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں اکثریت حنفیوں کی ہے.

علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان (رنگین پریس دہلی، ص ۱۱۹) میں اس خیال کی مدلّل تردید کی ہے کہ فقہ حنفی "رومن لا" سے ماخوذ ہے.

امام صاحبؒ کے محاسنِ اخلاق کی صحیح مگر اجمالی تصویر امام ابو یوسفؒ کی اس تقریر میں ہے جو انھوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کی تھی۔ وہ نہایت پرہیز گار تھے، منہیات سے بہت بچتے تھے، اکثر خاموش رہتے اور سوچا کرتے تھے، اگر ان سے کوئی مسئلہ پوچھتا اور انھیں معلوم ہوتا تو جواب دیتے، نہایت سخی اور فیاض تھے، کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے، دنیوی جاہ و عزّت کو حقیر سمجھتے تھے اور تہمت سے بچتے تھے۔ امام اعظمؒ کی بے نیازی، حق گوئی، دیانت، حلم، حفظ لسان، ذکر و عبادت، عبرت پذیری، والدہ کی خدمت، استاد کی تعظیم وغیرہ، متعدد محاسنِ اخلاق مستند کتابوں میں مذکور ہیں.

مآخذ: (۱) الاشعری: مقالات، ص ۱۳۸ بعد؛ (۲) الفہرست، ص ۲۰۱؛ (۳) الخطیب البغدادی: تأریخ بغداد، ۱۳: ۳۲۳-۴۵۴؛ (۴) و (۵) ابو المؤیّد الموفّق بن احمد المکّی و محمد بن محمد الکردری: مناقب الامام الاعظم، حیدر آباد ۱۳۲۱ھ؛ (۶) ابن خلّکان، شمارہ ۷۱۶ (ترجمۂ دیسلان (de Slane)، ۳: ۵۵۵ بعد)؛ (۷) الذّہبی: تذکرۃ الحفاظ، ۱: ۱۵۸ بعد؛ (۸) وہی مصنف: دول الاسلام، حیدر آباد ۱۳۳۷ھ، ۱: ۷۹؛ (۹) ابو المحاسن محمد: عقود الجمان؛ (۱۰) ابن حجر المکی: الخیرات الحسان؛ (۱۱) ابن خاقان: قلائد العقیان؛ (۱۲) البخاری: تأریخ صغیر؛ (۱۳) ابن قتیبہ: المعارف، طبع اوّل، مصر ۱۹۳۴ء، ص ۲۱۶؛ (۱۴) ابو الفداء، ۲: ۵؛ (۱۵) طبقات الشافعیۃ، ۱: ۴۸؛ (۱۶) الخوانساری: روضات الجنات، ۴: ۲۴۰؛ (۱۷) ابن تغری بردی: النجوم الزاہرۃ، طبع جوینبول (Juynboll)، ۱: ۴۰۳ و بہ امداد اشاریہ؛ (۱۸) ابن الاثیر: البدایۃ والنہایۃ، ۱: ۱۰۷؛ (۱۹) ابن ابو الوفاء القرشی: الجواہر المضیئۃ، ۱: ۲۶؛ (۲۰) الموسوی: نزہۃ الجلیس، ۲: ۱۶۷؛ (۲۱) الدیار بکری: الخمیس، ۲: ۳۲۶؛ (۲۲) ابن عبدالبرّ: الانتقاد فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء، ص ۱۲۲ بعد؛ (۲۳) مفتاح السعادۃ، ۲: ۶۳-۸۳؛ (۲۴) مطالع البدور، ۱: ۱۵؛ (۲۵) الیافعی: مرآۃ الجنان، ۱: ۳۰۹ بعد؛ (۲۶) العفیفی: حیاۃ الامام ابی حنیفۃ؛ (۲۷) عبدالحلیم الجندی: ابو حنیفۃ؛ (۲۸) معلّمۃ الاسلام، ص ۹۰؛ (۲۹) احمد امین: ضحی الاسلام، ۲: ۱۶۷ بعد؛ (۳۰) محمد ابو زہرہ: ابو حنیفۃ، طبع ثانی، قاہرہ ۱۹۴۷ء؛ (۳۱) گولٹ تسیہر (I. Goldziher): *Zahiriten*، ص ۳، ۱۲ بعد؛ (۳۲) A. J. Wensinck: *Muslim Creed*، اشاریہ؛ (۳۳) حلیم ثابت شبائی، در آ ت (ترکی)، بذیل مادّہ؛ (۳۴) شاخت (Schacht): *Origins of Muhammadan Jurisprudence*، اشاریہ؛ (۳۵) براکلمان، ۱: ۱۶۷ بعد و تکملہ، ۱: ۲۸۴ بعد (اس میں کئی غلطیاں ہیں)؛ (۳۵) شبلی نعمانی: سیرۃ النعمان؛ (۳۶) فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیۃ، مطبوعۂ نولکشور، لکھنؤ، ص ۱۷-۱۰۷.

(شاخت J. SCHACHT [و ادارہ])

---

* **ابوحنیفۃ الدّینَوَری**: رکّ بہ الدِّینَوَری.

---

* **ابوحیّان التوحیدی**: علی بن محمد بن العباس (غالبًا التوحیدی کی نسبت توحید سے ہے، جو ایک قسم کی کھجور ہے)، [کہتے ہیں کہ اس کا باپ بغداد میں التّوحید بیچا کرتا تھا، ابن خلّکان، ۲: ۹۰] چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی کا ایک ادیب اور فلسفی، [اس کے ساتھ ساتھ امامِ تصوّف اور فقیہ و مؤرّخ بھی — السُّبکی]۔ اس کی جائے ولادت نیشاپور، شیراز، واسط یا بغداد بیان کی جاتی ہے۔ اس کی پیدائش ۳۱۰ھ اور ۳۲۰ھ/ ۹۲۲ء اور ۹۳۲ء کے درمیان کسی سال میں واقع ہوئی۔ اس نے بغداد میں تعلیم پائی، نحو السّیرافی اور الرّمّانی سے پڑھا، شافعی فقہ قاضی ابوحامد المَرْوَرُّوذی سے اور حدیث ابوبکر الشاشی سے۔ علاوہ بریں اس نے صوفی مشائخ کی صحبت سے بھی فیض پایا۔ کتابت کا پیشہ اس کا ذریعۂ معاش تھا [منتخب صوان الحکمۃ، ص ۱۱۶، نسخۂ بشیر آغا، در کتاب خانۂ دانش گاہِ پنجاب، سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابوجعفر بن بانویہ ملک السجستان (۳۱۱-۳۵۲ھ) کے مسامرہ میں الفزاری، طلحہ، ابوتمّام وغیرھم کے ساتھ شریک تھا]۔ ایک مشکوک سی عبارت میں (دیکھیے السُّبکی، الصَّفدی، الذہبی، ابن حجر) مذکور ہے کہ وزیر المہلّبی (م ۳۵۲ھ/

۹۶۳ء) نے اسے اس کے ملحدانہ عقائد کی بنا پر سزا دی تھی۔ وہ ۳۵۳ھ/ ۹۶۴ء میں مکّے میں تھا (الامتاع، ۲:۷۹، بصائر، مخطوطۂ کیمبرج، ورق ۱۶۷ ب) اور ۳۵۸ھ/ ۹۶۴ء میں رےّ میں (یاقوت: ارشاد، ۲: ۲۹۲؛ ابوالفضل بن العمید، م ۳۶۰ھ/ ۹۷۰ء کے دربار میں؟)۔ اس کی المقابسات، ص ۱۵۶، سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۶۱ھ/ ۹۷۱ء میں حکیم یحیٰی بن عدی کے درسِ فلسفہ میں شامل ہوا تھا۔ وہ رےّ کے وزیر ابوالفتح بن العمید (م ۳۶۶ھ/ ۹۷۶ء) کے ہاں قسمت آزمائی کے لیے پہنچا اور اس کے نام ایک پُرتکلّف خط لکھا، لیکن اس وزیر کے خلاف اس کے معاندانہ جذبات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے مقصد میں کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ ۳۶۷ھ/ ۹۷۷ء سے ابن عبّاد نے اسے نقل نویس کے طور پر ملازم رکھ لیا۔ یہاں بھی وہ کامیاب نہ رہا، جس کی بڑی وجہ یقیناً اس کے کردار کی ناسازگاری اور اس کا احساسِ برتری تھا؛ مثلاً اس نے اپنے آقا کے مکتوبات کے ضخیم مجموعے کو نقل کرنے میں ''اپنا وقت ضائع کرنے'' سے انکار کر دیا اور بالآخر اسے برطرف کر دیا گیا۔ اسے یہ محسوس ہوا کہ اس سے بدسلوکی کی جاتی رہی ہے اور اس کا انتقام اس نے ایک رسالہ ذمّ یا مثالب یا اخلاق الوزیرَین لکھ کر لیا، جس میں ابوالفتح ابن العمید اور ابن العبّاد دونوں کی بڑی خوش اسلوبی سے تضحیک کی گئی ہے (متعدّد اقتباسات در یاقوت، ۱: ۲۸۱ و ۲: ۴۴ ببعد، ۲۸۲ ببعد، ۳۱۷ ببعد و ۵: ۳۵۹ ببعد، ۳۹۲ ببعد، ۴۰۶ ببعد)۔ ۳۵۰ - ۳۶۵ھ/ ۹۶۱ - ۹۷۵ء کے دوران میں اس نے اپنی ادبی منتخبات کی کتاب بصائر القدماء دس جلدوں میں تالیف کی، جسے البصائر و الذّخائر وغیرہ بھی کہا جاتا ہے (ج ۱ - ۵ در کتب خانۂ فاتح، استانبول، شمارہ ۳۲۹۵ - ۳۲۹۹؛ ج ۱ و ۲ در کیمبرج، شمارہ ۱۳۴؛ در جار اللہ، استانبول؛ در مانچسٹر، شمارہ ۷۶۷؛ نامشخّص جلدیں در کتب خانۂ عمومیہ، استانبول؛ رام پور، فہرست، ۱: ۳۳۰، Ambrosiana (؟))۔ غالبًا یہ رےّ کا واقعہ ہے کہ اس نے مسکویہ کو وہ سوالات بھیجے جن کا جواب اس نے اپنی الھوامل و الشّوامل میں دیا۔ [ازروے تتمۂ صوان الحکمۃ، لاہور ۱۳۵۱ھ، ص ۱۸۶، ابو حیّان کے سوالات کا نام الھوامل تھا اور مسکویہ کے جوابات کا نام الشّوامل، رکّ بہ ابن مسکویہ]۔ جب وہ ۳۷۰ھ/ ۹۸۱ء کے آخر میں بغداد واپس آیا تو زید بن رِفاعہ اور ابوالوفاء البُوزجانی ریاضی دان نے اس کی سفارش [عبدالحسین بن احمد ابن سعدان سے کر دی (جو عارض سپاہ ہونے کی وجہ سے العارِض بھی کہلاتا تھا، قبّ الرُوذراوری: ذیل تجارب الامم، ص ۹؛ ابن القفطی اور جدید مصنّفین کے ہاں اسی سے التباس پیدا ہو گیا ہے)۔ ابن سَعدان کے لیے اس نے دوستی کے موضوع پر اپنی کتاب [الصداقۃ والصدیق، مطبوعۂ مصر ۱۳۲۳ھ] لکھنا شروع کی، مگر یہ کتاب تیس سال بعد جا کر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس زمانے میں وہ ایک ایسے شخص کے پاس برابر جاتا رہا جو اس پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوا، یعنی ابوسلیمان المنطقی [رکّ بآں]، جسے وہ فلسفیانہ مسائل میں بالخصوص اور ہر نوعیّت کے موضوع پر بالعموم سب سے بڑی سند اور حجّت سمجھتا تھا (اس نے اس کے درس میں ۳۷۱ھ/ ۹۸۱ء میں شرکت کی تھی، المقابسات، ص ۲۴۶، ۲۸۶ [ص ۲۸۶ پر ۳۹۱ھ دیا ہے، مگر دیکھیے قزوینی، شرح حال ابوسلیمان منطقی، ص ۲۶])۔ ابن سعدان کو صمصام الدولہ نے ۳۷۳ھ/ ۹۸۳ء میں اپنا وزیر بنا لیا۔ ابوحیّان اس وزیر کا حاضر باش درباری تھا اور اس کی شام کی مجالس میں شریک ہوا کرتا تھا، جہاں اسے لسانیات، ادب، فلسفہ اور درباری اور ادبی موضوعات پر وزیر کے بہت ہی متفرّق سوالات کا جواب دینا پڑتا تھا۔ وہ اکثر موضوعِ زیرِ بحث پر ابوسلیمان کے افکار و خیالات بیان کر دیا کرتا تھا (جس نے عزلت گزین ہو کر دربار کی حاضری ترک کر دی تھی)۔ ابوالوفاء ماہرِ ریاضیات کی درخواست پر اس نے اس کے مطالعے کے لیے ایسی سینتیس مجالس کی روداد مرتّب کی، جس کا عنوان الامتاع و المؤانسۃ رکھا (طبع احمد امین واحمد الزّین، قاہرہ ۱۹۳۹ - ۱۹۴۴ء)۔ ۳۷۵ھ/ ۹۸۵ - ۹۸۶ء میں ابن سعدان معتوب ہو کر قتل کر دیا گیا اور اب بظاہر ابوحیّان بغیر کسی سرپرست کے رہ گیا (اس نے ابوالقاسم المُدلجی کے لیے، جو ۳۸۲ - ۳۸۳ھ/ ۹۹۲ - ۹۹۳ء میں شیراز میں صمصام الدولہ کا وزیر تھا، المحاضرات و المناظرات لکھی؛ اقتباسات در یاقوت، ۱: ۱۵ و ۳: ۸۷ و ۵: ۳۸۲، ۴۰۵ و ۶: ۴۶۶)۔ ہمیں اس کی زندگی کے آخری دور کا حال بہت کم معلوم ہے، لیکن بظاہر اس نے مفلسی میں زندگی بسر کی۔ انھیں آخری سالوں میں اس نے اپنی کتاب المُقابَسات مرتّب کی، جو مختلف فلسفیانہ موضوعات پر ایک سو چھے مکالموں کا مجموعہ ہے (بمبئی ۱۳۰۶ھ، قاہرہ ۱۹۲۹ء، دونوں طباعتیں بہت ناقص ہیں؛ [۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ء میں ایک دوسرا نسخہ طبع ہوا، جس میں ۱۰۳ مکالمے ہیں])۔ ان مکالموں میں بھی بڑا مقرّر ابوسلیمان ہی ہے، لیکن ان میں بغداد کے فلسفیانہ حلقوں کے باقی سب ارکان بھی سامنے آتے ہیں۔ المقابسات اور الامتاع والمؤانسۃ دونوں کتابیں اس دور کی حیاتِ فکری کے متعلّق معلومات کے ذخیرے ہیں اور حکماے بغداد کے افکار و عقائد کو ازسرِ نو مرتّب کرنے کے لیے بہت بیش قیمت ثابت ہو سکتی ہیں۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ابوحیان نے اپنی کتابیں نذرِ آتش کر دیں۔ اس کی وجہ اس نے وہ کس مپرسی بتائی جس میں اسے گزشتہ بیس سال بسر کرنا پڑے تھے۔ دوستی کے موضوع پر اپنے رسالے (الصداقۃ والصدیق، جو الرسالۃ فی وصف العلوم کے ساتھ طبع ہو چکا ہے، استانبول ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ھ) کے دیباچے میں بھی، جسے اس نے ۴۰۰ھ/ ۱۰۰۹ء میں مکمّل کیا، اس نے اسی قسم کی شکایات کی ہیں اور انقلابِ زمانہ اور اپنی محرومیِ قسمت کا گلہ۔ قبرستان شیراز کے ایک راہ نما (guide-book) شدّ الازار عن حطّ الاوزار [از معین الدین اور القاسم جنید شیرازی]، ص ۱۷، میں یہ دعوٰی کیا گیا ہے کہ ابوحیّان التوحیدی (تاہم وہاں احمد بن عباس کہا گیا ہے) کی قبر شیراز میں (مقبرۂ شیخ عبداللہ بن خَفِیف کے محاذ کے قریب) موجود تھی اور اس میں اس کی تاریخ وفات ۴۱۴ھ/ ۱۰۲۳ء دی گئی ہے۔

ابوحیان عربی اسلوبِ بیان میں مہارت تامّہ رکھتا تھا۔ وہ الجاحظ کا بڑا مدّاح

تھا، جس کی تعریف میں اس نے ایک مخصوص رسالہ بنام تقریظ الجاحظ لکھا (اقتباس در یاقوت، ۱: ۱۲۴ و ۳: ۸۶ و ۶: ۵۸، ۶۹؛ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ، ۳: ۲۸۲ ببعد) اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ وہ اس عظیم المرتبہ نثر نویس کی پیروی کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی طبّاعی سب سے زیادہ ان عبارتوں میں نمایاں ہے جن میں وہ لوگوں کے کردار کا نقشہ کھینچتا ہے اور جو اس کی کتابوں میں بکثرت ملتی ہیں۔ جہاں تک اس کے حکیمانہ عقائد کا تعلّق ہے وہ کسی نئے نظام کا موجد معلوم نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ وہ ابوسلیمان کے نو افلاطونی نظام سے بہت متأثّر تھا اور اس دور میں بغداد کے دیگر معاصر حکما بھی اس طرزِ فکر میں ابوسلیمان کے شریک تھے۔ اس حلقۂ فکر کے دیگر ارکان کی طرح ابوحیّان بھی تصوّف سے دلچسپی رکھتا تھا، لیکن اتنی نہیں جو اسے باقاعدہ صوفی بنا دیتی۔ اس کی کتاب الاشارات الالٰہیة (طبع علی البدوی، قاہرہ ۱۹۵۱ء) ''ادعیہ و مواعظ پر مشتمل ہے اور اس میں صرف کہیں کہیں تصوّف کی اصطلاحیں مذکور ہیں''۔ ابوحیّان کو ابن الرّاوندی اور المعرّی کے ساتھ زنادقۂ اسلام میں شمار کیا جاتا تھا (*JRAS*، ۱۹۰۵ء، ص ۸۰)، لیکن اس کی ان تصانیف سے جو اب تک موجود ہیں اس کی تصدیق نہیں ہوتی (قبّ D. S. Margoliouth)، در آآ، لائڈن، طبع اوّل، ۱: ۸۷، بذیل مادّۂ ابوحیّان)۔ [السُّبکی: طبقات، ۴: ۳، نے ابوالفرج ابن الجوزی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ زنادقۂ اسلام تین ہیں: ابن الراوندی، ابوحیّان التّوحیدی اور ابوالعلاء، زیر مادّۂ زندیق۔ اس کے بعد السُّبکی نے کہا ہے کہ مجھے تو اب تک ابوحیّان کے احوال میں ایسی کوئی بات نہیں ملی جس کی بنا پر اس کی کوئی مذمّت واجب ہو جائے۔ مناظرہ ابن یونس القنّائی و ابی سعید السیرافی، ابوحیان کی روایت سے بھی چھپ چکا ہے، طبع مرجلیوث، مع انگریزی ترجمہ، لنڈن ۱۹۰۵ء]۔

مآخذ: (۱) یاقوت: ارشاد، ۵: ۳۸۰ ببعد؛ (۲) ابن خلّکان، شمارہ ۷۰۷ (طبع مصر، ۲: ۵۹ ببعد)؛ (۳) السبکی، ۴: ۲؛ (۴) الصفدی: وافی، در *JRAS*، ۱۹۰۵ء، ص ۸۰ ببعد؛ (۵) الذہبی: میزان، ۳: ۳۵۳؛ (۶) ابن حجر: لسان المیزان، ۴: ۳۶۹؛ (۷) السُّیوطی: بغیة، ص ۳۴۸؛ (۸) Brockelmann، ۱: ۲۸۳ و تکملہ، ۱: ۴۳۵؛ (۹) محمد بن عبدالوہّاب قزوینی: شرح حال ابو سلیمان منطقی سجستانی، Chalon-sur-Saone ۱۹۳۳ء، ص ۳۲ ببعد (نیز در بست مقالہ، تہران ۱۹۳۵ء)؛ [منتخب صوان الحکمة، نسخۂ بشیر آغا نقل در کتاب خانۂ دانش گاہِ پنجاب، میں اس کا ذکر ص ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۲۹ اور ۱۳۱ پر آیا ہے]؛ (۱۰) عبدالرّزاق محی الدین: ابو حیان التوحیدی (بزبان عربی)، قاہرہ ۱۹۴۹ء؛ (۱۱) کیلانی (I. Keilani): *Abu Ḥayyān al-Tawḥīdī* (بزبان فرانسیسی)، بیروت ۱۹۵۰ء، (۱۲) علم انشا پر ابوحیان کا ایک چھوٹا سا رسالہ، طبع روزنتھال (F. Rosenthal): *Ars Islamica*، ۱۹۴۸ء، ص ۱ ببعد؛ اس کے تین رسائل (یعنی ۱ - رسالة الامامة، اقتباس در ابن العربی: مُسامرات، ۲: ۷۷ و ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغة، ۲: ۵۹۲ ببعد وغیرہ، جس میں ایک ایسا خط بھی ہے جو کہا جاتا ہے کہ [حضرت] ابوبکرؓ نے [حضرت] علیؓ کو لکھا تھا [رسالة المنسوبة الی ابی بکر و عمر مع ابی عبیدة الیٰ علیؓ]، لیکن جس کے بارے میں شبہہ کیا جاتا ہے کہ خود ابوحیّان کی تصنیف ہے؛ ۲ - رسالة الحیاة، فلسفیانہ زاویۂ نگاہ سے اور ۳ - متذکرۂ صدر رسالہ علم انشا پر کو کیلانی (I. Keilani) نے بعنوان ثلث رسائل طبع کیا ہے، دمشق ۱۹۵۲ء۔ الزُّلفة سے ایک اقتباس الروذراوری، ص ۷۵، میں موجود ہے؛ [(۱۳) میزان الاعتدال، ۳: ۳۵۵؛ (۱۴) السبکی: طبقات، ۴: ۲؛ (۱۵) روضات الجنات، ۴: ۲۰۵؛ (۱۶) مفتاح السعادة، ۱: ۱۸۸؛ (۱۷) امراء البیان، ص ۴۸۸ - ۵۴۵]۔

(S. M. STERN)

✱ **ابوحیّان** [النّحوی]: اثیر الدّین محمد بن یوسف الغرناطی [الجیانی، النفزی]، چودھویں صدی عیسوی کے نصف اوّل کا ممتاز ترین عرب نحوی، جو غرناطہ میں شوّال ۶۵۴ھ/نومبر ۱۲۵۶ء میں پیدا اور صفر ۷۴۵ھ/جولائی ۱۳۴۴ء میں قاہرہ میں فوت ہوا، جہاں دس سال کے پُر حاصل مطالعات اور ساری دنیاے عرب کی سیاحت کے بعد وہ جامع طولونیہ میں علومِ قرآنیہ کے مدرّس کی خدمت انجام دیتا رہا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس عالم نے پینسٹھ کتابیں عربی اور دوسری زبانوں (خصوصًا ترکی، حبشی اور فارسی) میں علوم قرآنیہ، حدیث، فقہ، تاریخ، سیر اور شعر و سخن پر تصنیف کی تھیں، جن میں بہت سی کئی کئی جلدوں میں تھیں۔

اس کی ان پندرہ تصنیفات میں سے جو اس وقت موجود ہیں مندرجۂ ذیل سب سے اہمّ ہیں:

(۱) منہج السالک، یعنی شرح الفیۂ ابن مالک، طبع گلیزر (Sidney Glazer)، نیوہیون ۱۹۴۷ء، جس میں متن کے علاوہ ابوحیّان کے سوانح حیات، اس کی تصانیف کی فہرست اور مقامی عربی علم نحو کا ایک تاریخی خاکہ بھی شامل ہے)؛ (۲) الاِدْراک للسان الاَتْراک، ترکی علم نحو کی قدیم ترین کتاب، جو اس وقت موجود ہے (استانبول ۱۳۰۹ھ؛ نیز جعفر اوغلو استانبول ۱۹۳۱ء، قبّ نیز *JA*، ۱۸۹۲ء، ص ۳۲۶ - ۳۳۵)؛ (۳) البحر المحیط، قرآن کی ایک مبسوط تفسیر (قبّ *Gesch. des Qor.*، ۳: ۲۴۳ و براکلمان: تکملہ، ۲: ۱۳۶)، [مطبوعۂ مصر ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ھ۔ ابن مکتوم نے الدر اللقیط من البحر المحیط کے نام سے اس کی تلخیص کی تھی اور خود ابوحیّان نے النہر الماد من البحر کے نام سے اس کا خلاصہ لکھا۔ یہ دونوں ملخّصات مندرجۂ بالا طبع کے حاشیے میں چھپ چکے ہیں]۔

ایک نحوی کی حیثیت سے ابوحیّان کی عظمت نہ صرف اس وجہ سے تھی کہ اسے لسانی مواد پر پورا عبور اور اپنے پیش رووں کی مساعی سے مکمّل واقفیت حاصل تھی (چنانچہ سیبویہ کی کتاب اسے زبانی یاد تھی اور علم نحو میں وہ اس کا وہی مرتبہ سمجھتا تھا جو علم دین میں حدیث کا ہے)، بلکہ اس لیے بھی کہ توصیفی اور قیاسی نحو میں اس کا نقطۂ نظر نمایاں طور پر جدید تھا (قبّ S. Glazer، در *JAOS*، ۱۹۴۲ء)۔ یہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی عربی نحوی تصوّر کی توضیح دوسری زبانوں کی مثالیں

لے کر کرنے اور اس کے ساتھ ہی اس قسم کے عملی (operational) اصولوں کی پابندی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا تھا کہ ''عربی قواعد کو کثرتِ وقوع پر مبنی کرنا ضروری ہے'' اور یہ کہ ''ایسے قیاسی مشتقات کو جو فصیح کلام میں پائے جانے والے مستند مواد کے نقیض ہوں جائز نہیں سمجھنا چاہیے''۔ خارجیت پسندی کے اسی غیر معمولی جذبے اور احترامِ حقائق کی بدولت منہج السالک ایک بہت ممتاز تصنیف بن گئی ہے۔ ابن مالک کی درخشاں، اگرچہ کہیں کہیں غلط آمیز، تمام مجموعۂ نحو کی ایک ہزار اشعار پر مشتمل تلخیص کی توضیح و تصحیح کے علاوہ منہج میں چھوٹے پیمانے پر علم نحو سے متعلّق فہرستِ مآخذ اور اس علم کے بعض دشوار ترین مسائل پر مختلف اقوال کا ایک مرقّع بھی موجود ہے اور ان مسائل کے ضمن میں سینکڑوں نحویوں، قاریوں اور لغات نویسوں کے اقوال سے استشہاد کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ابوحیّان کے شاگردوں ابن عقیل اور ابن ہِشام کی نسبۃً ابتدائی تصانیف کی وجہ سے زاویۂ خمول میں چلی گئی.

مآخذ: (۱) المقّری: *Analectes*، ۱: ۸۲۳ - ۸۶۲ [نفح الطیب، ۱: ۵۹۸]؛ (۲) الکتبی: فوات، ۲: ۲۸۲، ۳۵۲ - ۳۵۶؛ (۳) ابن حَجَر العسقلانی: الدرر الکامنة، حیدرآباد ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء، ۴: ۳۰۳ - ۳۰۸؛ (۴) السیوطی: بغیة الوعاة، ص ۱۲۱ - ۱۲۲؛ [(۵) وہی مصنّف: النجوم الزاهرة، ۱۰: ۱۱۱]؛ (۶) السبکی: طبقات، ۶: ۳۱ بعد؛ (۷) ابن العماد: شذرات الذهب، ۶: ۱۴۵؛ (۸) ابو الفداء، ۴: ۴۲؛ (۹) جلاء العینین، ص ۱۷؛ (۱۰) نکت الهمیان، ص ۲۸۰؛ (۱۱) فهرس الفهارس، ۱: ۱۰۸؛ (۱۲) غایة النهایة، ۲: ۲۸۵؛ (۱۳) خزائن الکتب القدیمة فی العراق، ص ۱۳۵؛ (۱۴) الفوائد البهیة، ص ۱۹۵؛ (۱۵) روضات الجنات، ۴: ۲۰۴]؛ (۱۶) زَرکشی: تأریخ الدولتین، تونس ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء، ص ۶۳؛ (۱۷) براکلمان، ۲: ۱۰۹ و تکملہ، ۲: ۱۳۶؛ (۱۸) گولٹ تسیہر (I. Goldziher): *Die Zāhiriten*، لائپزگ ۱۸۸۴ء، ص ۱۸۸ بعد.

(S. GLAZER)

✱ **ابو خِراش:** خُوَیلِد بن مُرَّة الهُذَلی، مُخَضرَم عرب شاعر، جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور [حضرت] عمرؓ کے عہدِ خلافت میں فوت ہوا۔ وہ یمنی حاجیوں کے لیے کنویں سے پانی نکال رہا تھا کہ سانپ نے اسے ڈس لیا (اس پر [حضرت] عمرؓ نے ان حاجیوں سے اس کی دیت دلائی)۔ ابو خراش زمانۂ جاہلیت کے ان نامور سورماؤں میں شمار ہوتا ہے جو گھوڑوں سے بھی زیادہ تیز دوڑ سکتے تھے اور یہی امتیاز اس کے نو بھائیوں ابو جُندَب، عُروہ، الأبَحّ، الاسوَد، ابو الاسوَد، عمرو، زُہَیر، جَنّاد اور سفیان کو بھی حاصل تھا۔ یہ سب بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ [ابن عبد البرّ اور ابن الأثیر نے اس کا ذکر صحابہؓ میں کیا ہے، لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وہ کبھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا]۔

مآخذ: (۱) دیوان ابو خراش، J. Hell نے شائع کیا تھا: *Neue Hudailiten- Diwane*، ج ۲، لائپزگ ۱۹۳۳ء؛ (۲) سوانح حیات کے متعلّق حواشی اور اشعار، در الجاحظ: الحیوان، طبع ثانی، ۴: ۲۶۷ - ۳۵۱؛ (۳) ابن قتیبہ: الشعر، ص ۴۱۷ - ۴۱۸؛ (۴) ابوتمّام: الحماسة، طبع فرایتاغ (Freytag)، ص ۳۶۵، ۳۷۰؛ (۵) الأغانی، ۲۱: ۵۴ - ۷۰؛ (۶) ابن حجر: الاصابة، شمارہ ۲۳۴۵؛ [(۷) ابن کثیر: البدایة و النهایة، ۷: ۱۴۴]؛ (۸) البغدادی: خزانة، قاہرہ ۱۳۴۷ھ ۱: ۴۰۰؛ (۹) عسکری: دیوان المعانی، ۱: ۱۳۱ و ۲: ۷۲؛ (۱۰) Nallino: *Scritti*، ج ۶ = *Letteratura*، ص ۴۶ (فرانسیسی ترجمہ، ص ۷۷).

(CH. PELLAT پیلا)

✱ **ابوالخَصِیب:** بصرے کے جنوب میں ایک نہر (خلیفہ المنصور کے ایک مولیٰ کے نام سے موسوم)؛ یہ ان نہروں میں سب سے زیادہ اہم تھی جو قرونِ وسطیٰ میں مغرب سے بہتی ہوئی دریاے دجلہ کے بڑے دھارے میں جا گرتی تھیں، جسے عرب مصنّفین دجلة العَوراء کہتے تھے، یعنی جدید شطّ العرب۔ اس کی گزرگاہ ابھی تک موجود ہے۔ اسی نہر کے کنارے پر زنجی باغیوں نے تیسری صدی ہجری/ نویں صدی عیسوی میں المختارہ کا بڑا قلعہ تعمیر کیا تھا.

مآخذ: (۱) Le Strange، ص ۴۷ بعد؛ (۲) M. Streck: *Babylonien nach den arab. Geogr.*، لائڈن ۱۹۰۰ء، ۱: ۴۲.

(M. STRECK سٹرک)

✱ **ابوالخَطّاب الاسدی:** محمد بن ابی زینب مِقلَص الاَجدَع ایک مسلم بانیِ رفض و بدعت۔ الکَشّی کے بیان کے مطابق اس کے باپ کا نام مِقلَص بن ابی الخطّاب تھا اور وہ خود ابو اسمٰعیل یا ابوظُبیان کی کنیت استعمال کرتا تھا۔ وہ کوفے کا رہنے والا اور قبیلۂ اسد کا مولیٰ تھا۔ فرقۂ نُصَیریّہ کی کتابوں میں اسے الکاہلی بھی کہا گیا ہے۔ ابوالخطّاب امام جعفر صادقؒ کے بڑے داعیوں میں سے ایک تھا، لیکن گمراہ ہو گیا اور عقائد کاذبہ کی تلقین کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام نے اس سے قطع تعلّق کر لیا۔ اس کے ستّر پیروؤں پر، جو کوفے کی ایک مسجد میں مجتمع تھے، والیِ شہر عیسیٰ بن موسیٰ کے حکم سے حملہ کیا گیا اور شدید آویزش کے بعد وہ سب قتل کر دیے گئے۔ خود ابوالخطاب گرفتار ہوا اور حاکم کے سامنے لایا گیا، جس نے اسے اس کے متعدّد معتقدین سمیت دریاے فرات کے کنارے دار الرّزق کے مقام پر قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا۔ ان کے سر خلیفہ المنصور کی بارگاہ میں بھیج دیے گئے اور بغداد کے ایک دروازے کے پاس تین دن تک نیزوں پر لگے رہے۔ ان واقعات کی تاریخ صحیح طور پر معلوم نہیں، لیکن الکَشّی کے ہاں ایک مکالمہ ملتا ہے، جو ۱۳۸ھ/ ۷۵۵ء میں ہوا تھا اور بظاہر ابوالخطّاب اور اس کے پیروؤں کے تازہ قلع و قمع سے متعلّق ہے (''فانقطعت آثارهم و فنِیَتْ آجالهم''، الکَشّی، ص ۱۹۱، قب Lewis، ص ۳۳)، لیکن ایوانوف (Ivanow) (ص ۱۱۷) کا خیال یہ ہے کہ

اس روایت میں امام جعفر الصّادق کے ابوالخطاب سے قطع تعلّق کا حوالہ ہے اور وہ اس کی موت کی تاریخ ۱۴۵ھ/۷۶۲ء کے قریب بتاتا ہے)۔ نُصَیری، جواب بھی ابوالخطاب کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ اس نے دار الرِّزق میں ۱۰ یا ۱۱ محرّم کو اظہارِ دعوت کیا اور وہ اس تاریخ کو نیز اس تاریخ کو جب امام جعفر نے اسے داعی مقرر کیا تھا (۱۱ ذوالحجّہ) مقدّس سمجھتے ہیں اور ہر سال ان کی یاد مناتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ غالی شیعوں کے عقائد کی ابتدائی نشوونما میں اس کا خاصا اہم حصّہ ہے، چنانچہ وسط ایشیا کے اسمٰعیلیوں کی کتاب امّ الکتاب، (*.Isl*، ۱۹۳۶ء، اجزا ۱ و ۲؛ قبّ ایوانوف (W. Ivanow)، در *REI*، ۲، ۱۹۳۲ء، ص ۴۲۸-۴۲۹) نیز سنیّوں اور اثنا عشریوں کے متعدّد مآخذ اسے اسمٰعیلی مذہب کا بانی بتاتے ہیں، لیکن فاطمی دور کی تحریروں میں اس کی مذمّت تقریبًا انھیں الفاظ میں کی گئی ہے جن میں اثنا عشری کتابوں میں؛ اس کے عقائد کی بحث کے لیے رکّ بہ مادّۂ خطّابیہ.

مآخذ: (۱) ابوالخطّاب کی زندگی اور موت کے بارے میں بہترین بیانات اثنا عشریوں کی تصانیف، بالخصوص الکشّی کی معرفة الرّجال، بمبئی ۱۳۱۷ھ، ص ۱۸۷ ببعد، میں ملتے ہیں؛ (۲) نَوبختی: فِرَق، ص ۳۷، ۵۸ ببعد؛ (۳) ایک اسمٰعیلی بیان قاضی نعمان کی دعائم الاسلام (طبع آصف علی اصغر فیضی)، قاہرہ ۱۹۵۱ء، ۱: ۶۲ ببعد، میں ملے گا؛ (۴) نُصَیری: کتاب مجموع الاعیاد، طبع R. Strothmann، در *.Isl*، ۱۹۴۶ء، ص ۶، ۸، ۱۰، ۱۴۸، ۱۵۹، ۲۰۲، میں بھی دلچسپ حوالے موجود ہیں؛ (۵) عمومی بحث کے لیے دیکھیے Henry Corbin: *Étude préliminaire pour le 'Livre réunissant Ies deux sagesses' de Nâsir-e Khosraw*، تہران ۱۹۵۳ء، ص ۱۴ ببعد؛ (۶) ایوانوف (W. Ivanow): *The Alleged Founder of Ismailism*، بمبئی ۱۹۴۶ء، ص ۱۱۳ ببعد؛ (۷) B. Lewis: *The Origins of Ismā'īlism*، کیمبرج ۱۹۴۰ء، ص ۳۲ ببعد؛ (۸) محمد قزوینی، در جوینی، ۳: ۳۴۴ ببعد.

(B. LEWIS)

---

* **ابوالخطّاب الکَلْوَذانی**: رکّ بہ الکَلْوَذانی AL-KALWADHĀNĪ در آ آ، لائڈن، طبع ثانی.

---

* **ابوالخطّاب المَعافِری**: عبدالاعلی بن السَّمح الحِمیَری الیَمَنی، المغرب کے اِباضیوں کا پہلا انتخاب کردہ امام۔ وہ ان پانچ مبلّغین (حَمَلَۃُ العِلم: ''حاملانِ علم'') میں سے تھا جنھیں فرقۂ اباضیہ کے روحانی پیشوا ابوعبیدۃ التمیمی البصری نے اباضی عقیدے کی اشاعت کے لیے المغرب کو بھیجا تھا [رکّ بہ مادّۂ اِباضیہ]۔ ان مبلّغین کو ابوعبیدہ کی طرف سے حکم ملا تھا کہ وہ طرابلس کے اباضیوں میں امامت قائم کریں اور ابوالخطّاب کو امام بنائیں۔ ان ''حَمَلَۃُ العلم'' کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور ولایت طرابلس کے اباضی سرداروں نے ۱۴۰ھ/۷۵۷-۷۵۸ء میں شہر طرابلس کے قریب صیّاد کے مقام پر ایک اجتماع منعقد کرکے ابوالخطّاب کو امام منتخب کرلیا۔ اباضی بربری قبائل ہوّارہ، نفوسہ وغیرہ نے نئے امام کے زیر قیادت ''لا حکم الّا للّٰہ ولا طاعۃ الّا طاعۃ ابی الخطّاب'' کا نعرہ بلند کرکے طرابلس کا سارا ملک، جس میں شہر طرابلس بھی شامل تھا، فتح کرلیا اور ان کا امیر اس شہر میں رہنے لگا۔ ماہ صفر ۱۴۱ھ/جون-جولائی ۷۵۸ء میں ابوالخطّاب کی افواج نے افریقیہ کا صدر مقام قیروان سر کرلیا، جو اس وقت بربری قبیلۂ وَرْفَجُّومہ کے صُفَریہ کے قبضے میں تھا۔ عبدالرحمٰن بن رستم، جس نے بعد میں تاہرت کی اباضی امامت کی بنا ڈالی تھی، اس شہر کا حاکم مقرر ہوا۔

ابوالخطّاب کی فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک ایسی اباضی سلطنت قائم ہوگئی جس میں تمام افریقیہ یعنی طرابلس، تونس اور الجزائر کا مشرقی حصّہ شامل تھا، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوالخطّاب کا کچھ نہ کچھ اثر سجلماسہ کے صُفریوں پر بھی تھا.

ذوالحجّہ ۱۴۱ھ/اپریل ۷۵۹ء میں مصر کے عبّاسی حاکم محمد بن الاشعث الخُزاعی نے العوّام بن عبدالعزیز البَجَلی کے زیر قیادت اس صوبے کو از سرِ نو فتح کرنے کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ اباضیہ نے اس لشکر کو ابوالخطّاب کے مقبوضات کی مشرقی سرحد کے قریب سُرت کے علاقے میں شکست دی۔ ایک اور عبّاسی لشکر کو، جو ابوالاَحْوص عمر بن الاحوص العِجلی کے زیر کمان تھا، مُغَمْداس (Macomades Syrtis، موجودہ مَرْسہ زَفْران) کے مقام پر شکست ہوئی۔ اس اثنا میں ابن الاَشعث (والیِ مصر) کو بارگاہِ خلافت سے احکام ملے کہ وہ خود بربروں کے خلاف لشکرکشی کرے اور افریقیہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ یہ سن کر ابوالخطّاب ایک خاصی بڑی فوج لے کر مقابلے کے لیے نکلا، لیکن ابوالاشعث کی ایک جنگی چال سے دھوکا کھا گیا۔ ابوالاشعث نے یہ ظاہر کیا کہ وہ مشرق کی طرف واپس جا رہا ہے، چنانچہ ابوالخطّاب نے اپنے لشکر کو منتشر ہونے کی اجازت دے دی۔ کچھ عرصے کے بعد جب ابوالاَشعث طرابلس کے قرب و جوار میں جا پہنچا تو ابوالخطّاب نے جلدی جلدی قریب کے قبائل کو جمع کیا تاکہ اس کی پیش قدمی کو روکے۔ صفر ۱۴۴ھ/مئی-جون ۷۶۱ء میں تاوُرغہ (سمندر کے کنارے طرابلس کے مشرق میں پانچ دن کی مسافت پر) کے مقام پر جنگ ہوئی۔ یہ لڑائی بڑی ہی خونریز تھی۔ ابوالخطّاب اپنے بارہ یا چودہ ہزار پیرووں کے ساتھ میدان میں کھیت رہا اور جمادی الاولیٰ/ماہ اگست میں ابن الاشعث نے القیروان پر دوبارہ قبضہ کرلیا.

مآخذ: (۱) ابوزکریا: السیرۃ و اخبار الائمۃ (مخطوطہ در مجموعۂ S. Smogorzewski)، ورق ۱ ب، ۶ (تا ۱۳ ب؛ (۲) E. Masqueray: *Chronique d' Abou Zakaria*، الجزائر ۱۸۷۸ء، ص ۱۸-۳۸؛ (۳) الشَّمّاخی: سِیَر، قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ص ۱۲۴-۱۳۲؛ (۴) البکری (de Slane: *Descript del' Afr. sept.*، طبع ثانی)، ص ۷، ۲۸، ۱۴۹؛ ترجمہ از دیسلان، ص ۲۲، ۶۳، ۲۸۵-۲۸۶؛ (۵) ابن خلدون: *Hist. des Berb.*، ۱: ۲۲۰، ۳۷۳-۳۷۵؛ (۶) H. Fournel:

Les Berbers، ۱: ۳۵۱، ۳۵۵-۳۶۰.

(T. LEWICKI و A. DE MOTVLINSKI)

----

* **ابوالخَطّار**: الحُسام بن ضِرار الکَلبی، اندلس کا والی، جو ۱۲۵ھ/ ۷۴۳ء میں والیِ [اندلس] ثعلبہ بن سَلامۃ العامِلی کی جگہ متعیّن ہو کر افریقیہ سے آیا۔ اس نے فیاضانہ حکمتِ عملی اختیار کی اور شامی اجناد (عساکر) کے نمائندوں کو، جو بَلْج بن بِشر [رک بآن] کے زیرِ قیادت اندلس میں آئے تھے، بڑی ہوشیاری کے ساتھ قرطبہ سے نکال دیا۔ غوطی امیر وِتِزہ (Witiza) کے بیٹے کاؤنٹ اَرْطُوباس (Ardabast) کے مشورے سے اس نے ان جندیوں کو جاگیروں پر آباد کر دیا اور اس کے بدلے ان پر یہ قید عائد کی کہ بوقتِ ضرورت وہ فوجی خدمات سرانجام دیں گے۔ اس طرح اجناد کا شامی نظام اندلس میں بھی رائج ہو گیا۔ جُندِ دمشق کے نمائندوں کو البیرہ (Elvira) کے ضلع میں، جُندِ اُردنّ کے لوگوں کو ریہ اَرْشِذونہ (Archidona) اور مالقہ (Malaga) میں، جندِ فلسطین والوں کو شذونہ (Sidona) کے ضلع میں، جُندِ حِمص والوں کو اشبیلیہ (Seville) اور نبلہ (Niebla) کے اضلاع میں، جُندِ قِنّسرِین کو جیّان (Jaen) کے ضلع میں اور جُندِ مصر کے آدمیوں کو الغرب (Algarve) اور تُدْمیر (Murcia) کے علاقے میں جاگیریں دی گئیں۔ کچھ عرصے بعد ابوالخطّار کی ٹکر جُندِ قِنّسرِین کے طاقت ور سردار الصُّمَیل [رک بآن] بن حاتم الکلابی سے ہو گئی، جس نے لشکر جمع کر کے رجب ۱۲۷ھ/ اپریل ۷۴۵ء میں والی مذکور کو وادی لط (Guadlete) پر شکست دی۔ بعد ازاں ابوالخطّار نے اپنا منصب دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے، لیکن بے سود۔ اس منصب پر جذامی سردار ثُوابہ بن سَلامہ نے قبضہ جما لیا۔ جو خود اگلے سال فوت ہو گیا۔

مآخذ: E. Lévi-Provençal: *His. Esp. mus.*، ۱: ۴۸-۵۰.

(E. LÉVI PROVENÇAL)

----

* **ابوالخَیر**: ازبک حکمران [رک بہ اُزبک]، اس قوم کے اقتدار کا بانی، جُوچی کے سب سے چھوٹے بیٹے شَیبان [رک بہ شیبانی] کی اولاد سے تھا۔ سال اژدر (۱۴۱۲ء؛ چونکہ سن ہجری ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳-۱۴۱۴ء غلطی سے بتایا گیا ہے) میں پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ پہلے شیبان کے ایک اَور خلف جُمَدُق خان کا ملازم تھا۔ جُمَدُق ایک بغاوت کے دوران میں مارا گیا، ابوالخیر گرفتار ہوا، لیکن کچھ عرصے بعد اسے ۱۷ سال کی عمر میں (سال بوزنہ - ۱۴۲۸ء؛ چونکہ سن ہجری ۸۳۳ھ/ ۱۴۲۹-۱۴۳۰ء مذکور ہے) علاقہ تُرا (سائیبیریا) کا خان بنا دیا گیا۔ خاندان جوچی کے ایک اَور خان کو شکست دینے کے بعد قپچاق کے زیادہ تر لوگ اس کے مطیع ہو گئے۔ ۸۳۴ھ/ ۱۴۳۰-۱۴۳۱ء میں اس نے خوارزم کی مملکت اس کے صدر مقام اُرگنج سمیت سر کر لی اور اسے تاراج کیا گیا، لیکن جلد ہی اس نے یہ مملکت واپس کر دی۔ اس کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ابوالخیر نے دو اَور امیروں محمود خان اور احمد خان کو شکست دی، اُردو بازار کا شہر سر کیا اور کچھ عرصے کے لیے ''صاین خان (یعنی باتو) کے تخت'' پر بھی قبضہ جما لیا۔ سلطان شاہرخ کی وفات (۸۵۰ھ/ ۱۴۴۷ء) سے کچھ پہلے ابوالخیر نے دریاے آمو کے کنارے کے سِغْنَق (آج کل سُنَق قُرغَن کے آثار)، آرقوق، سُرَق، آق قُرغن اور اُزکند نامی قلعوں کو سر کر کے اپنا اقتدار اچھی طرح قائم کر لیا۔ اس کا یہ کارنامہ ازبکوں کی آئندہ تاریخ کے لیے اس کے عہدِ حکومت کا اہم ترین واقعہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد سے سِغْنَق اس کا صدر مقام قرار پایا۔ ابوالخیر نے اس علاقے کے جنوب میں کوئی پائدار فتح نہیں کی، حتّٰی کہ قریب کا شہر یسّی (موجودہ ترکستان) بھی تیموریوں کے زیرِ نگین رہا، البتہ لوٹ مار کی مہمّیں بخارا اور سمرقند جیسے دور افتادہ اقطاع تک بھی کئی بار روانہ کی گئیں۔ ابوالخیر ۸۵۵ھ/ ۱۴۵۱-۱۴۵۲ء میں پہلے سے بھی زیادہ بھاری لشکر لے کر امیر ابوسعید کے حلیف کی حیثیت سے سمرقند کے حکمران عبداللہ کے خلاف ایک مہم میں شامل ہوا۔ اس کی مدد سے عبداللہ کو شکست ہوئی، وہ مارا گیا اور ابوسعید کو سمرقند کا حکمران بنا دیا گیا۔ الغ بیگ کی بیٹی رابعہ سلطان بیگم ابوالخیر کے عقد میں آئی۔ ابوالخیر نے آل تیمور کے باہمی جھگڑوں میں دخل دینے کی ایک اَور کوشش کی، جس کا نتیجہ چنداں اچھا نہ نکلا۔ محمد جوقی کو، جسے ابو سعید کے خلاف ابوالخیر کی حمایت حاصل تھی، شروع میں تو کچھ کامیابی ہوئی، لیکن اپنے دشمن [ابوسعید] کی آمد پر ۸۶۵ھ/ ۱۴۶۰-۱۴۶۱ء میں اسے سمرقند کا محاصرہ اٹھانا اور اس علاقے کو چھوڑنا پڑا جسے ابوالخیر کی امدادی افواج (زیرِ قیادت بُرکہ سلطان) نے تاراج کر ڈالا تھا اور آخر کار ۸۶۸ھ/ ۱۴۶۳ء میں، غالبًا ابوالخیر کی طرف سے کوئی امداد نہ ملنے پر، اسے اپنے حریف کے سامنے ہتھیار ڈال دینا پڑے۔ اس واقعے سے کچھ عرصہ پہلے، غالبًا ۸۶۱ھ/ ۱۴۵۶-۱۴۵۷ء کے قریب (کہا جاتا ہے کہ ابوالخیر کا پوتا محمود، جو ۸۵۸ھ/ ۱۴۵۴ء میں پیدا ہوا تھا، اس وقت تین سال کا تھا) ابوالخیر کے اقتدار کو قَلْمقوں (کلمکوں) کے ہاتھوں زبردست دھکا لگا۔ ابوالخیر نے کھلے میدان میں شکست کھائی اور سِغْنَق کی طرف بھاگ نکلا۔ دشمن نے سیر دریا تک اس کا سارا علاقہ تاراج کر ڈالا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۸۷۰ھ/ ۱۴۶۵ء کے قریب ازبکوں کے درمیان وہ مشہور افتراق رونما ہوا جس کے باعث گیاہستان کے اصلی باشندے، جو اسی وقت سے قازق کہلاتے ہیں، قوم کے باقی ماندہ حصّے سے الگ ہو گئے۔ سالِ موش - ۱۴۶۸ء (جسے غلط طور پر ۸۷۴ھ/ ۱۴۶۹-۱۴۷۰ء کے مطابق سمجھ لیا گیا ہے) ابوالخیر کی وفات کا سال بتایا جاتا ہے۔ جس سلطنت کی بنیاد ابوالخیر نے رکھی تھی اسے ایک مختصر سے وقفے کے بعد اس کے پوتے محمد شیبانی نے بحال کر لیا اور اسے مزید وسعت دے دی۔

مآخذ: (۱) ابوالخیر کے سوانح حیات، جو مسعود ابن عثمان الکوہستانی نے ۹۵۰ھ/ ۱۵۴۳-۱۵۴۴ء کے قریب لکھے تھے (تاریخ ابو الخیر خانی؛ Howorth: *Hist. of the Mongols*، ۲: ۶۸۷، میں جو بیانات دیے ہیں وہ، جہاں تک برٹش

میوزیم کے نسخے کا تعلّق ہے، صحیح ہیں، لیکن خود اس کتاب کے بارے میں صحیح نہیں ہیں؛ قبّ Rieu : *Cat. of Pers. MSS.*، ۱: ۱۰۲؛ لینن گراڈ کے مخطوطات میں، جن میں یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ Or.۸۵۲ بھی شامل ہے اور جنھیں یہاں استعمال کیا گیا ہے، سوانح حیات کا ابتدائی حصّہ بھی دیا گیا ہے)۔ مسعود نے ابوالخیر کے بیٹے سُوَیُنچ خان (م ۹۳۱ھ / ۱۵۲۵ء) سے سنے ہوے زبانی بیانات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، جس نے اپنی معلومات بظاہر تحریری مآخذ، مثلاً ابو الرزاق سمرقندی کی مطلع السعدین، سے حاصل کی تھیں۔ ابوالخیر کے متعلّق مزید معلومات ان تواریخ میں مل سکتی ہیں جو اس کے پوتے شیبانی اور اس کے جانشینوں کے متعلّق لکھی گئیں، بالخصوص تواریخ نصرت نامہ میں (قبّ Rieu: *Cat. of Turkish MSS.*، ص ۲۷۶ بعد) اور ان تحریرات میں جو اس تصنیف پر مبنی ہیں۔

(W. BARTHOLD بارٹولڈ)

----

* **ابوالخَیر الاِشْبیلی**: ملقّب بہ الشَّجّار (ماہر تربیتِ اشجار)، فن زراعت پر ایک کتاب کا مصنّف، جو اشبیلیہ (Seville) کا باشندہ تھا۔ اس کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات معلوم نہیں۔ صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ ابن العوّام [رکّ بآن] نے، جو چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر میں زندہ تھا، اس کی کتاب سے اقتباس کیا ہے اس لیے وہ اس سے پہلے گزرا تھا۔ وہ غالبًا پانچویں صدی ہجری / گیارھویں صدی عیسوی کے ان اطبّا کا معاصر تھا جو علمِ نباتات اور فنِ باغبانی کے بھی فاضل تھے، مثلاً ابن وافد اللّخمی، ابن بصّال، ابن حجاج الاشبیلی الطِّغری۔ اس کی تصنیف کتاب الفلاحۃ مخطوطہ کی شکل میں پیرس کے کتب خانۂ اہلیہ (Bibliothéque Nationale) نیز تونس کی مسجد زیتونہ اور شمالی افریقہ کے بعض نجی کتب خانوں میں محفوظ ہے۔

ابوالخیر کی کتاب کے خاص مضامین حسبِ ذیل ہیں: (۱) غراست، یعنی پودے لگانے کے متعلّق عام باتیں: موزوں مہینے، چاند کا اثر، وہ عرصہ جو پودوں کے بڑھنے اور پھلنے میں درکار ہوتا ہے، اشجار کی عمریں، نقصانات (موسم، جانور، آگ اور پانی سے) اور زیتون، انگور، انجیر اور کھجور کی مخصوص غور و پرداخت؛ (۲) خود غراست کا کام، مثلاً اشجار، جھاڑیاں، غلّہ، بیج، ٹہنی لگانا، کاٹ چھانٹ، پیوند کرنا، پھلوں اور سبزیوں کو محفوظ رکھنے کے طریقے، خوشبودار پودے، پھول، سن اور کپاس، کیلا اور گنّا؛ (۳) جانور: پائین باغ کے، بالخصوص کبوتر، شہد کی مکھی اور جنگلی جانور، ضرر رساں جانور (رینگنے والے، کترنے والے جانور، کیڑے مکوڑے)؛ (۴) بالآخر "تجارب العام" پر دو صفحات، جن میں موسم اور جوتش کی پیش گوئیاں درج ہیں۔

ابوالخیر کی تحریرات ان ذاتی تجربوں اور مشاہدوں پر مبنی ہیں جو اس نے ضلع اشبیلیہ کے علاقۂ الشرف (Aljorafe) کے باغوں، خیابانوں، کھیتوں، تاکستانوں اور جنگلوں میں کیے تھے۔ ادبی اسناد میں وہ غالبًا بالواسطہ حسبِ ذیل کتابوں کے حوالے دیتا ہے: ابوحنیفہ الدینوری کی کتاب النبات (جس کی شرح ابن اُخت غَنم نے ساٹھ جلدوں میں لکھی تھی؛ قبّ المقری: [نفح الطیب، *Analectes*، ۲: ۲۰۷)، ارسطو، اناطولیوس، "قسطوس" (Cassianus Bassus Scholasticus)، فلیمو (Philemo) ـ *Geoponica* کی مختلف قراءتوں اور ابن وحشیہ [رکّ بآن] کی الفلاحۃ النبطیۃ کے واسطے سے۔ [ان زرعیاتی مآخذ کے لیے دیکھیے مادۂ 'علم فلاحت'، در اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ۔] بالعموم یہ کتاب ایک ایسی علمی تصنیف ہے جو تجربات پر مبنی ہے، لیکن زرعیات سے متعلّق عام ادب کی طرح یہ بھی توہّماتِ عامّہ سے خالی نہیں، چنانچہ اس میں تعویذوں کے کلمات اور طلسماتی نقوش بھی درج ہیں۔

مآخذ: (۱) کتاب الفلاحۃ، فاس ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ھ، جو غلطی سے ابوالخیر کی طرف منسوب کر دی گئی ہے؛ اس مقالے کا راقم اس کتاب کو مشرّح فرانسیسی ترجمے کے ساتھ طبع کرنے کی تیاری کر رہا ہے؛ شیر بونو (A. Cherbonneau) و پیرے (H. Pérès) نے اس کے کچھ اقتباسات شائع کیے تھے: *K. al-Filāḥa ou livre de la Culture*، در *Bibl. Arabe-Française*، ج ۵، الجزائر ۱۹۴۶ء، نیز دیکھیے احمد ابوالنصر، در *MMIA*، ۱۹۵۳ء، ص ۵۵۷؛ (۲) J. J. Clément-Mullet: *Livre de l' Agriculture d' Ibn al-Awam*، دیباچہ، پیرس ۱۸۶۴ء، ۱: ۷۸؛ (۳) دوبلے (C. E. Dubler)، در *And.*، ۱۹۴۱ء، ص ۱۳۷؛ (۴) گومز (E. Gercia Gōmez): در *And.*، ۱۹۴۵ء، ص ۱۳۲ - ۱۳۴، ۱۳۷ - ۱۳۹؛ (۵) لیوی پراونسال (E. Lévi-Provençal): *Hist. Esp. mus.*، ۳: ۲۸۱؛ (۶) والی کروسا (J. M. Millás Vallicrosa): در *And.*، ۱۹۴۳ء، ص ۲۸۷ و ۱۹۴۸ء، ص ۳۵۱ - ۳۵۲؛ (۷) وہی مصنّف: در *Tamuda*، تطوان ۱۹۵۳ء، ص ۴۸؛ (۸) H. Pérès: *La po ésie and alouse en arabe classique*، پیرس ۱۹۳۷ء، ص ۱۹۷؛ (۹) وہی مصنّف: *Bull. des Études Arabes*، الجزائر ۱۹۴۶ء، ص ۱۳۰ - ۱۳۳؛ (۱۰) دیباچہ *K. al Filāḥa ou Livre de la Culture*، مصنفۂ ابوالخیر الشّجّار الاشبیلی، الجزائر ۱۹۴۶ء، ص ۷ - ۱۱۔

(H. PÉRÈS پیرے)

----

* **ابوداؤد السِّجِستانی** [رح]: سُلَیمان ابن الاشعث، ایک محدّث، جو ۲۰۲ھ / ۸۱۷ء میں پیدا ہوے۔ انھوں نے تحصیلِ علم کے سلسلے میں دور دراز کے سفر اختیار کیے اور علم و تقوی کے باعث شہرت حاصل کی۔ بالآخر انھوں نے بصرے میں قیام اختیار کر لیا اور اسی وجہ سے بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی نسبت ایک گاؤں سِجستان (یا سِجستانہ) سے ہے جو بصرے کے قریب واقع ہے نہ کہ ولایت سِجستان سے۔ انھوں نے شوال ۲۷۵ھ / فروری ۸۸۹ء میں وفات پائی۔

ابوداؤد [رح] کی اہم تالیف ان کی کتاب السُّنن ہے، جو حدیث کی ان چھے فقہی کتابوں [صحاح ستّہ] میں شمار ہوتی ہے جنھیں سُنّی مستند تسلیم کرتے ہیں۔ کہا جاتا

ہے کہ انھوں نے یہ کتاب امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں پیش کی اور امام موصوف نے اسے پسند کیا۔ ابن داسہ کہتا ہے کہ ابو داؤدؒ نے دعوٰی کیا تھا کہ انھوں نے ۴۸۰۰ احادیث کی یہ کتاب پانچ لاکھ روایتوں کے طومار میں سے چن کر مرتب کی تھی اور اس میں انھوں نے صرف ایسی احادیث درج کی ہیں جو ''صحیح'' ہیں یا بظاہر ''صحیح'' ہیں یا ''صحیح'' احادیث کے قریب ہیں۔ ابو داؤدؒ نے یہ بھی کہا تھا کہ ''میں نے اپنی اس کتاب میں ان احادیث کی وضاحت کر دی ہے جو بہت ضعیف ہیں اور جن کے بارے میں میں نے کچھ نہیں لکھا وہ اچھی (''صالح'') ہیں اگرچہ ان میں سے بعض دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مستند ہیں''۔ یہ قول ان حواشی کے متعلق ہے جن میں انھوں نے احادیث کے متعلق اپنی رائے دی ہے۔ مسلمؒ نے اپنی صحیح کے آغاز میں ایک مقدمہ لکھا ہے، جس میں جرح و تعدیل کے عام مسائل پر بحث کی ہے، لیکن ابو داؤدؒ پہلے محدث ہیں جنھوں نے ایسے مفصل حواشی لکھے جن سے ان کے شاگرد ترمذیؒ کے لیے ان احادیث پر فرداً فرداً زیادہ منظم طریقے پر نقد و تبصرے کا راستہ کھل گیا جو انھوں نے اپنی جامع میں درج کی ہیں۔ ابو داؤدؒ بعض ایسے راویوں سے بھی احادیث نقل کرتے ہیں جن کا ذکر صحیحین میں نہیں ملتا، کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ تمام ایسے راویوں کو ثقہ سمجھنا چاہیے جن کے غیر ثقہ ہونے کا کوئی باقاعدہ ثبوت نہ ہو۔ ان کی تالیف، جس کا نوعی عنوان سُنَن ہے اور جس میں زیادہ تر مفروض، مباح اور ممنوع چیزوں کا ذکر ہے، بہت پسند کی گئی، مثلاً ابو سعید بن الاعرابی کا قول ہے کہ جو شخص قرآن اور اس کتاب کے سوا اور کچھ بھی نہیں جانتا وہ بھی ایک بڑا عالم ہے۔ محمد بن مَخلد کہتا ہے کہ محدثین اس کتاب کو اسی طرح بلا چون و چرا مانتے ہیں جس طرح قرآن کو؛ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ گو چوتھی صدی ہجری میں بہت سے اشخاص نے اس کتاب کی تعریف کی لیکن الفہرست میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ واقعہ یہ ہے کہ الفہرست میں ابو داؤدؒ کا ذکر محض اپنے بیٹے کے والد کی حیثیت سے آیا ہے۔ متأخرین نے اس کتاب پر کچھ تنقید کی ہے، مثلاً المُنذِری [م ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء]، جس نے اس کتاب کا خلاصہ المُجتبٰی کے نام سے تیار کیا تھا، بعض ایسی احادیث پر جن کے ساتھ حواشی نہیں جرح کرتا ہے [السیوطی نے المجتبی پر زھر الربی کے نام سے ایک کتاب لکھی؛ ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) نے اس کی تہذیب و شرح کی؛ ایک تلخیص المقدسی (م ۷۶۵ھ) نے عجالۃ العالم من کتاب المعالم کے نام سے کی] اور ابن الجوزیہ نے کچھ مزید تنقید کی ہے؛ اگرچہ اس کتاب میں بعض خامیاں بتائی جاتی ہیں تاہم اسے اب بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ سنن کئی سلسلوں سے روایت کی گئی تھی اور بعض نسخوں میں ایسی احادیث ملتی ہیں جو دیگر نسخوں میں موجود نہیں۔ اللُّؤلؤی کا نسخہ سب سے زیادہ مقبول ہے۔ مشرق میں سنن کئی بار چھپ چکی ہے (دیکھیے براکلمان)۔ ابو داؤدؒ کا ایک اور مختصر مجموعہ، جو مرسل احادیث پر مشتمل ہے، کتاب المراسیل کے عنوان سے قاہرہ میں ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں طبع ہوا۔ [سنن ابو داؤدؒ کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، مثلاً عون المعبود، از اشرف الحق عظیم آبادی، ہند ۱۳۲۳ھ؛ شرح از ابوالحسنات محمد، لکھنؤ ۱۳۱۸ھ؛ از الخطابی (م ۳۸۸ھ): معالم السنن؛ السیوطی: مرقاۃ الصعود؛ صحیحین پر سنن ابو داؤدؒ کے زوائد کی شرح از ابن المُلقن (م ۸۰۴ھ)؛ حافظ المغلطائی کی شرح، لیکن یہ مکمل نہیں ہو سکی۔ ابو داؤدؒ کے بیٹے ابو بکر عبداللہ (م ۳۱۶ھ) بھی اکابر محدثین میں سے تھے؛ انھوں نے کتاب المصابیح لکھی]۔

مآخذ: (۱) براکلمان (Brockelmann)، ۱:۱۶۸ بعد و تکملہ، ۱:۲۶۶ بعد؛ (۲) ابن خلّکان، شمارہ ۲۷۱؛ (۳) ابن الصّلاح: علوم الحدیث، حلب ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء، ص ۳۸ - ۴۱؛ (۴) ابن حجر: تہذیب التہذیب، ۴:۱۶۹ - ۱۷۳؛ (۵) النووی: تہذیب الاسماء (طبع وسٹنفلٹ Wüstenfeld)، ص ۷۰۸ - ۷۱۲؛ (۶) حاجی خلیفہ، شمارہ ۲۶۳۷؛ (۷) گولٹ تسیہر (Goldziher): *Muh. Stud.*، ۲:۲۵ بعد، ۲۵۵ بعد؛ (۸) W. Marcais: در *JA*، ۱۹۰۰ء، ص ۳۳۰، ۵۰۲ بعد؛ (۹) J. Robson: در *MW*، ۱۹۵۱ء، ص ۱۶۷ بعد؛ (۱۰) وہی مصنف: در *BSOS*، ۱۹۵۲ء، ص ۵۷۹ بعد؛ [(۱۱) الذہبی: تذکرۃ الحفاظ، ۲:۱۵۳؛ (۱۲) ابن عساکر: تہذیب، ۶:۲۴۴؛ (۱۳) طبقات الحنابلۃ، ص ۱۱۸؛ (۱۴) تأریخ بغداد، ۹:۵۵؛ (۱۵) الیافعی: مرآۃ الجنان، ۲:۱۸۹؛ (۱۶) الذریعۃ، ۱:۳۱۶؛ (۱۷) ابن العماد: شذرات الذہب، ۲:۱۶۷؛ (۱۸) ابن کثیر: البدایۃ و النہایۃ، ۱۱:۵۴؛ (۱۹) شاہ عبدالعزیز: بستان المحدثین، ص ۱۱۸]۔

(J. ROBSON ژ. روبسن)

⊗ **ابو داؤد الطّیالسیؒ:** سلیمان داؤد ابن الجارُوْد البصری، ایک بلند پایہ محدث، ۱۳۳ھ/ ۷۵۰ء میں پیدا اور صفر (بروایت دیگر ربیع الاوّل) ۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء کو بصرے میں فوت ہوئے ــــ (۲۱۴ھ، جو ان کی تاریخ وفات بتائی گئی ہے، غلط ہے) ــــ ابن عساکر۔ یحیٰی بن عبداللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وہ ایرانی الاصل تھے، پھر بصرے میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی طرف منسوب مسند دراصل ان کی اپنی ترتیب دادہ نہیں ہے بلکہ خراسانیوں میں سے کسی نے اس میں وہ احادیث جمع کی تھیں جو امام الطّیالسیؒ سے یوسف بن حبیب نے بیان کی ہیں۔ کشف الظنون میں جو یہ لکھا ہے کہ ''ھو اوّل من صنف فی المسانید'' کہ سب سے پہلی مسند انھوں ہی نے مرتب کی، درست نہیں۔ اس مجموعے کے علاوہ الطّیالسیؒ کی اور مرویات بھی ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر البقاعی نے الألفیۃ کے حاشیے میں کیا ہے۔ روایت ہے کہ ان سے چالیس ہزار حدیثیں اصفہانیوں نے لکھی تھیں۔ مسند الطیالسی، حیدر آباد سے ۱۳۲۱ھ میں چھپ چکی ہے؛ فقہی ابواب کی ترتیب سے اس کی تبویب بھی ہو چکی ہے، از امۃ الرحمٰن عمر، مخطوطہ در کتب خانۂ نور۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ذیل کے نام بھی ہیں؛ احمدؒ بن حنبل، جریر بن عبدالحمید، ابن المدینی، ابن ابی شَیبہ، بُندار، ابن سعد، محمد بن بشار، محمد بن مثنّٰی۔

مآخذ: (۱) الخطیب البغدادی: تأریخ بغداد، ۹:۲۴ - ۲۹؛ (۲) الذّہبی:

تذکرۃ الحفّاظ، ۱:۳۲۲؛ (۳) وہی مصنّف: میزان الإعتدال، ۱:۴۱۳؛ (۴) الیافِعی: مِرْآۃ الجنان، ۲:۲۹؛ (۵) ابن حجر: تھذیب، ۴:۱۸۲ ببعد؛ (۶) شاہ عبدالعزیز: بُستان المحدّثین، ص ۳۳؛ (۷) خلاصۃ تذھیب الکمال، ص ۱۳۸؛ (۸) اللُّباب، ۲:۹۶؛ (۹) المکتبۃ الأزھریۃ، ۱:۵۶۲؛ (۱۰) حاجی خلیفہ: کشف الظنون، طبع یالتقایا، عمود ۱۶۷۹؛ (۱۱) ابن العماد: شذرات الذھب، ۲:۱۲؛ (۱۲) براکلمان: تکملہ، ۱:۲۵۷.

(عبدالمنّان عمر)

----

* **ابوالدَّرداء الانصاری الخزرجیؓ**: ان کا نام ونسب یوں بیان کیا جاتا ہے: عُوَیمر بن زید بن قیس بن عائشہ بن امیہ بن مالک بن عدی بن کعب بن الخزرج بن الحارث [ـ النّوَوِی]، قبیلۂ خزرج کے خاندان بَلْحارث کے ایک فرد۔ بعض مآخذ میں ان کا نام عُوَیمر کی جگہ عامر بیان کیا گیا ہے اور ان کے والد کا نام بجائے زید کے مختلف طور پر عامر، عبداللہ، مالک یا ثَعْلبہ بتایا گیا ہے۔ اسی طرح بعض نے ان کی نسبت الرُّہاوی لکھی ہے۔ [ان کی والدہ کا نام محبہ یا واقدہ تھا۔] وہ آنحضرت [صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم] کے ہم عصر تھے اور عمر میں آپ [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] سے چھوٹے۔ انھوں نے جنگ بدر کے دن یا اس کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور اس کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اپنے گھرانے میں وہ سب سے آخر میں ایمان لائے تھے [حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں صحابہؓ کے جو وظائف مقرر کیے تھے اُن میں ان کا وظیفہ اصحاب بدر کے برابر تھا]۔ بعض انھیں ان لوگوں میں شمار کرتے ہیں جو غزوۂ اُحُد میں شریک ہوے تھے۔ [میدانِ جنگ میں ان کی جانبازی کو دیکھ کر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ''نعم الفارس عویمر''، یعنی عویمر کیا ہی اچھا سوار ہے۔] جب آنحضرتؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مؤاخات قائم کیا تو وہ سلمان الفارسی کے بھائی کے طور پر منتخب ہوے۔ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں، جو ذخائر (براکلمان: ذُخر) المواریث، ۳: ۱۵۸-۱۶۲ میں درج ہیں۔ صوفیہ انھیں اصحاب الصُّفّہ [رکّ بآن] میں شمار کرتے ہیں اور ان کے زہد وتقوٰی کے مضمون پر مشتمل بہت سے اقوال نقل کرتے ہیں [مثلاً دیکھیے طبری، ۱: ۲۸،۲۷، العقد الفرید، بہ اِمدادِ فہرست، ص ۳۳۵]۔ یہی وجہ ہے کہ کتب طبقات میں انھیں فقیہ، زاہد اور صاحبِ علم کہا گیا ہے۔ یہی مآخذ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ دورِ اوّل میں حکیم الامّت کے لقب سے معروف تھے۔ خود ان سے یہ قول بھی منسوب کیا جاتا ہے کہ ''میں ظہورِ اسلام سے پہلے تاجر تھا۔ دین قبول کرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ تجارت عبادت میں پورے انہماک سے روکتی ہے، اس لیے میں نے تجارت چھوڑ دی''؛ لیکن ان کی شہرت کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ [حافظ قرآن تھے اور] قرآن کے بارے میں سند۔ انھیں ان چند افراد میں شمار کیا جاتا ہے جنھوں نے آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں وحی [قرآن] کو جمع کیا تھا۔ ان سے روایت شدہ چند مختلف قراءتیں قراءت کی کتابوں میں درج ہیں۔ [انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا تھا کہ فتنوں کی آندھی میں اللہ کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا؛ اسی بنا پر انھوں نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے شام میں سکونت اختیار کرلی تھی۔] قیامِ دمشق کے دوران میں، جہاں وہ قاضی مقرر ہوے تھے، ان کا یہ دستور تھا کہ جامع دمشق میں لوگوں کو جمع کرتے اور قرآن [پاک] کا درس دیتے۔ [طلبہ کا درس میں اتنا ہجوم رہتا تھا کہ ایک روز شمار کرنے پر سولہ سو طلبہ حلقۂ درس میں نکلے۔] اس طرح انھوں نے اس دبستان دمشق کی بنا ڈالی جس کی ریاست وقیادت کا امتیاز بعد میں ابن عامر [رکّ بآن] کو حاصل ہوا۔ [جب امیر معاویہؓ کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی تو وہ کبھی کبھی ابوالدرداء کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔] انھوں نے ۳۲ھ/ ۶۵۲ء میں یا اس کے لگ بھگ دمشق ہی میں وفات پائی اور وہاں کے ایک دروازے (باب الصغیر) کے قریب ان کی اور ان کی اہلیہ ام الدرداء کی قبریں بتائی جاتی ہیں [(النووی؛ معجم البلدان، ۲:۵۹۵)]۔ ان کی پوری زندگی قرآن [مجید] اور سنّتِ رسول اللہ کی تعلیم واشاعت میں گزری۔ انھوں نے دو شادیاں کیں: پہلی ام الدرداء کبرٰی خیرہ بنت ابی حدّاد اسلمی کے اور دوسری ام الدرداء صغرٰی ہجیمۃ الاوصابیہ کے ساتھ۔ یہ دونوں فضل وکمال میں ممتاز تھیں۔ اولاد کے نام یہ ہیں: ۱-بلال، ۲-یزید، ۳-درداء، ۴-نسیبہ].

مآخذ: [(۱) طبری، بہ اِمدادِ فہرست؛] (۲) ابن حبیب: المُحبَّر، ص ۷۵، ۲۸۶، ۳۹۷؛ (۳) ابن قتیبہ: المعارف، ص ۱۳۷؛ (۴) ابن ہشام، ص ۳۴۵؛ (۵) ابن دُرَید: الاشتقاق، ص ۲۶۸؛ [(۶) ابن عبد ربہ: العِقْد، بہ امدادِ فہارس، ص ۳۳۵؛] (۷) النّوَوی: تہذیب، ص ۱۳۷؛ [(۸) یاقوت: مُعجم البُلدان، بہ امدادِ اشاریہ؛] (۹) ابن الأثیر: أسد، ۴: ۱۵۸ [اس میں ان کا حلیہ بھی دیا ہے] و ۵: ۱۸۵؛ (۱۰) ابن الجَزَرِی، غایۃ، شمارہ ۲۴۸۰؛ (۱۱) ابن عبدالبَرّ: الاستیعاب، ج ۲، شمارہ [۱۹۹۴ و ۲۹۰۸]؛ (۱۲) ابن حجر: الاصابۃ، ۴:۱۱۰، ۱۱۱؛ (۱۳) وہی مصنّف: لسان المیزان، ۶: ۳۷۵؛ (۱۴) وہی مصنّف: تہذیب التہذیب، ۸:۱۷۵-۱۷۷؛ (۱۵) ابن العماد: شذرات، ۱:۳۹؛ (۱۶) الفہرست، ص ۲۷؛ (۱۷) الذہبی: تذکرۃ الحفاظ، ۱:۲۱، ۲۲ [و ۴۶]؛ (۱۸) الخزرجی: خلاصۃ، ص ۲۵۴؛ (۱۹) عبدالغنی النّابُلُسی: ذخائر، ۳: ۱۵۸-۱۶۲؛ (۲۰) Caetani: *Annali*، اشاریہ، بذیل مادّہ؛ [(۲۱) سعید انصاری: سیر الانصار، اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء، ۱:۱۸۹-۲۰۵].

(A. JEFFERY)

----

* **ابودُلامہ**: زَنْد بن الجَوْن، ایک حبشی غلام، جو کوفے کے بنو اسد کا مولٰی تھا۔ اگرچہ اس کا ذکر آخری اموی خلیفہ کی تاریخ میں بھی ملتا ہے تاہم بحیثیت ''شاعر'' وہ عباسیوں کے عہد میں نمودار ہوتا ہے اور السفاح کے اور بالخصوص المنصور اور المہدی کے محلات میں ایک درباری مسخرے کا کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ابو مسلم کی وفات (۱۳۷ھ/ ۷۵۴-۷۵۵ء) پر جو نظم لکھی وہ اس کی پہلی تصنیف تھی، جس سے اس نے نام پیدا کیا۔ اس کی نظموں

سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑا اطباع اور حاضر جواب نظم گو تھا، مبتذل تعبیرات کو جلدی سے اپنا لیتا تھا اور ہر قسم کی غلاظت اچھالنے میں اس کی کلبی (cynical) ذہنیت مسرّت محسوس کرتی تھی، لیکن اگر اس طرح کی گداگری سے صلے کی توقع ہو تو نہایت بے لطف اور مبالغہ آمیز مدح سرائی سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ وہ عوام کی تعریف پر ہنستا تھا اور اس کی کینہ توز زبان سے سب ڈرتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو بھی نہیں چھوڑا اور اس سے کم اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔ امرا اس سے جو رکیک اور سوقیانہ مذاق کرتے اس کا انتقام بھی وہ اس وقت لے لیتا تھا جب اس کا کوئی سرپرست اس کے ذریعے کسی دوسرے امیر کی تضحیک کرنا چاہتا تھا۔ مسخرگی کی آڑ میں وہ شریعتِ اسلامی کا بھی احترام نہیں کرتا تھا اور احکامِ شرعیہ کو اپنے گستاخانہ استہزا کا نشانہ بناتا تھا۔ اس کا خچر بے شمار عیوب سے داغدار تھا، لیکن اس نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر اسے ضرب المثل بنا دیا تھا۔

ابودلامہ بے لگام، عامیانہ اور اوباشانہ مسخرے پن کا مجسمہ تھا اور اس لیے جو کہانیاں اس کے اور ابونواس کے متعلّق مشہور ہیں وہ تاریخی اعتبار سے کسی قدر مشکوک ہیں۔

اس کی وفات کے متعلّق بیانات میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کی وفات ۱۶۰ھ/ ۷۷۶-۷۷۷ء میں ہوئی تھی اور بعض اس کا سنِ وفات ۱۷۰ھ/ ۷۸۶-۷۸۷ء بتاتے ہیں۔ پہلی تاریخ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

مآخذ: (۱) ابن قتیبہ: کتاب الشعر والشعراء، ص ۴۸۷ بعد؛ (۲) الأغانی، (طبع اوّل)، ۹: ۱۲۰-۱۴۰ و ۱۵: ۸۵؛ (۳) ابن خلّکان، شمارہ ۲۴۳؛ (۴) الحریری: مقامات (طبع ثانی)، ص ۵۱۸ (مقامہ ۴۰)؛ (۵) الشّریشی: شرح مقامات الحریری، ۲: ۲۳۶ بعد؛ (۶) البیہقی: محاسن، طبع Schwally، ص ۶۴۵؛ (۷) تأریخ بغداد، ۸: ۴۸۸-۴۹۳؛ (۸) النُّوَیری: نہایۃ الارب، ۴: ۳۷-۴۸؛ (۹) الیافعی: مرآۃ، ۱: ۳۴۱-۳۴۵؛ (۱۰) R. Basset در *Revue des traditions populaires*، ۱۶: ۸۷؛ (۱۱) Brockelmann، ۱: ۷۲ و تکملہ، ۱: ۱۱۱؛ (۱۲) O. Rescher: *Abriss*، ۱: ۳۰۳-۳۰۷؛ (۱۳) ا-ف-رِفاعی: عصر المأمون، ۲: ۳۰۰-۳۱۶؛ (۱۴) محمد بن شنب: *Abū Dolāma, Poète bouffon de la cour des premiers caliphes abbassides*، (جس میں جمع کردہ نظموں اور قطعات کا ایک تصحیح شدہ متن اور ان کا جزوی ترجمہ شامل ہے)، الجزائر ۱۹۲۲ء۔

(J. HOROVITZ)

✱ **ابودُلف**: مِسْعَر بن مُہَلْہِل الخَزْرَجی اليَنْبُوعی، عرب شاعر، سیاح اور ماہرِ معدنیات۔ وہ نصر بن احمد (م ۳۳۱ھ/ ۹۴۳ء) کے عہدِ حکومت کے آخر میں بخارا پہنچا اور یہیں سے اس کے سوانحِ حیات کا سراغ ملتا ہے۔ اس کی سیاحتِ ایران کے تذکرے میں جن سالوں کے متعلّق اشارے ملتے ہیں وہ ۳۳۱-۳۴۱ھ/ ۹۴۳-۹۵۲ء ہیں۔ ابوجعفر محمد ابن احمد (احمد بن محمد پڑھیے)، جسے ابودلف سیستان میں اپنا سرپرست ظاہر کرتا ہے، ۳۳۱-۳۵۲ھ/ ۹۴۲-۹۶۳ء تک حکمران رہا۔ الفہرست (جو ۳۷۷ھ/ ۹۸۷ء میں مکمل ہوئی) کا مصنّف اسے ''جوّالہ'' (جہاں گرد) اور اپنا ذاتی دوست بتاتا ہے۔ الثّعالبی اپنی کتاب یتیمۃ الدھر، مطبوعۂ دمشق، ۳: ۱۷۶-۱۹۴، میں اسے الصاحب اسمٰعیل بن عبّاد (۳۲۶-۳۸۵ھ/ ۹۳۸-۹۹۵ء) کے حلقۂ مصاحبین میں شمار کرتا ہے۔ یہ تعلّق غالبًا الصاحب کی زندگی کے آخری دور میں قائم ہوا تھا۔ الثعالبی لکھتا ہے کہ ابو دُلف کے اشعار کے ناقلین زیادہ تر ہمذان کے باشندے تھے، جن میں بدیع الزمان (م ۳۹۸ھ/ ۱۰۰۷ء) بھی شامل ہے۔ ابودُلف کا وہ طویل قصیدہ جو اس نے عُقَیل العُکبَری کے تتبّع میں لکھا تھا اور جس میں شُہدوں (بنوساسان) کی خاص زبان استعمال کی تھی، الصاحب کو بہت پسند آیا۔ عُقَیل بھی رےّ کے اس ادبی حلقے سے تعلّق رکھتا تھا (یتیمۃ، ۲: ۲۸۵-۲۸۸)۔ اس قصیدے کی مشکل تعبیرات کی شرح بھی ابودُلف نے خود ہی کر دی ہے۔

ابودُلف کے ان سرپرستوں کا حال معلوم نہیں ہو سکا جن کے نام سے اس نے دو جغرافیائی رسالے منتسب کیے تھے اور جنھوں نے ان رسالوں میں اپنی طرف سے کچھ حواشی کا اضافہ کیا تھا۔ پہلے رسالے میں ابودُلف کی اس سیاحت کا حال درج ہے جو اس نے ترک بادشاہ قالِیَن بن شَخیرہ کے ان سفیروں کی معیّت میں کی تھی جو بخارا سے سَنْدابِل کو لوٹ رہے تھے۔ مارکوارٹ (Marquart): *Streifzüge*، ص ۸۸-۹۰) نے سنداِبل کو کانچو تشخیص کیا ہے، جو مغربی اویغور حکمران کا دار الخلافہ تھا۔ ابودُلف نے اس راستے کے ان ترک قبائل کے نام بڑی بے ترتیبی سے دیے ہیں جن کے ہاں وہ جانے کا دعوی کرتا ہے۔ سنداِبل سے وہ اچانک کلَہ (کُرہ، ملایا میں) پہنچ جاتا ہے۔ بعد ازاں وہ ہندوستان کے بعض مقامات کا ذکر کسی ترتیب اور تعلّق کے بغیر کرتا ہے اور بالآخر سیستان پہنچ جاتا ہے۔ گریگوریف (Grigoriev)، مارکوار اور فان مزیک (von Mžik) کو بھی اس سفر کی (بخارا تا سَنْدابل اور سیستان کے سیدھے راستے کے سوا) جعلی نوعیت کا احساس ہوا تھا۔ بعد ازاں (۱۹۴۵ء میں) مارکوار کو خیال آیا کہ شاید حقیقی ابودُلف کا سراغ ان حوالوں سے مل جائے جو الفہرست میں درج ہیں۔ مخطوطۂ مشہد کے متن کے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں رسالے، جہاں تک کہ ان کے مصنّف کا تعلّق ہے، یکساں طور پر مستند ہیں، لہٰذا ان کے جعلی پن کو خود ابودلف ہی کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ الفہرست کے اقتباسات اگرچہ پہلے رسالے [مطبوعۂ برلن ۱۸۴۵ء، طبع شلوزر (C. Schlözer)، مع لاطینی ترجمہ] سے مختلف ہیں، لیکن صداقت کے لحاظ سے وہ بھی قابلِ اعتنا نہیں۔ اس کے برعکس دوسرے رسالے میں، جس میں ایسے اقطاع میں ابودلف کے سفر کا حال بیان کیا گیا ہے جہاں آمد و رفت زیادہ سہل تھی (یعنی مغربی اور شمالی ایران اور اَرمینیہ)، راستے کی جگہوں کے نام بہت وضاحت سے دیے گئے ہیں اور اس میں متعدّد ایسی دلچسپ تفصیلات موجود ہیں جن کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

مآخذ: (۱) وُسٹنفِلٹ (Wüstenfeld): *Des Abu dolef Misar*، در *Zeitschr. f. vergl. Erdkunde*، ۱۸۴۲ء (متن حسبِ بیانِ قزوینی)؛ (۲) C. Schlözer: *Abu Dulaf Misaris... de itinere suo asiaticoc ommentarius*، برلن ۱۸۴۵ء (متن حسب بیان یاقوت)؛ (۳) V. Grigoriev: *Ob arab. pute- Shestvennike... Abu Dulaf*، در *Žurnal Min. Narod. Prosv.* ۱۸۷۲ء، ص ۱-۴۵؛ (۴) Marquart: *Streifzüge*، ۱۹۰۳ء، ص ۷۴-۹۵؛ (۵) وہی مصنف: *Das Reich Zabul*، در *Festschrift E. Sachau*، ۱۹۱۵ء، ص ۲۷۱-۲۷۲؛ (۶) A. von Rohr-Sauer: *Des Abu Dulaf Bericht über seine Reise nach Turkestan, China und Indien*، بون ۱۹۳۹ء (اس میں مخطوطۂ مشہد کا ترجمہ کیا گیا ہے، جسے ولیدی طوغان (A. Z. Validi-Togan) نے دریافت کیا تھا)؛ H. von Mžik نے اس کتاب پر تبصرہ (*OLZ*، ۱۹۴۲ء، ص ۲۴۰-۲۴۲) کرتے ہوے Rohr-Sauer کے تسامحات سے بھی بحث کی ہے؛ (۷) V. Minorsky: *La deuxième risala d' Abu Dulaf*، در *Oriens*، ۱۹۵۲ء، ص ۲۳-۲۷؛ (۸) وہی مصنف: *Abu Dulaf's travels in Iran*، (قاہرہ میں زیرِ طبع، ۱۹۵۴ء)، جس میں دوسرے رسالے کا مشہدی متن مفصّل شرح کے ساتھ درج ہے۔

(V. MINORSKY مینورسکی)

----

* **ابوالدُنیا:** ابوالحسن علی بن عثمان بن الخطاب (یا عثمان بن الخطاب)، ان اشخاص میں سے ایک جن سے غیر معمولی درازی عمر منسوب کی گئی ہے (رکّ بہ مُعَمَّرون [در آ، لائڈن، طبع دوم])۔ اسے المُعَمَّر المغربی یا الاَشجّ المُعَمَّر بھی کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ۶۰۰ء کے قریب پیدا ہوا اور ۳۱۶ھ/۹۳۸ء یا ۳۲۷ھ/ ۹۳۸-۹۳۹ء، بلکہ ۴۷۶ھ/ ۱۰۸۳-۱۰۸۴ء تک زندہ رہا۔ وہ قبیلۂ ہَمْدان کا ایک فرد تھا، جس نے لڑکپن میں [حضرت] خضرؑ [رکّ بآن] کے سامنے حیات کے چشمے سے پانی پیا۔ ازاں بعد وہ [حضرت] علیؓ ابن ابی طالب سے جاملا اور جنگ صِفّین میں ان کی طرف سے لڑا۔ انھوں نے اسے ابوالدنیا کا لقب دیا اور جب اس کے گھوڑے نے اس کے چہرے کو زخمی کیا، جس سے خراش آگئی، تو وہ (الاَشجّ = خراش دار چہرے والا) کہلانے لگا۔ خلیفۂ موصوف کے بعد وہ طنجہ چلا گیا۔ چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں حج بیت اللہ کے ارادے سے، نیز وہ احادیث بیان کرنے کے لیے جنھیں وہ براہِ راست [حضرت] علیؓ کے دہن مبارک سے سننے کا دعویدار تھا، واپس آیا۔ اس کے بارے میں معلومات چوتھی صدی ہجری تک پہنچتی ہیں (دیکھیے ابن بابَوَیہ: اِکمال، ص ۲۹۷-۳۰۳، قب گولٹ تسیہر (I. Goldziher): *Abhandlungen*، ۲: lxviii، شمارہ ۴؛ الذہبی: میزان الاعتدال، ۲: ۲۷۶؛ ابن حجر: لسان المیزان، ۴: ۱۳۴-۱۴۰، ۱۹۱-۱۹۲)۔۔۔ یہ سارا قصہ محض کسی بھونڈے جعل ساز کا ساختہ ہے۔ تاہم الجاحظ: تَربیع (طبع Pellat)، پیرا ۱۴۶ میں السُفیانی [رکّ بآن] اور الاصغر القحطانی کے ساتھ ایک اَشجّ بن عَمرو (المعمّر پڑھیے؟) کا ذکر بھی کرتا ہے۔ اور حضرت دانیالؑ کی پیش گوئیوں میں بھی ایک اَشجّ (خراش دار چہرے والے) کا ذکر آیا ہے، جو دنیا کو عدل سے معمور کردے گا۔ بعض اوقات اس اَشجّ کو عمر بن عبدالعزیزؒ تصوّر کیا جاتا تھا (ابن قُتَیبہ: المَعارِف، قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۱۵۸؛ G. van Vloten: *Recherches*، ص ۵۵-۵۶، ۷۹، نیز حوالہ جات)، اس لیے ممکن ہے تیسری صدی ہجری ہی سے سُنّی کسی اَشجّ کی آمد کا انتظار کرنے لگے ہوں، کیونکہ شیعی ابن بابَوَیہ نے ان لوگوں کے لیے ''ہمارے مخالفین'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو امام 'قائم' کی موجودگی کے تو منکر ہیں، مگر ابو الدنیا کی درازی عمر پر یقین رکھتے ہیں۔

(CH. PELLAT)

----

* **ابودُؤاد الاِیادی:** جُوَیرِہ، جُوَیرِیّہ یا حارثہ ابن الحَجّاج (یا پھر حَنظلہ بن الشرقی، جو اغلباً ابو الطَّمحان القَینی کا نام تھا، دیکھیے الشعر، ص ۲۲۹)، زمانۂ جاہلیت کا ایک شاعر، جو الحیرہ کا رہنے والا اور المنذر بن ماء السماء (تقریباً ۵۰۶-۵۵۴ء) کا معاصر تھا، جس نے اسے اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال پر مامور کر رکھا تھا۔ قیس بن زہیر کے ایک شعر میں ''جارٌ کجارِ ابی دُؤاد'' کے جو الفاظ استعمال ہوے اور ضرب المثل بن چکے ہیں ان سے متعدّد روایتیں معرضِ وجود میں آگئی ہیں، جن میں ابودُؤاد کو ایک شریف اور فیاض ''جار'' کا ''صنیع'' (Protégé) بتایا گیا ہے، جو یا تو المنذر تھا یا الحارث بن حمّام اور یا کعب بن مامہ۔

بحیثیت شاعر ابودُؤاد گھوڑوں کے وصف کے لیے مشہور ہے اور اس صنفِ کلام میں نقّادانِ سخن اسے طُفیل الغَنَوی اور نابغۃ الجعدی سے برتر خیال کرتے ہیں، تاہم تذکرہ نویسوں نے نہ تو اس کی نظموں کو باقاعدہ جمع کیا اور نہ عدی بن زید کی نظموں کو، جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی زبان نجدی نہ تھی اور نہ وہ روایاتِ شعری کا پابند تھا۔ مزید براں الاصمعی نے خلف الاحمر پر یہ الزام لگایا ہے کہ اس نے چالیس ایسے قصیدے ابودُؤاد کی طرف منسوب کردیے ہیں جو اس نے خود لکھے تھے (المرزبانی: مُوَشَّح، ص ۲۵۲)۔

مآخذ: (۱) براکلمان (Brockelmann): تکملہ، ۱: ۵۸؛ (۲) Caussin de Perceval: *Essai sur l'Histoire des Arabes*، ۲: ۱۱۰-۱۱۳، جہاں روایات کو یکجا کردیا گیا ہے؛ بنیادی مقالہ الأغانی، طبع اوّل، ۱۵: ۹۵-۹۹ کا ہے؛ دیکھیے (۳) ابن قتیبہ: الشعر، ص ۱۲۰-۱۲۳؛ (۴) المَیدانی: امثال، قاہرہ ۱۳۵۲ھ، ۱: ۴۹، ۱۷۰ (بسلسلۂ ''جارٌ کجارِ ابی دؤاد'' اور ''انا النذیر العُریان'')؛ (۵) المرزبانی: مُوَشَّح، ص ۷۳-۷۴، ۸۸؛ (۶) وہی مصنف: مُعجَم، ص ۱۱۵؛ (۷) ابن دُرَید: الاِشتِقاق، ص ۱۰۴؛ (۸) الیعقوبی، ۱: ۲۵۹-۳۰۶؛ (۹) W. Ahlwardt:

Sammlungen، ۱: ۸-۹؛ (۱۰) O. Rescher: *Abriss*، ۱: ۸۰-۸۱؛ (۱۱) Nallino: *Scritti*، ۶: ۳۶، جس نے اسے عیسائی شعرا کے زمرے میں شمار کیا ہے، اگرچہ Cheikho: الشعراء النصرانیة، نے اس کا ذکر نہیں کیا؛ اس کے بہت سے اشعار (۱۲) Ahlwardt: کتاب مذکور، ۱: ۲۷-۲۸، ۶۸-۷۰؛ (۱۳) البحتری: الحماسة، ص ۸۷ (طبع شیخو Cheikho)؛ (۱۴) الجاحظ: الحیوان، اشاریہ؛ (۱۵) نیز زباندانوں اور لغت نویسوں کی تالیفات میں بھی ملتے ہیں؛ (۱۶) قطعات کا مجموعہ، از گرن بام (G. E. von Grünebaum)، بعنوان *Abū Du'âd al-Iyâdî*، در *WZKM*، ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۲ء.

(CH. PELLAT)

* **ابو دَہْبَل الجُمَحی**: وَہب بن زَمْعہ، مکّے کا ایک قریشی شاعر، جس نے ۴۰ھ/۶۶۰ء سے پہلے شعر کہنا شروع کیا اور ۹۶ھ/۷۱۵ء کے بعد تہامہ کے قصبے عُلَیب (معجم البلدان: عَلِیْب) میں وفات پائی۔ اسے حجاز کے غزل گو شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے شعروں میں تین عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کی تھی، یعنی مکّے کے ایک شریف گھرانے کی خاتون عَمْرہ، ایک شامی عورت جس نے اس کے تعلّقات اس کے اپنے خاندان سے منقطع کرا دیے اور بالخصوص [امیر] معاویہؓ کی بیٹی عاتکہ، جسے اس نے پہلی مرتبہ ایک حج کے موقع پر دیکھا تھا۔ اس کے اشعار نے جلد ہی شہرت کر لی... وہ اس [عاتکہ] کے پیچھے دمشق تک گیا، لیکن اگرچہ خلیفہ یہ جانتا تھا کہ اس کی بیٹی کے ساتھ شاعر کے تعلّقات پاکیزہ نوعیت کے ہیں، تاہم اس نے ناراض ہو کر شاعر کو وہاں سے چلتا کر دیا.

مگر ابو دَہْبَل کی شاعری صرف غزل گوئی تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے کلام کا ایک اہم حصّہ ایسے قصائد پر مشتمل ہے جو اس نے یمن کے صوبے الجَنَد کے والی ابن الاَزْرَق (جسے عبداللّٰہ بن الزبیر نے مامور کیا تھا) نیز عمارہ بن عَمْرو والی حضر موت کی مدح میں کہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ [امیر] معاویہؓ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس کی وجہ سے وہ بنو امیہ سے برگشتہ ہو گیا اور خلیفہ کے مخالفین کا حامی بن گیا۔ صاحب الأغانی نے اس کے بعض ایسے اشعار بھی نقل کیے ہیں جن میں حسینؓ ابن علیؓ کی شہادت کا کنایۃً ذکر آیا ہے.

مآخذ: (۱) Brockelmann: تکملہ، ۱: ۸۰ اور حوالہ جات جو وہاں دیے گئے ہیں؛ (۲) الأغانی، طبع اوّل، ۶: ۱۵۴-۱۷۰ کے بنیادی مقالے پر المَرزُبانی: الموشّح، ص ۷۰، ۱۸۹، کا اضافہ کیجیے؛ (۳) وہی مصنّف: معجم، ص ۱۱۷، ۳۴۲؛ (۴) Nallino: *Scritti*، ۶: ۵۵؛ (۵) O. Rescher: *Abriss*، ۱: ۱۴۴-۱۴۵؛ (۶) بالخصوص وہ مآخذ جن کا حوالہ F. Krenkow، در *JRAS*، ۱۹۱۰ء، ص ۱۰۱۷-۱۰۷۵، نے دیا ہے، جس نے شاعر کے اشعار جمع کر دیے ہیں؛ [(۷) المؤتلف و المختلف، ص ۱۱۷؛ (۸) کتاب الشعر و الشعراء، ص ۲۳۵؛ (۹) العینی، ۱: ۱۴۱؛ (۱۰) سمط اللآلی، ۳: ۸۸].

(CH. PELLAT)

*⊗ **ابوذرّ الغِفاریؓ**: حضرت رسولِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے ایک صحابی۔ ان کا نام بالعموم جُندُب بن جُنادہ بیان کیا جاتا ہے، لیکن بعض اَور ناموں کا ذکر بھی آیا ہے، مثلاً بُرَیْر، در ابن ہشام، ص ۳۴۵؛ والدہ کا نام رَملہ بنت الرقیعہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی وہ خدائے واحد کے پرستار تھے۔ اُنھیں جب حضرت محمد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی بعثت کی اطلاع ملی تو اپنے بھائی کو دریافتِ حال کے لیے بھیجا، مگر جب ان کے بیان سے تسلّی نہ ہوئی تو خود مکۂ معظّمہ آئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت علیؓ کی معیّت میں آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرّف باسلام ہوے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اپنے قبیلے میں واپس تشریف لے گئے اور جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے غزوۂ خندق تک وہیں (بنو غفار کے ہاں) مقیم رہے۔ گویا حضرت ابوذرؓ نے مدینۂ منورہ ہجرت فرمائی تو غزوۂ خندق کے بعد۔ یہاں آ کر بھی غزوۂ تبوک کے سوا انھوں نے شاید اَور کسی غزوے میں حصّہ نہیں لیا۔ ان کی طبیعت پر زُہد اور تقشّف کا غلبہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں تو ان کا قیام مدینۂ منورہ ہی میں رہا، لیکن حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو کچھ عرصے کے بعد وہ شام میں سکونت پذیر ہو گئے؛ لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب خلافتِ اسلامیہ میں ایک زبردست انقلاب کے آثار رونما ہو رہے تھے، جس سے حضرت ابوذرؓ بھی متاثّر ہوے بغیر نہیں رہے۔ انھیں اہلِ شام کا ناز و تنعّم، امیرانہ زندگی اور افراد کے پاس دولت کی فراوانی پسند نہیں آئی۔ رفتہ رفتہ انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ پر بھی نکتہ چینی شروع کر دی، جس کی اطلاع جب حضرت عثمانؓ کو کی گئی تو انھوں نے حضرت ابوذرؓ کو مدینے واپس بلا لیا۔ لیکن یہاں آ کر بھی وہ دولت اور مال و زر کے متعلّق اپنے خیالات کی برابر اشاعت کرتے رہے؛ لہٰذا حضرت عثمانؓ کے اشارے سے یا حکماً وہ الرَّبَذہ (مدینے کے قریب) خلوت نشین ہو گئے اور یہیں ۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ نمازِ جنازہ حضرت ابن مسعودؓ نے پڑھائی۔ حضرت ابوذرؓ بڑے زاہد و عابد، بڑے حلیم اور منکسر المزاج انسان تھے۔ اللّٰہ تعالٰی نے انھیں علم و تقوٰی کے ساتھ ساتھ دین کا فہم بھی خوب خوب عطا کیا تھا؛ چنانچہ کہا جاتا ہے اس باب میں وہ حضرت ابن مسعودؓ کے ہم پلہ تھے۔ دولت اور اس کی تقسیم اور استعمال کے متعلّق ان کے نظریوں پر آج کل بالخصوص توجہ کی جا رہی ہے۔ ان سے ۲۸۱ احادیث مروی ہیں، جن میں سے بخاری اور مسلم دونوں میں ۳۱ ہیں۔ حضرت ابوذرؓ اگرچہ بدری نہ تھے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بھی اصحابِؓ بدر کے برابر، یعنی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کیا تھا (الاصابة، ص ۶۵).

مآخذ: (۱) ابن قتیبہ: معارف (طبع Wüstenfeld)، ص ۱۳۰؛ (۲) الیعقوبی، ۲: ۱۳۸؛ (۳) المسعودی: مُرُوج، ۴: ۲۶۸-۲۷۴؛ (۴) ابن عبدالبرّ:

الاستیعاب، حیدر آباد ۱۳۴۶ھ، ص ۸۲ بعد، ۶۴۵ بعد؛ (۵) ابن الاَثیر: اُسْد، ۵: ۱۸۶ – ۱۸۸؛ [(۶) ابن کثیر: البدایة، ۷: ۱۵۵، ۱۶۴؛] (۷) النّوَوی: تھذیب الاسماء (طبع Wüstenfeld)، ص ۱۴۷ بعد؛ (۸) الذہبی: تذکرۃ الحفاظ، ۱: ۱۷ بعد؛ (۹) ابن حجر: الاصابة، قاہرہ ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء، ۴: ۶۳ بعد؛ (۱۰) تھذیب التھذیب، ۱۲: ۹۰ بعد؛ [(۱۱) الدیار بکری: تأریخ الخمیس، طبع اوّل، ۱۳۰۲ھ، ۲: ۲۸۸؛] (۱۲) Wensinck: *Handbook*، ص ۷ (باضافۂ ابن سعد، ۲/ ۲: ۱۱۲)؛ (۱۳) A. Sprenger: *Das Leben und die Lehre des Mohammad*، ۱: ۴۵۴ بعد؛ [(۱۴) شاہ معین الدّین: مہاجرین، ۲: ۶۸ – ۹۰].

(J. ROBSON [و ادارہ])

✱ **ابو ذُؤَیب الہُذَلی**: خُوَیلِد بن خالد [بن محرِّث]، ایک عرب شاعر، جس نے [حضرت] رسول [اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم] کا متأخّر زمانہ پایا۔ روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلّم] کا شرف باریابی حاصل کرنے کے لیے مدینے کا سفر اختیار کیا، لیکن جس روز رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلّم] نے رحلت فرمائی، عین اس کی دوسری صبح مدینے پہنچا۔ یہ قیاس کہ ابو ذُؤَیب [حضرت] عمرؓ کے عہد میں مصر چلا گیا تھا کسی قدر حق بجانب ہے۔ وہاں سے اس نے افریقیہ پر ابن ابی سَرح کی مہم (۲۶ھ / ۶۴۷ء) میں شرکت کی۔ وہ عبداللہؓ ابن زبیرؓ کی معیّت میں، جنھیں ابن ابی سَرح نے [حضرت] عثمانؓ کی خدمت میں اپنی افواج کی فتوحات کی اطلاع دینے کے لیے بھیجا تھا، مدینے جاتے ہوے فوت ہوگیا۔ اس کے سوانح حیات کا دوسرا واحد واقعہ اس اطلاع میں مذکور ہے کہ قیامِ مصر کے دوران میں ایک سال کے اندر اندر اس کے پانچ لڑکے طاعون کی نذر ہو گئے۔ یہ بیان حقیقتِ واقعی کے لحاظ سے غالبًا درست ہے، لیکن ممکن ہے اسے اس کی پہلی نظم کے ابتدائی اشعار سے تیار کر لیا گیا ہو۔

عرب کے نقّاد ابو ذؤَیب کو اس کے اپنے قبیلے کا مقدّم ترین شاعر تسلیم کرتے ہیں، جسے عصرِ حاضر کا ہر مطالعہ کرنے والا بلا تأمّل مان لے گا۔ اپنے قصائد کی چُست بندش کے اعتبار سے وہ دورِ جاہلیت کے شعرا پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنے قصائد کی بندش میں جس احتیاط سے کام لیا ہے اس سے اس رجحان کا تسلسل ظاہر ہوتا ہے جس کا سراغ متقدم ہُذَلی شاعر ساعدہ بن جُؤَیّہ کے کلام میں پہلے سے موجود ہے۔ ابو ذُؤَیب اس شاعر کا راوی تھا اور یہ دونوں شاعر جنگلی شہد اور اسے جمع کرنے والے سے متعلّق مضامین بیان کرنے میں مشترک ہیں۔ وہ دونوں شہد کی مکھیوں اور شہد جمع کرنے والوں کے طریقِ کار کا گہری واقفیت اور صحت کے ساتھ ذکر کرنے میں خاص مسرّت محسوس کرتے ہیں، حالانکہ یہ خاص موضوع دراصل دیگر ہُذَلی شعرا کے ہاں بالکل مقبول نہیں۔ ساعدہ اور اس کے راوی کے کلام کی ایک اَور خصوصیّت یہ ہے کہ وہ بادلوں کے گھر کر آنے اور موسلا دھار مینہ برسانے کا نقشہ خاص انداز سے کھینچتے ہیں۔ ابو ذُؤَیب کے عاشقانہ کلام میں اس اسلوب کا ابتدائی خاکہ صاف صاف نظر آتا ہے جو آگے چل کر مدینے کے دبستانِ شعر کا مخصوص طرزِ نگارش بنا۔ اس کے کلام کی ایک اَور نمایاں خصوصیّت، جو مستقبل کے طریق کا پیش خیمہ نظر آتی ہے، اس کا وہ اندازِ بیان ہے جس میں وہ نسیب کو بڑھا کر ایک پورا قصیدہ بنا دیتا ہے (قب شمارہ ۲ و ۱۱، جہاں دیگر مضامین گویا 'نسیب' ہی کی لپیٹ میں آ گئے ہیں)۔ ابو ذُؤَیب اپنے اُستاد ساعدہ کی طرح ہتھیاروں اور شکار کے مناظر کا نقشہ کھینچنے کا بہت شائق ہے اور اس میں کمال دکھاتا ہے، لیکن گھوڑوں کی کیفیت لکھنے میں کمزور ہے (اَصْمَعی پہلے ہی اس طرف اشارہ کر چکا ہے)۔ اس کے محفوظ اشعار میں سے تقریبًا آدھے مراثی پر مشتمل ہیں، جن میں بے ثباتیِ عالم کے مستقل احساس کی ہلکی سی افسردگی ایک موزوں و مناسب پسِ منظر کا کام دیتی ہے۔ اس کا شاہکار، یعنی وہ مرثیہ جو اس نے اپنے بیٹوں کی موت پر لکھا ہے (دیوان کی پہلی نظم) فکر اور مزاجی کیفیت کی وحدت کا مظہر ہے۔ اس میں مرثیہ لکھنے کے موقع کو نوشتۂ تقدیر کے ناگزیر ہونے کے موضوع کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے اور اس کی تمثیل تین دلدوز مناظر سے کی گئی ہے۔ ازاں بعد آخری شعر میں اس مضمون کو کمال ایجاز کے ساتھ دہرا دیا گیا ہے۔ قدیم شاعری میں اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ملتی۔ [اس کے دیوان کا ایک حصّہ چھپ چکا ہے].

مآخذ: (۱) براکلمان (Brockelmann)، ۱: ۳۶ – ۳۷ و تکملہ، ۱: ۴۲؛ (۲) ابن قُتَیبہ: کتاب الشعر، ص ۴۱۳ – ۴۱۶؛ (۳) یاقوت: الارشاد، ۴: ۱۸۵ – ۱۸۸؛ (۴) الأغانی، ۶: ۵۸ – ۶۹؛ [(۵) السیوطی: شواھد المغنی، ص ۱۰؛ (۶) معاھد التنصیص، ۲: ۱۶۵؛ (۷) الآمدی: ص ۱۱۹؛ (۸) ابن الاَثیر: الکامل، ۳: ۳۵؛ (۹) التبریزی: ۲: ۱۴۱؛] (۱۰) J. Hell: *Der Diwan des Abu Du'aib*، ہنوور (Honover) ۱۹۲۶ء؛ (۱۱) E. Bräunlich: *Abu Du'aib- Studien*، در *Isl.*، ۱۹۲۹ء، ص ۱ – ۲۳؛ (۱۲) وہی مصنّف: *Versuch einer Literargeschichtlichen Betrachtungsweise altarabischer Poesien*، وہی مجلّہ، ص ۲۰۱ – ۲۶۹.

(G. E. VON GRÜNEBAUM)

✱ **ابو رِغال**: ایک اسطوری شخصیت، جس کے بارے میں دو سراسر مختلف روایات میں آسانی سے تمیز کی جا سکتی ہے۔ پہلی روایت یہ ہے کہ وہ طائف کے قبیلۂ ثَقیف کا ایک شخص تھا جس نے اَبرَہہ [رکّ بآن] کی مکّے کی جانب رہبری کی۔ وہ مُغَمّس [رکّ بآن] کے مقام پر فوت ہوا اور وہیں دفن کیا گیا۔ اس کی قبر پر پتھراؤ کرنا ایک عام رسم بن گئی (اس قسم کی رسم کے لیے رکّ بہ مادّۂ الجمرہ)۔ یہ حکایت بعض اوقات بنو ثقیف کی ہتک کرنے کے لیے بیان کی جاتی ہے اور اس کا اوّلین ذکر حسّان بن ثابت کے ایک شعر میں مل سکتا ہے (طبع Hirschfeld، ۱، lxii)، بشرطیکہ اس شعر میں بنو ثقیف کے مخالفین کی تحریف شامل نہ ہو۔ یہ بات کہ ابو رغال کی قبر پر کنکر مارنے کی رسم قدیم ہے جریر کے ایک شعر سے ثابت ہوتی

ہے، جس میں وہ کہتا ہے:

اِذَا مَاتَ الْفَرَزْدَقُ فَارْجُمُوْهُ
کَمَا تَرْمُوْنَ قَبْرَ اَبِی رِغَالِ

''جب فَرَزْدَق مرجائے تو اس کی قبر پر اسی طرح پتھر مارنا جس طرح کہ تم ابورغال کی قبر پر پتھر مارتے ہو''۔

دوسری روایت جو الطَبَری اور احمدؒ بن حنبل کے ہاں نہایت سادہ طریق سے بیان ہوئی ہے، یہ ہے کہ ابورغال قوم ثمود [رکّ بآن] کا وہ واحد شخص تھا جو ہلاکت سے بچ گیا۔ ثمود کی تباہی کے وقت وہ مکّے میں مقیم تھا اور اس جگہ کی حرمت کے باعث محفوظ رہا؛ تاہم مکّے سے نکلنے کے فورًا بعد فوت ہوگیا۔ [حضرت] رسول [اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم] جب اپنی فوج کے ساتھ الحِجر کے مقام سے گزر رہے تھے تو آپؐ نے یہ بات بیان فرمائی تھی۔ یہ روایت اپنی ابتدائی صورت میں بنو ثقیف سے ابورِغال کا کوئی تعلّق ظاہر نہیں کرتی تھی اور یہ خاص چیز اس روایت میں غالبًا پہلی روایت کے زیر اثر بعد میں داخل کر دی گئی ہوگی۔ الأغانی کی ایک حکایت میں ابورِغال کو طائف کا بادشاہ اور بنوثقیف کا جدِّ امجد بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں الجاحظ، ابن قُتَیبہ اور المسعُودی ایسے مصنّف ایک اَور روایت نقل کرتے ہیں، جس کا مدّعا بظاہر بنوثقیف کی صفائی پیش کرنا ہے، یعنی یہ کہ بنوثقیف ہی نے ابورِغال کو، جو ایک ظالم اور بے انصاف شخص تھا، قتل کیا تھا۔ متأخر مصنّفین نے دونوں روایتوں کو اَور بھی گڈمڈ کر دیا ہے۔ الدیار بکری نے ابورِغال کا نام زید بن مُخَلّف لکھا ہے [ابورغال کا ایک نام قسی بن منبہ بن النبیت بن یقدم بھی بتایا گیا ہے اور اسے اسطوری نہیں بلکہ ایک حقیقی شخص بیان کیا گیا ہے، جو حدود ۵۰ ق ھ/ ۵۷۵ء میں فوت ہوا ــ الزِرِکْلی، طبع دوم، ۶: ۴۱]۔

مآخذ: (۱) الجُمَحی: طبقات، ص ۶۹؛ (۲) ابن ہشام، ۱: ۳۲؛ (۳) ابن قُتَیبہ: المعارف، ص ۴۴؛ (۴) الجاحظ: الحَیَوان، قاہرہ ۱۹۰۶ء، ۶: ۴۷؛ (۵) الطّبری: ۱: ۲۵۰-۲۵۱، ۹۳۷؛ (۶) المسعُودی: مُرُوج، ۳: ۱۵۹ - ۱۶۱، ۲۶۱؛ (۷) الأَزْرَقِی (طبع Wüstenfeld)، ص ۹۳، ۳۶۲؛ (۸) الأغانی، ۴: ۷۴-۷۶ و ۱۵: ۱۳۱؛ (۹) الثَّعلبی: قِصَص، قاہرہ ۱۳۴۷ھ، ص ۵۰، ۳۰۸؛ (۱۰) یاقوت، ۲: ۹۳۷ و ۳: ۸۱۶ و ۴: ۵۸۳؛ (۱۱) ابن الأثیر، ۱: ۶۶، ۳۲۱؛ (۱۲) الدیار بکری: الخمیس، قاہرہ ۱۲۸۳ھ، ص ۱۸۸؛ (۱۳) قزوینی (طبع Wüstenfeld)، ۲: ۷۳؛ (۱۴) تاج العروس و (۱۵) لسان العرب، بذیل مادّہ رغ ل؛ [(۱۶) نزھة الجلیس، ۲: ۲۴۸؛ (۱۷) ثمار القلوب، ص ۱۰۶؛ (۱۸) تفاسیر القرآن، تحت تفسیر سورہ ۱۰۵ (الفیل)]۔

(S. A. BONEBAKKER)

---

* **ابوزَکَرِیّا الوَرجلانی**: یحیٰی بن ابی بکر، المغرب کے اباضیہ کا مؤرّخ، اباضی وقائع نویس الدَرجینی (ساتویں صدی ہجری/تیرھویں صدی عیسوی) اور الشّمّاخی (م ۹۲۸ھ/ ۱۵۲۲ء) جنھوں نے اپنی تالیفات کی بنیاد ابوزکریا کی تاریخ پر رکھی ہے، اس کے بارے میں بہت کم معلومات دیتے ہیں اور اُنھوں نے اس کی ولادت اور وفات کی تاریخ بھی نہیں لکھی۔ الدرجینی سے بہرحال اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ وَرجلان (Ouargla) کا باشندہ تھا اور اس نے وادی ریغ (Oued Righ) میں اِباضی شیخ ابو الرَّبیع سلیمان بن اِخْلَف المَزاتی (م ۴۷۱ھ/ ۱۰۷۸-۱۰۷۹ء) سے تعلیم حاصل کی تھی۔ گویا ابوزکریا کی تاریخ ضرور پانچویں صدی ہجری/گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر یا چھٹی صدی ہجری/بارھویں صدی عیسوی کے اوائل میں لکھی گئی ہوگی۔ وَرجلان کے اباضیہ کی روایت کے مطابق ابوزکریا نے اسی جگہ وفات پائی اور وہیں یا شاید اس کے قریب سَدْراتہ کے نخلستان میں دفن ہوا۔

ابوزکریا کی تاریخ السیرة و اخبار الائمة المغرب کے اِباضیہ کے تاریخی حالات کے بارے میں وہ قدیم ترین کتاب ہے جو خود اس فرقے کے ایک رکن نے لکھی۔ اس کتاب میں المغرب میں اباضی عقیدے کی ابتدا اور ارتقا، آلِ رستم کی تاریخ، ان کے زوال اور فاطمیوں کے مقابلے میں اباضیوں کی جد و جہد، نیز مصنّف کے عہد تک مشہور اباضی شیوخ کے سوانح حیات کے بارے میں گراں قدر معلومات درج ہیں۔ یہ کتاب جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی، دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مخطوطات، جو زیادہ تعداد میں نہیں ہیں، عمومًا عصرِ حاضر کے نقل شدہ ہیں اور دوسرے حصّے کے قلمی نسخے خاص طور پر کمیاب اور ناقص ہیں۔ ماسکرے (E. Masquery: *Chronique d' Abou Zakaria*)، الجزائر (۱۸۷۸ء) نے اس کے اہم ترین حصّے کا معمولی سا ترجمہ ایک بہت ہی خراب مخطوطے کے مطابق شائع کیا ہے۔ دِموتِلنسکی (A. de. Motylinski) نے اس کتاب کی ایک فہرست مضامین پیش کی ہے۔

البرّادی نے اِباضیہ کی کتابوں کی جو فہرست تیار کی ہے (حدود ۷۷۵ھ/ ۱۳۷۳-۱۳۷۴ء) اس کے مطابق ابوزکریا نے مراسلے اور عقائد دینی کے متعلّق فتاوٰی بھی لکھے تھے۔

مآخذ: (۱) الشّمّاخی: سِیَر، قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ص ۴۲۷ - ۴۲۸ و مواضع کثیرہ؛ (۲) الدرجینی، طبقات المشائخ (بصورت مخطوطہ)؛ (۳) الکُتُبی: فوات، قاہرہ ۱۲۸۳ھ، ۲: ۴۰۰ ببعد؛ (۴) A. de Motylinski: *Bibliographie du Mzab*، در *Bull. de Corr Afr.*، ۱۸۸۵ء، ص ۲۷، ۳۶ - ۳۸، ۳۹، ۴۲؛ (۵) R. Basset: *Les sanctuaires du Djebel Nefousa*، در *JA*، ۱۸۹۹ء، ۱: ۴۲۴ - ۴۲۵؛ (۶) ابوزکریا کی تاریخ کا ایک تصحیح شدہ متن اور اس کا نیا ترجمہ، از Dalet و R. Le Tourneau، زیرِ طبع ہے؛ [(۷) براکلمان، ۱: ۳۳۶]۔

(T. LEWICKI و A. DE MOTYLINSKI)

---

* **ابو زَکَرِیّا الجَناوُنی**: یحیٰی بن الخیر، جَبَل نَفُوسہ کا ایک اِباضی عالم، جو اِجناوُن کا رہنے والا تھا (جسے آج کل جنّاون (Djennauen) کہتے ہیں اور

جوجبلِ نَفُوسہ کے مشرقی حصّے میں جادو کے پاس واقع ہے (قبّ J. Despois: *La Djebel Nefousa*، پیرس ۱۹۳۵ء، ص ۲۱۳ و مواضع کثیرہ)۔ الشّماخی چھٹی صدی ہجری/ بارھویں صدی عیسوی کے مشاہیر میں اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ جَبَل نفوسہ کے ایک اَور اِباضی عالم ابوالخیر تُوزِین الجناوُنی کا پوتا تھا، جو شیخ ابوالخیر تُوزِین الزوَاغی کا معاصر گزرا ہے۔ مؤخّر الذکر نے زِیری خاندان کے حکمران المُعِزّ بن بادِیس کے عہد (۴۰۶-۴۵۴ھ/ ۱۰۱۶-۱۰۶۲ء — دیکھیے الشّماخی: السِیَر، ص ۳۳۵-۳۳۹) میں زندگی گزاری تھی۔ اس لیے ابوزکریا کے لیے غالبًا چھٹی صدی ہجری/ بارھویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل کا دور معیّن کیا جاسکتا ہے۔ اس نے (جبل نفوسہ میں) اِبْنَاین کی مسجد میں شیخ ابوالرَّبیع سلیمان بن ابی ہارُون سے تعلیم حاصل کی اور اپنی وسعت علمی اور اپنی تصانیف کی وجہ سے، جو بیشتر فقہی اصول کے متعلّق تھیں، اِباضی ادبیات میں شہرت حاصل کی۔ البرّادی نے اِباضی کتابوں کی فہرست میں، جو ۷۷۵ھ/ ۱۳۷۳-۱۳۷۴ء کے تھوڑے عرصے بعد تیار کی گئی تھی، کتاب کا نام دیے بغیر ابوزکریّا کی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ کتاب سات حِصّوں میں حسبِ ذیل مضامین پر مشتمل تھی: روزہ، نکاح و طلاق، وصایا، نفقات، فتاوٰی، شفعہ اور کفالت۔ کتاب الصَّوم کے قلمی نسخے کا عکس قاہرہ میں ۱۳۱۰ھ میں چھپ چکا ہے اور نکاح و طلاق کے متعلّق کتاب النکاح مصر میں شائع ہوچکی ہے، جس پر محمد ابوسِتّۃ القَصَبی کے حواشی درج ہیں۔ دیگر حصّے شائع نہیں ہوے۔ ابوزکریا نے اللَمْع (یا الوَضْع) بھی لکھی، جو ۱۳۰۵ھ میں قاہرہ میں چھپ چکی ہے (اس پر بھی محمد ابوسِتّۃ القَصَبی کے حواشی ہیں)۔ اس کتاب میں عقائد (ص ۱-۱۱۶) اور رسومِ شرعیہ یعنی وضو، طہارت، نماز، صَدَقات، حج وغیرہ (ص ۱۱۷-۲۹۲) کا بیان ہے۔

مآخذ: (۱) الشّماخی: سِیَر، قاہرہ ۱۳۰۱ھ، ص ۵۳۵-۵۳۷؛ (۲) A. de Motylinski: *Bibliographie du Mzab*، در *Bull. de Corr. Afr.*، ۱۸۸۵ء، ص ۲۲؛ (۳) وہی مصنّف: *La Djebel Nefousa*، پیرس ۱۸۹۹ء، ص ۸۹، حاشیہ ۱؛ (۴) R. Basset: *Les sanctuaires du Djebel Nefousa*، در *JA*، ۱۸۹۹ء، ۲: ۹۸.

(T. Lewicki و A. de Motylinski)

---

* **ابوزَکرِیّا ابن خلدون:** [یحیٰی بن محمد] رکّ بہ ابن خلدون.

---

* **ابوزَیْد:** بنوہلال کا ایک اساطیری بطل۔ بنوہلال کے افسانوں کے سلسلے میں اسے بلادالسَّرْو کے حکمران رزق اور شریف مکّہ کی بیٹی خضراء کا بیٹا کہا گیا ہے۔ وہ سیاہ فام تھا اور اس کا اصلی نام بَرَکات تھا۔ عرب میں مختلف پُرخطر واقعات سے گزرنے کے بعد وہ اپنی قوم کے ساتھ المغرب کو جاتا ہے، جہاں اسے ان افسانوں کا ایک اَور اہم کردار دِیاب (یا ذِئاب) دھوکے سے قتل کردیتا ہے، مگر بعدازاں اس کے انتقام میں دیاب بھی مارا جاتا ہے۔ ابھی تک کوئی ایسی تحریری شہادت دستیاب نہیں ہوئی جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ ابوزید کوئی تاریخی شخص تھا۔

تفصیلات اور مآخذ کے لیے رکّ بہ مادّۂ ہلال.

---

* **ابوزید:** رکّ بہ البلخی.

---

* **ابوزید:** رکّ بہ الحَرِیری.

---

* **ابوزَیْد الاَنْصارِی:** سعید بن اَوس، دبستان بصرہ کا ایک عرب نحوی اور لغت نویس، جو مدینے کے قبیلۂ خَزْرَج سے تعلّق رکھتا تھا۔ وہ ابوعمرو ابن العلاء [رکّ بآن] کا شاگرد اور بصرے کے اُن معدودے چند آدمیوں میں سے تھا جو کُوفے گئے۔ کوفے میں اس نے اَلمُفَضَّل الضَّبّی [رکّ بآن] سے شعر و سخن کے اس مواد کا بیشتر حصّہ جمع کیا جو اس نے اپنی کتاب النَوادِر میں استعمال کیا ہے۔ خلیفہ المہدی نے اسے بغداد آنے کی دعوت دی تھی۔ [وہ ۱۲۲ھ/ ۷۴۰ء یا ۱۱۹ھ/ ۷۳۷ء میں پیدا اور بصرے میں] ۲۱۴-۲۱۵ھ/ ۸۳۰-۸۳۱ء میں فوت ہوا۔ وہ ابوعُبَیدہ اور الاَصْمَعی کا ہم عصر تھا اور علم نحو میں اُن سے برتر خیال کیا جاتا ہے، لیکن اس کے متعدّد رسائل میں سے صرف دو [چار] رسالے محفوظ ہیں: ایک کتاب المطَر، جس میں بارش کے متعلّق عربی تعبیرات و الفاظ جمع کردیے گئے ہیں (طبع R. Gottheil، در *JAOS*، ۱۶: ۲۸۲-۳۱۲ [نیویارک ۱۸۹۵ء]، طبع شیخو (L. Cheikho)، در مشرق، ۱۹۰۵ء)؛ دوسرا النوادر فی اللُغۃ، جو شاذ نظموں اور جملوں کا مجموعہ ہے۔ اس تصنیف کو اُس کے شاگردوں ابوحاتم السجستانی اور ابوالحسن الاَخْفَش نے روایت کیا۔ اسے سعید شرتُونی (بیروت ۱۸۹۴ء) نے شائع کردیا ہے۔ علی بن حَمْزہ البصری نے ایک کتاب بعنوان التنبیہ علٰی اغلاط ابی زید فی نوادرہ لکھی ہے (قبّ البغدادی: خزانۃ، ۴: ۳۹؛ Th. Nöldeke، در *ZDMG*، ۱۸۹۵ء، ص ۳۱۸ بعد؛ H. L. Fleischer: *Kleinere Schriften*، ۳: ۴۷۱ بعد)؛ [تیسرا کتاب اللبا و اللبن، طبع شیخو و ہفنر، مطبوعۂ بیروت؛ چوتھا کتاب الھمز، طبع شیخو، مطبوعۂ بیروت].

مآخذ: (۱) ابن قتیبہ: کتاب المعارف، ص ۲۷۰؛ (۲) الأنباری: نزہۃ الالِبّاء، ص ۱۷۳-۱۷۹؛ (۳) زُبیدی: طبقات (طبع Krenkow)، در *RSO*، ۱۹۱۹ء، ص ۱۴۱؛ (۴) السیرافی: اخبار النّحویین طبع (Krenkow)، ص ۵۲-۵۷؛ (۵) ابن خلّکان: وفیات، شمارہ ۲۶۲؛ (۶) فلُوگل (G. Flügel): *Die gram. Schulen*، ص ۷۰ بعد؛ (۷) براکلمان (Brockelmann): تکملہ، ۱: ۱۶۲؛ (۸) جمہرۃ الانساب، ص ۳۵۲؛ (۹) انباہ الرواۃ، ۲: ۳۰ بعد؛ (۱۰) تأریخ بغداد، ۹: ۷۷-۸۰].

(براکلمان C. Brockelmann)

---

* **ابو زیّان اوّل:** محمد بن ابی سعید عثمان بن یَغْمُراسن، خاندان عبدالواد کا تیسرا حکمران، [جو ۶۵۹ھ/۱۲۶۱ء میں پیدا ہوا۔] اس کی بادشاہت کا اعلان ۲ ذوالقعدہ ۷۰۳ھ/۶ جون ۱۳۰۴ء کو تِلِمْسان میں ہوا۔ اس نے اپنے دارالحکومت سے مرینی افواج کا محاصرہ اُٹھا دینے میں کامیابی حاصل کی۔ ازاں بعد اس نے اپنی مملکت کے مشرقی علاقوں کے قبائل کی سرزنش کی، جنھوں نے دشمن کو مدد دی تھی، تُوجِین بربروں کو اطاعت قبول کرنے اور خراج دینے پر مجبور کیا۔ عرب قبائل کی بُری طرح خبر لی اور انھیں پھر صحرا کی طرف بھگا دیا۔ تلمسان میں واپس آنے کے بعد اس نے ان نقصانات کی تلافی میں کمالِ انہماک دکھایا جو شہر کو محاصرے کے دوران میں پہنچے تھے، لیکن اس کے بعد وہ جلد ہی ۲۱ شوال ۷۰۷ھ/ ۱۴ اپریل ۱۳۰۸ء کو فوت ہو گیا۔

مآخذ: دیکھیے بذیل مادّۂ عبدالواد.

(A .COUR)

----

* **ابو زیّان ثانی:** محمد بن ابی حمّو ثانی، خاندان عبدالواد کا ایک حکمران۔ اپنے باپ کی زندگی میں وہ الجزائر کا والی تھا اور باپ کی وفات پر اس نے حکومت حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اس نے مرینی سلطان ابوالعبّاس احمد کے ہاں جا کر پناہ لی، جس نے تِلِمْسان پر چڑھائی کی اور ابو زیّان کے لیے محرّم ۷۹۶ھ/نومبر۔دسمبر ۱۳۹۳ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کا امکان پیدا کر دیا۔ وہ مَرینی سلاطین کا وفادار باجگزار رہا اور ادیبوں اور شاعروں کا سرپرست تھا۔ اس کے بھائی ابو محمد عبداللہ نے اسے تخت سے بے دخل کر دیا اور اس کے بعد ۸۰۱ھ/ ۱۳۹۸ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔

مآخذ: دیکھیے بذیل مادّۂ عبدالواد.

(A. COUR)

----

* **ابو زیّان ثالث:** احمد بن ابی محمد عبداللہ، تلمسان کے خاندان عبدالواد کا فرمانروا، جو آخری حکمران سے پہلے گزرا ہے۔ الجزائر کے ترکوں کی مدد سے اس نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور ۹۴۷ھ/ ۱۵۴۰ء میں اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ وَہْران (Oran) کے ہسپانویوں نے، جو اس کے بھائی ابو عبداللہ محمد کے طرفدار تھے، [Don Alfanso de Martiviz کی قیادت میں] تِلِمْسان پر چڑھائی کی، لیکن شکست کھائی (۹۴۹ھ/ ۱۵۴۳ء)؛ مگر ہسپانویوں کی دوسری فاتحانہ مہم سے ابو عبداللہ محمد کے لیے اقتدار شاہی کا حصول ناممکن ہو گیا (۳۰ ذوالقعدہ ۹۴۹ھ/ ۷ مارچ ۱۵۴۳ء)، تاہم اس کی اپنی رعایا نے اُسے جلد ہی باہر نکال دیا اور ابو زیّان کو پھر تخت پر بٹھا دیا۔ ابو زیّان نے خود کو ترکوں کا باجگزار قرار دیا اور اپنی وفات یعنی ۹۵۷ھ/ ۱۵۵۰ء تک برسرِ حکومت رہا۔

مآخذ: (۱) Marmol Caravajal: *Description Générale de l' Afrique*، (ترجمہ فرانسیسی از Perrot d' Ablancourt)، پیرس ۱۶۶۷ء، ۲: ۳۴۵ ببعد؛ (۲) Haedo: *Epitome de los reyes de Argel*، ترجمہ فرانسیسی از Grammont، در *RAfr.*، ۲۴: ۲۳۱ ببعد؛ (۳) Fey: *Hist. d' Oran*، ص ۸۵ ببعد؛ (۴) Sander-Rang و Denis: *Fondation de la régence d' Alger*، پیرس ۱۸۴۳ء؛ (۵) Barges: *Complé-ment de l' Histoire des Beni Zeiyan*، ص ۴۴۹ ببعد؛ (۶) Ruff: *Domi- nation espagnole a Oran sous le gouverne-ment du comte d' Alcaudete*، پیرس ۱۹۰۰ء، ص ۹۰ ببعد؛ (۷) Cour: *L'Etablissement des dynasties des Chérifs au Maroc*، پیرس ۱۹۰۰ء، ص ۸۴ ببعد.

(A. COUR)

----

* **ابو زیّان:** رَکْ بہ (بنو) مرین.

----

* **ابو السّاج دِیُو داد:** (دِیْوْ داذ) بن دِیُو دَست، خاندان ابو ساج کا بانی، جو اُشْرُوسَنَہ کے ایک شریف ایرانی خاندان کا فرد تھا اور وہاں کے حکمران الأفْشِین [رَکْ بآں] حَیدر (خَیذَر) بن کاوس کا قرابت دار تھا، جس کے زیرِ قیادت اس نے اس مہم میں حصّہ لیا جو بابَک کے خلاف بھیجی گئی تھی (۲۲۱۔۲۲۲ھ/ ۸۳۶۔۸۳۷ء)۔ ۲۲۴ھ/ ۸۳۹ء میں اس نے الافشین کے باغی نائب مَنْکَجُور کے مقابلے میں آذربیجان کی طرف لشکرکشی کی۔ ۲۴۲ھ/ ۸۵۶ء میں یا ۲۴۴ھ/ ۸۵۸ء میں (دیکھیے الطبری، ۳: ۱۴۳۶) خلیفہ المتوکّل نے اسے شاہراہِ مکّہ کا حاکم مقرر کیا اور وہ اس منصب پر ۲۵۱ھ/ ۸۶۵ء تک، جب کہ المستعین اور المعتزّ کے درمیان جنگ چھڑ گئی، فائز رہا۔ ۲۵۲ھ/ ۸۶۶ء میں وہ اپنے سات سو سواروں کی فوج لے کر بغداد میں المستعین کے ساتھ جا ملا، جس نے اسے المدائن کے مورچے کو کمک پہنچانے اور جنوب مشرق میں ترکوں کی غارت گر فوجوں سے لڑنے پر مامور کیا۔ قیامِ امن کے بعد پہلے اسے السواد میں دریاے فرات کے اضلاع کے محاصل جمع کرنے پر لگا یا گیا اور بعد میں اسے پھر شاہراہِ مکّہ کی حفاظت اور کوفے کی حکومت کا کام تفویض کر دیا گیا، جہاں اس کا نائب ایک چال سے ابو احمد محمد بن جعفر علوی کو، جس نے عَلَمِ بغاوت بلند کر رکھا تھا، گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ (بیان کیا جاتا ہے کہ) بعد ازاں وہ شاہراہ خراسان پر مامور کیا گیا اور ۲۵۴ھ/ ۸۶۸ء میں شمالی شام اور عواصم کی حکومت میں اسے حلب میں صالح بن واصف کا نائب بنایا گیا، مگر ایک یا دو سال کے بعد احمد بن عیسٰی بن شیخ نے اسے وہاں سے نکال دیا۔ ۲۶۱ھ/ ۸۷۴۔۸۷۵ء میں وہ الاہواز میں والی مامور ہوا، جہاں تھوڑے عرصے کے بعد اس کی افواج نے زِنْج [رَکْ بآں] کے ہاتھوں شکست کھائی اور الاہواز تاراج ہوا۔ اگلے سال الموفّق اور یعقوب بن لَیث

الصفّار کے درمیان فیصلہ کُن جنگ سے کچھ پہلے وہ یعقوب سے جاملا اور اس کی شکست کا حصّہ دار بنا اور اپنی جاگیر سے محروم کردیا گیا۔ اس نے ۲۶۶ھ/ ۸۷۹۔ ۸۸۰ء میں صفّاریوں کے مخیّم سے واپس آتے ہوئے جُندِی سابُور کے مقام پر وفات پائی۔

ابوالسّاج تاریخ میں بے قاعدہ رسالے کی ایک مختصر جمعیت (اصحاب ابی السّاج) کے ایسے قائد کے طور پر نمودار ہوتا ہے جس کے تعلّقات سامرّا کی مرکزی حکومت کے ساتھ غیر معیّن سے تھے اور اسے سرحدوں پر مختلف نوعیت کے کاموں پر لگا دیا جاتا تھا، جہاں متحرک فوج کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کا بیٹا محمد الاَفشین، جو الموفّق کی ملازمت میں رہا، باپ کی وفات کے سال شاہراہِ مکّہ پر مامور ہوا اور اس کے رسالے کی سرداری کا وارث ہوا۔ اس خاندان کی مزید تاریخ کے لیے رکّ بہ مادّۂ ابوالساج [آل].

مآخذ: (۱) الطَبَری، ج ۳: اشاریہ؛ (۲) ابن الاَثیر، ۷: ۵۵، ۱۰۰ - ۱۰۴، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۲۷ (مصر کی جگہ مُضَر پڑھیے)، ۱۹۰، ۲۰۰ - ۲۰۲، ۲۳۱، ۲۵۳، ۲۶۰؛ (۳) ابن العدیم: تأریخ حَلَب (طبع دہّان)، ۱: ۷۴؛ (۴) Defrémery: *Mémoire sur la famille des Sadjides*، در JA، (مئی) ۱۸۴۷ء، ص ۴۰۹ - ۴۱۳۔

(H. A. R. GIBB)

---

* **ابوالسّاج [آل]:** ایک خاندان، جو اپنے بانی ابوالسّاج [رکّ بآن] کے نام پر آل ابی السّاج کہلاتا ہے۔ یہ خاندان خلفاے عبّاسیہ کی براے نام ماتحتی میں تیسری صدی ہجری/ نویں صدی عیسوی کے آخر اور چوتھی/ دسویں صدی کے آغاز میں حکمران تھا۔ اس کے پانچ حکمران ہوئے:

(۱) ابوالسّاج دیُوداد بن یوسف دیُودَسْت، رکّ بہ مقالہ، ابوالسّاج۔

فارسی میں دیوداد کے معنی ہیں ''شیطان کا دیا ہوا'' اور دیودست اسے کہتے ہیں ''جس کے ہاتھ شیطان کے سے ہوں''۔ [لفظ دیو سے اسم مکبّر بھی بنایا جاتا ہے اس طرح دیودست کے معنی بڑے بڑے ہاتھوں والا ہوں گے۔] (ان ناموں میں) یاے معروف اور یاے مجہول کے باہم بدل جانے سے ایک قدیم تر تلفظ دیوداد اور دیودست (ہر دو بہ یاے مجہول) کا پتا چلتا ہے۔

(۲) اس کے بیٹے محمد الاَفْشِین ابوعُبَید نے زنگی سردار کے نائب ابوالمغیرہ عیسٰی بن محمد المَخزُومی سے ۲۶۶ھ/ ۸۸۰ء میں مکّہ چھین لیا۔ اس کے تین سال بعد اس نے جدّے پر حملہ کیا اور المخزومی کے مال و زر اور اسلحہ سے بھرے ہوئے دو جہازوں پر قبضہ کرلیا۔ اسے الاَنبار، طریق الفُرات اور رَحبہ کا والی بنا دیا گیا۔ احمد بن طولون [رکّ بآن] کی وفات پر اس نے اسحٰق بن کُنداجِق کے ساتھ مل کر ۲۷۰ھ/ ۸۸۳۔ ۸۸۴ء میں شام کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ اس مہم میں خلیفہ کے لشکر نے ان کی معاونت کی، جس نے الشَّیْزَر کے مقام پر مصری فوجوں کو ہزیمت دی تھی، لیکن جنگ طَواحِین میں اس وجہ سے شکست کھائی تھی کہ دشمن نے ایک کمین گاہ سے اس پر اچانک حملہ کردیا تھا۔ اسحٰق بن کنداجق سے بگاڑ کے بعد محمد نے خُمارَوَیہ سے رجوع کیا اور اپنے سابق حلیف (کنداجق) کو دریاے فرات پر شکست دے کر موصل فتح کرلیا۔ ۲۷۴ھ/ ۸۸۸ء میں مصریوں سے اس کی اَن بَن ہوگئی۔ محرّم ۲۷۵ھ/ مئی۔ جون ۸۸۸ء میں دمشق کے قریب ایک جنگ میں اس نے شکست کھائی اور حمص، حلب اور الرَّقہ اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پھر وہ تکریت چلا گیا، لیکن کچھ عرصے بعد اس نے دوبارہ جنگ کا آغاز کیا اور موصل کے سامنے اسحٰق بن کنداجق کو، جو اس کا تعاقب کر رہا تھا، شکست دی۔

۲۷۶ھ/ ۸۸۹۔ ۸۹۰ء میں خلیفہ الموفّق نے اسے آذربیجان کا والی مقرّر کردیا۔ ۲۸۰ھ/ ۸۹۳ء میں اس نے عبداللہ بن حسن الہَمَذانی سے مراغہ چھین لیا اور خلیفہ نے اسے اَرمینیہ کے بغراتی خاندان کے بادشاہ سِمْپَد (Sempad) کے پاس ایک شاہی تاج اور دیگر تحائف دے کر بھیجا۔ ۲۸۴ھ/ ۸۹۷ء میں المعتضد کے خلاف اس نے مختصر سی بغاوت کی، مگر فوراً اطاعت اختیار کرلی اور اسے کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ اس نے قارص پر، جو سِمپَد کی عملداری میں تھا اور اس کے دارالسلطنت طوون پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد انھوں نے مصالحت کرلی۔ محمد الافشین طاعون کی بیماری سے یکم ربیع الاوّل ۲۸۸ھ/ مارچ ۹۰۱ء کو بَرْدَعَہ میں فوت ہوگیا۔

(۳) محمد الافشین کے بھائی یوسف نے اپنے بھتیجے (شمارہ ۲ کے بیٹے) دیوداد کو خلیفہ کے دربار میں چلے جانے پر مجبور کیا اور خود سِمپَد سے دوستانہ تعلّقات قائم کرکے اس کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ وہ کَکِگ اَرْدْزْ رُونی (Kakig Ardzruni) کا طرفدار بن گیا، کئی قلعوں پر قبضہ کرلیا، سِمپَد کو، جس نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے، موت کے گھاٹ اُتارا اور سامانی نصر بن احمد کے والی محمد بن علی سلوک سے رےّ، قزوین، زَنجان اور اَبہَر چھین لیے۔ اس نے ان فوجوں کو بھی شکست دی جو خلیفہ نے ۳۰۵ھ/ ۹۱۷۔ ۹۱۸ء میں اس کی سرکوبی کے لیے بھیجی تھیں، مگر اسے رےّ سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس نے مُونس کو، جو زنجان میں پناہ گزین تھا، ۳۰۷ھ/ ۹۱۹ء میں زک دی، لیکن مونس نے اَرْدَبِیل کے سامنے اس پر قابو پا کر اسے قید کرلیا۔ وہ اس سے نرمی سے پیش آیا اور اسے بغداد لے آیا۔ ۳۱۰ھ/ ۹۲۲ء میں اسے رہا کردیا گیا اور اسے دوبارہ رےّ اور آذربیجان کا والی مقرّر کیا گیا۔ خلیفہ نے اسے قرامطہ سے جنگ کرنے پر مامور کیا، لیکن اس نے شکست کھائی۔ وہ اپنی شجاعت کے باوجود پہلی ہی لڑائی میں قید کرلیا گیا اور تمام قیدیوں کے ساتھ اسے بھی قتل کردیا گیا۔

(۴) ذوالحجّہ ۳۱۵ھ/ فروری ۹۲۸ء میں محمد الاَفشین کے بیٹے ابوالمسافر فَتْح کو اس کے چچا کا عہدۂ ولایت ملا اور وہ تادمِ مرگ اس عہدے پر فائز رہا۔ اس کو شعبان ۳۱۷ھ/ ستمبر ۹۲۹ء میں اردبیل میں اس کے ایک غلام نے زہر دے دیا۔

(۵) اس کا بیٹا ابوالفرج خلفا [بنی عبّاس] کا سپہ سالار اور پہلے امیر الامراء ابن رائق کا دوست تھا۔

ماخذ: (۱) جمال الدین ابوالحسن علی ابن الغازی: اخبار الدول المنقطعة، عربی متن طبع فرایتاغ (Freytag)؛ (۲) *Locmani Fabulae*، بون ۱۸۲۳ء، ص ۳۴ بعد؛ (۳) الطبری، طبع دخویہ، ۳: ۱۲۲۲، ۱۵۹۴ بعد، ۱۸۸۸ بعد، ۲۰۲۵ بعد، ۲۱۸۶، ۲۱۹۵، ۲۲۰۳ بعد؛ (۴) عریب، طبع دخویہ، ص ۷۰ بعد، ۱۳۰ بعد، ۱۴۵؛ (۵) ابن الاثیر: الکامل، طبع ٹورن برگ (Tornberg)، ۷: ۵۵، ۱۰۰، ۱۹۰، ۲۰۰، ۲۷۹، ۲۹۵، ۳۲۸، ۳۵۱ و ۸: ۷۳ - ۷۶، ۱۰۵ بعد، ۱۲۴ - ۱۲۸؛ (۶) یوستی (F. Justi): *Irânische Namenbuch*، Marburg ۱۸۹۵ء، ص ۸۵، ۲۵۳؛ (۷) Weil: *Geschichte der Chalifen*، ۲: ۴۹۱؛ (۸) Defrémery: *Mémoire sur la famille des Sadjides*، در *JA*، سلسلہ ۴، ۹: ۴۰۹ بعد و ۱۰: ۳۹۶ بعد (۱۸۴۷ء).

(CL. HUART)

---

* **ابوالسَّرایا:** السَّری بن منصور الشَّیبانی، ایک شیعہ باغی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پہلے گدھے ہانکا کرتا تھا، پھر ڈاکو بن گیا۔ وہ اَرمینیہ میں یزید بن مَزْیَد الشَّیبانی کی ملازمت میں داخل ہوگیا اور خُرَّمِیّہ [رک بآن] سے جنگ کرنے پر مامور ہوا۔ بعدازاں وہ الامین اور المأمون کی باہمی خانہ جنگی کے دوران میں ہَرْثَمہ کے خلاف یزید مذکور کی ہراول فوج کا سردار مقرّر رہا، لیکن پھر یزید کو چھوڑ کر ہرثمہ سے جاملا۔ حج کے لیے مکّے جانے کی اجازت حاصل کرکے اس نے کھلم کُھلا بغاوت کا علَم بلند کر دیا اور اس فوج کو جو اس سے لڑنے کے لیے بھیجی گئی تھی شکست دے کر الرَّقّہ چلا گیا۔ یہاں اس نے محمد بن ابراہیم بن طباطبا [رک بآن] علَوی سے ملاقات کی اور انھیں کوفے جانے کی ترغیب دی اور خود بھی ۱۰ جمادی الاُخریٰ ۱۹۹ھ/ ۲۶ جون ۸۱۵ء کو ان کے ساتھ جاملا۔ تین ہفتے بعد اس نے اس فوج کو شکست دی جو الحسن بن سَہْل نے کوفے کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجی تھی اور اس سے اگلے دن یکم رجب/ ۱۵ فروری کو ابن طباطبا فوت ہوگئے۔ سُنّی راوی ابو السّرایا پر انھیں زہر دینے کا الزام لگاتے ہیں، لیکن شیعوں کی روایات اس الزام کی تائید نہیں کرتیں۔ ابن طباطبا کی جگہ ایک اَور علوی محمد بن محمد بن زید امام منتخب ہوے، لیکن حقیقی اقتدار کی باگ ڈور ابوالسّرایا کے ہاتھ میں رہی۔ اس نے کوفے میں درہم ضرب کرائے (*ZDMG*، ۱۸۶۸ء، ص ۷۰۴) اور واسِط، بصرہ، الاہواز، مکّہ وغیرہ کو سر کرنے کے لیے فوجی دستے بھیجے۔

اس کے بعد جب اس نے بغداد پر چڑھائی کی تو الحسن بن سہل ہرثمہ سے امداد کا طالب ہوا، جو اس وقت خراسان کو واپس جارہا تھا۔ ہرثمہ فی الفور لوٹا اور اس نے قصر ابن ہُبَیرہ پر ابوالسّرایا کو شکست دی (شوال/ مئی - جون) اور کوفے میں اُسے محصور کر لیا۔ چونکہ اہلِ کوفہ نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اس لیے ابو السّرایا آٹھ سو سواروں کے ساتھ بھاگ نکلا (۱۶ محرّم ۲۰۰ھ/ ۲۶ اگست ۸۱۵ء) اور سُوس کی طرف روانہ ہوگیا، لیکن وہاں اس نے خوزستان کے والی الحسن بن علی المأمونی کی فوج کے ہاتھوں شکست کھائی، خود زخمی ہوا اور اس کے پیرو منتشر ہوگئے۔ پھر اُس نے اپنے گھر رأس العین پہنچ جانے کی کوشش کی، لیکن حمّاد الکُنْدُغُش نے اسے جَلُولاء کے مقام پر جالیا اور گرفتار کرکے نہروان کے مقام پر الحسن بن سہل کے حوالے کر دیا۔ الحسن نے اس کا سر قلم کرا دیا (۱۰ ربیع الاوّل ۲۰۰ھ/ ۱۸ اکتوبر ۸۱۵ء) اور اس کی لاش بغداد کے پُل پر لٹکائی گئی۔

ماخذ: (۱) الطبری: ۳: ۹۷۶ بعد؛ (۲) ابن الاثیر، ۶: ۲۱۲ بعد، ۲۱۷ بعد؛ (۳) ابوالفرج: مقاتل الطالبیین، تہران ۱۳۰۷ھ، ص ۱۷۸ - ۱۹۳؛ (۴) F. Gabrieli: *Al-Ma'mūn e gli 'Alidi*، لائپزگ ۱۹۲۹ء، ص ۱۰ - ۲۳؛ (۵) بصرے میں اس کے نمائندے کی سرگرمیوں کے لیے قب Ch. Pellat: *Milieu Basrien*، پیرس ۱۹۵۳ء، ص ۱۹۸ - ۱۹۹.

(گِب H. A. R. GIBB)

---

* **ابوالسّرایا الحَمْدانی:** رک بہ بنوحَمْدان.

⊗ **ابو سَعْد:** عمید الدولہ محمد بن الحسن بن علی بن عبدالرحیم، بنو بُویہ کا ایک وزیر، جو ذوالقعدہ ۴۳۹ھ/ ۱۰۴۸ء میں جزیرۂ ابن عمر میں چھپّن سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اسے سب سے پہلے امیر جلال الدولہ ابوطاہر بن بہاء الدولہ (م ۴۳۵ھ) نے ۴۱۸ھ/ ۱۰۲۷ء میں وزیر مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد وہ متعدّد بار اس عہدے سے معزول ہوکر پھر وزیر مقرّر ہوتا رہا۔ کہتے ہیں وہ کم سے کم چھے دفعہ اس منصب پر سرفراز ہوا۔ وہ خوش گو شاعر بھی تھا۔

ماخذ: (۱) ابن الاثیر: الکامل، مصر ۱۳۰۱ھ، ۹: ۲۲۵؛ (۲) ابن کثیر: البدایة و النہایة، ۱۲: ۵۹؛ (۳) ابن خلدون: العبر، مصر ۱۲۸۴ھ، ۴: ۴۷۶؛ (۴) آ آ، لائڈن، طبع اوّل، ۱: ۱۰۳.

(عبدالمنّان عمر)

---

* **ابوالسُّعُود:** محمد بن محی الدین محمد بن العماد مصطفٰی العِمادی، معروف بہ خوجہ چلبی (Hoca Çelebi)، قرآن [پاک] کا ایک مشہور مفسّر، حنفی عالم اور شیخ الاسلام، جو [قسطنطنیہ کے قریب] ۱۷ صفر ۸۹۶ھ/ ۳۰ دسمبر ۱۴۹۰ء کو پیدا اور ۵ جُمادی الاُولیٰ ۹۸۲ھ/ ۲۳ اگست ۱۵۷۴ء کو فوت ہوا [اور حضرت ابوایوّب انصاریؓ کے مزار کے پاس دفن کیا گیا۔] اس کا والد، جو اِسْکِلِیپ (Iskilip) (اَماسیہ کے مغرب میں) کا باشندہ تھا، ایک ممتاز عالم اور صوفی تھا۔ [اس کی والدہ علی القوشجی کی بیٹی تھی۔] ابوالسعود نے اپنا دَور زندگی ایک مدرّس کی حیثیت سے شروع کیا۔ بالآخر اُسے ترقی پا کر سلطان محمد ثانی کے "آٹھ مدرسوں" میں سے ایک مدرسے میں جگہ مل گئی۔ ۹۳۹ھ/ ۱۵۳۳ء میں اسے بروسہ میں اور پھر استانبول میں قاضی بنایا گیا۔ ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ء میں وہ رومیلیہ کا قاضیِ عسکر مقرّر ہوا اور

۹۵۲ھ/ ۱۵۴۵ء میں سلطان سلیمان اوّل نے اسے مفتیِ اعظم یا شیخ الاسلام بنا دیا۔ وہ اپنی بقیہ زندگی میں سلطان سلیمان اور اس کے جانشین سلطان سلیم ثانی کے عہد میں اس عہدے پر فائز رہا۔ ابو السّعود اور سلطان سلیمان کے درمیان حقیقی دوستی تھی۔ سلطان سلیم کے زمانے میں اگرچہ وہ اپنے اس بلا شرکتِ غیرے اثر و رُسوخ کو برقرار نہ رکھ سکا، تاہم یہ سلطان بھی اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ صرف ایک الزام جو اس پر لگایا جاتا ہے یہ ہے کہ اسے جوڑ توڑ کرنے اور بڑے آدمیوں کے ساتھ ربط وضبط پیدا کرنے کا شوق تھا۔ سلیمان کے لیے اُس نے یزیدیوں کا قتل اور سلیم کے لیے وینس سے صلح کے معاہدے توڑ کر قبرص پر چڑھائی کرنے کو جائز قرار دیا۔ وہ استانبول کے محلۂ ابو ایوب میں دفن ہوا، جہاں اس کا مزار اب تک موجود ہے۔ جب الحرمین الشریفین میں اس کی وفات کی خبر پہنچی تو اس کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ سلیم ثانی، مراد ثالث اور محمد ثالث کے عہدِ حکومت میں اس کے متعدد شاگرد بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔

شیخ الاسلام کی حیثیت میں ابوالسعود سلطنت عثمانیہ کے قانون یعنی نظم و نسق کے ضابطے کو شریعت اسلام کے ساتھ تطبیق دینے میں کامیاب رہا۔ اس کام کو، جو محمد ثانی ہی کے عہد سے شروع ہو چکا تھا، اس نے سلیمان کی تائید سے پایۂ تکمیل و استحکام کو پہنچایا۔ اس نے جان بوجھ کر اور بلا قید و استثنا یہ اصول وضع کیا کہ قاضیوں کے اختیارات اس بات پر مبنی ہیں کہ سلطان انھیں مامور کرتا ہے، لہٰذا ان پر لازم ہے کہ احکامِ شرعیہ کے نفاذ و اطلاق میں وہ اس کی ہدایت کے مطابق چلیں۔ اس سے پہلے ہی قاضی عسکر کی حیثیت سے اس نے سلطان کے حکم سے یورپی صوبوں کے قوانین اراضی پر نظر ثانی کرنے اور انھیں اصولِ شریعت کے مطابق بنانے کا کام شروع کر دیا تھا۔ (اس نظر ثانی کے اثرات کے لیے دیکھیے P. Lemerle و P. Wittek: *Archives d' Histoire de droit oriental*، ۱۹۴۸ء، ص ۲۶۶ ببعد)۔ اس کے فتاوی، جن میں سے بعض اصلی حالت میں اب بھی موجود ہیں، نیم سرکاری اور نجی طور پر متعدّد مجموعوں میں جمع کر لیے گئے تھے۔ اپنے عام مقصد کے مطابق اس نے اموال منقولہ بالخصوص نقدی کے وقف اور درس و تدریس اور دوسرے وظائف دینی کا معاوضہ لینے اور دینے کو جائز قرار دینے (ان دو مسئلوں پر اُسے مناظرے بھی کرنے پڑے)، نیز قرہ گوز (Ḳaragöz) کے تماشے کی اجازت دینے میں بھی رواج کو مدّنظر رکھا اور اسی طرح قہوے کے استعمال کے خلاف فتویٰ صادر کرنے سے محترز رہنے میں بھی۔ وہ راسخ العقیدہ تصوّف کا قدر شناس تھا، تاہم اس نے انتہا پسند صوفیوں کے لیے قتل کی سزا کو جائز قرار دینے میں کبھی تامّل نہیں کیا۔

اپنے اوقاتِ فرصت میں ابوالسُّعود نے قرآن [پاک] کی تفسیر لکھی، جو زیادہ تر البَیضاوی اور الزّمخشری سے ماخوذ ہے اور جس کا نام ارشاد العقل السّلیم [الٰی مزایا الکتاب الکریم] ہے۔ یہ تفسیر سلطنت عثمانیہ کے اندر اور اس کی حدود سے باہر بہت مقبول ہوئی۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں اور متعدّد بار طبع ہوئی۔ اس کی دوسری مختصر تالیفات میں سے دعاؤں کی ایک کتاب قابلِ ذکر ہے، جس کی دعائیں حدیثوں سے ماخوذ اور حفظ کرنے کے لیے جمع کی گئی ہیں (دعا نامہ یا رسالۃ فی ادعیۃ المأثورۃ)۔ اس نے عربی، فارسی اور ترکی میں اشعار بھی کہے ہیں.

مآخذ: (۱) علی افندی مَنُوق (م ۹۹۲ھ/ ۱۵۸۴ء): العِقد المنظوم، قاہرہ ۱۳۱۰ھ (ابن خلّکان: وفیات، ج ۲ کے حاشیے پر)، ص ۲۸۲ ببعد؛ (۲) عطائی: ذیل شقائق، استانبول ۱۲۶۸ھ، ص ۱۸۳ ببعد؛ (۳) پچوی: تاریخ، استانبول ۱۲۸۱ھ، ۱: ۵۲ ببعد؛ (۴) ابن العماد: شذرات الذہب، ۸: ۳۹۸ ببعد؛ (۵) براکلمان (Brockelmann)، ۲: ۵۷۹ ببعد و تکملہ، ۲: ۶۵۱؛ (۶) M. Hartmann: در *Isl.*، ۱۹۱۸ء، ص ۳۱۳ ببعد (سلیمان کے قانون نامۂ جدید کی اشاعت پر، جس میں ابوالسُّعود کے فتاوی بھی شامل ہیں، نیز ابوالسُّعود کی معروضات، یعنی اس کے فتاوی، کے ایک اَور مجموعے پر دیکھیے ملی تتبعلر مجموعہ سی (*MTM*)، ۱: ۱ - ۲)؛ (۷) P. Horster: *Zur Anwendung des Islamischen Rechts im 16. Jahrhundert*، شٹُٹ گارٹ ۱۹۳۵ء (معروضات کی طبع ثانی اور اس کا ترجمہ)؛ (۸) Gibb: *Ottoman Poetry*، ۳: ۱۱۶؛ (۹) عُمر لُطفی برکن: ۱۵ و ۱۶ عَصِر لَرِدَہ عثمانلی امپر اطوار لغُنْدَہ ایکونومنگ حقوقی و مالی اساسلر، استانبول ۱۹۴۵ء؛ (۱۰) جاوید بیسون (M. Cavid Baysun)، در *IA*، ۴: ۹۲ ببعد؛ (۱۱) M. Tayyib Okiç، در آنقرہ یونیورستی سی الٰہیات فاکولتہ سی در گیسی (*Ankara Üniversitesi Ilâhiyat Fakültesi Dergisi*)، ۱: ۴۸ ببعد؛ (۱۲) Yasuf Ziya Yörükân: وہی کتاب، ص ۱۳۷ ببعد؛ (۱۳) Okiç: وہی کتاب، ۲: ۲۱۹ ببعد؛ [(۱۴) الباشات و القضاۃ فی دمشق، ص ۱۸؛ (۱۵) عبدالحی لکھنوی: الفوائد البہیۃ، طبع اوّل ۱۳۲۴ھ، ص ۸۱؛ (۱۶) العیدروسی احمد آبادی: النور السافر، طبع محمد رشید، بغداد ۱۹۳۴ء، ص ۲۳۹].

(شاخت J. SCHACHT)

---

* **ابوسَعِید:** الافلح بن عبدالوہّاب، رکّ بہ الرُستمیہ.

---

* **ابوسَعِید ایلخان:** رکّ بہ اِیلخانیہ.

---

* **ابوسَعِید:** بن محمد بن میران شاہ بن تیمور، تیموری خاندان کا ایک سلطان، جو پہلے الغ بیگ کے دربار میں رہتا تھا، مگر ۸۵۳ھ/ ۱۴۴۹ء میں جب وہ پچیس سال کا ہوا تو اس نے اُلغ بیگ کی خراب حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ماوراء النہر میں قسمت آزمائی شروع کی؛ چنانچہ اس نے پہلے سمرقند کا محاصرہ کیا (۱۴۴۹ء) اور ازاں بعد بخارا میں علمِ بغاوت بلند کیا (مئی ۱۴۵۰ء)، مگر دونوں

مرتبہ ناکام رہا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے یسی (ترکستان) کو سر کرلیا اور اس پر عبداللہ بن ابراہیم سلطان بن شاہ رخ کی افواج کے مقابلے میں قبضہ جمائے رکھا۔ جُمادی الاولیٰ ۸۵۵ھ/ جون ۱۴۵۱ء میں اس نے عبداللہ بن ابراہیم کو اوزبک خان ابوالخیر کی مدد سے سمرقند سے بھگا دیا۔ ۸۵۸ھ/ ۱۴۵۴ء کے موسمِ بہار میں ابوسعید نے دریاے سیحون (Oxus) کو عبور کرکے بلخ کا شہر لے لیا۔ خراسان کے حکمران ابوالقاسم بابُر نے ماوراءالنہر پر چڑھائی کی اور سمرقند کا محاصرہ کرلیا (اکتوبر۔نومبر)، جہاں مشہور نقشبندی شیخ عبیداللہ احرارؒ نے مقابلے کا انتظام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے ابوسعید کو اپنا دارالحکومت چھوڑ کر چلے جانے سے روکا تھا۔ بالآخر صلح ہوگئی اور ابوسعید دریاے سیحون کے دائیں کنارے پر قابض رہا۔ بابر کی وفات (ربیع الثانی ۸۶۱ھ/ مارچ ۱۴۵۷ء) تک ان دونوں امیروں کے تعلّقات مخلصانہ رہے۔

ازاں بعد ابوسعید نے ہرات لینے کی کوشش کی، جہاں ابراہیم بن علاء الدولہ بن بایسُنغُر اپنی بادشاہی کا اعلان کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ابوسعید نے محاصرہ (جولائی۔اگست ۱۴۵۷ء) اٹھالیا اور اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اس محاصرے کا اہم واقعہ گوہر شاد کا قتل ہے، جس پر ابراہیم کے ساتھ ساز باز کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ ابراہیم نے قرہ قویونلو جہاں شاہ کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ابوسعید سے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی (آغاز ۸۶۲ھ/ سرما ۱۴۵۷۔۱۴۵۸ء)؛ چنانچہ فریقین کے درمیان دفاعی اتحاد کا معاہدہ طے ہوگیا۔ جون ۱۴۵۸ء کے آخر میں جہان شاہ نے ہرات پر قبضہ جمالیا۔ ابوسعید نے، جو واقعات کی رفتار کا جائزہ لینے کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ دریاے مُرغاب پر مقیم تھا، یہ دیکھ کر کہ جہان شاہ مشکلات میں مبتلا ہے فائدہ اٹھایا اور بغیر جنگ کے ہرات پر قبضہ کرلیا (نومبر ۱۴۵۸ء) اور اس طرح خراسان کا مالک بن گیا، جس کی اُسے ہمیشہ سے تمنّا تھی۔ جمادی الاولیٰ ۸۶۳ھ/ مارچ ۱۴۵۹ء میں اس نے سَرَخس کے مقام پر تین تیموری شہزادوں، علاء الدولہ، ابراہیم بن علاء الدولہ اور سلطان سَنجَر کو شکست دی۔

۱۴۵۹ء کا سال خراسان کو مخالفت کی آلائشوں سے پاک کرنے میں گزرا۔ ۱۴۶۰ء میں ابوسعید نے مازَندَران پر قبضہ جمایا۔ اس کے عقب میں امیر خلیل نے سِیستان سے نکل کر ہرات کا محاصرہ کرلیا (موسمِ گرما ۱۴۶۰ء) اور جب سیستان میں امن وامان قائم ہوگیا (خزاں ۱۴۶۰ء) تو ابوسعید کو ماوراءالنہر کی ایک بغاوت سے نپٹنا پڑا (موسمِ سرما ۱۴۶۰ء)۔ سلطان حسین نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پھر مازندران پر قبضہ کرلیا اور ہرات کا محاصرہ کیا (ستمبر ۱۴۶۱ء)، لیکن ابوسعید نے اسی سال مازندران کو دوبارہ فتح کرلیا۔

ابوسعید کا اقتدار کہنے کو تو ماوراءالنہر، ترکستان (ایک طرف کاشغر اور دوسری طرف دشت قپچاق کی سرحدوں تک)، کابلستان، زابلستان، خراسان اور مازندران پر قائم تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ دریاے سیحون کے جنوب میں ازبکوں کی یورشیں روکنے میں بےبس تھا۔ ۱۴۵۴۔۱۴۵۵ء میں تیموری امیر اُوَیس بن محمد بن بایقرا نے ازبک سلطان ابوالخیر کی مدد سے اُترار میں بغاوت کردی تھی اور ابوسعید کو شکست فاش دی تھی۔ ۸۶۵ھ/ ۱۴۶۱ء میں محمد جُوکی بن عبداللطیف بن اُلغ بیگ نے ماوراءالنہر کو تاراج کرنے کے بعد شاہرُخیہ (تاشقند) میں پناہ لی۔ ابوسعید نے اس قلعے کا محاصرہ دس ماہ تک کیا (نومبر ۱۴۶۲ء۔ستمبر ۱۴۶۳ء)۔ ازبک ہر سال ماوراءالنہر میں تاخت وتاراج کرتے رہتے تھے۔ ادھر ۸۶۸ھ/ ۱۴۶۴ء میں سلطان حسین نے، جو خوارِزم میں پناہ گزین تھا، خراسان کو ابیورد اور مشہد سے لے کر تُون تک بےباکی سے تاراج کیا۔

شمال مشرقی سرحد پر ابوسعید زیادہ خوش قسمت ثابت ہوا؛ چنانچہ وہ اپنی سرحدوں پر مغلوں کے حملے کے خطرے کو ٹالے رکھنے میں کامیاب رہا۔ اپنے سمرقند کے دورِ حکمرانی میں وہ مغل خان اِیسَین بُغا کے دو حملوں کو پسپا کرچکا تھا۔ ۱۴۵۶ء میں اُس نے اِیسَین بُغا کے بڑے بھائی یونس کو مغلوں کا خان تسلیم کرلیا اور مغولستان کے مغربی حصّے میں اپنے قدم جمانے میں اسے کئی بار مدد دی۔ ۸۶۸ھ/ ۱۴۶۴ء میں یُونس نے ایک دفعہ پھر ابوسعید کے پاس پناہ لی اور ابوسعید نے اسے فوج مستعار دی۔

ابوسعید اگرچہ فی الواقع اچھے اوصاف رکھتا تھا، لیکن اس کی ستائش کرنے میں بہت کچھ مبالغے سے کام لیا گیا ہے اور اس کے عہدِ حکومت میں چنداں اثر انگیز رجحانات کا پتا نہیں چلتا۔ اس کی مصاحبت میں جو اعلیٰ ترک خاندان تھے ان میں سے قبیلۂ اَرغُون نے خاص امتیاز حاصل کرلیا، جو ابتدا ہی سے ابوسعید کا مددگار تھا اور جس کے سردار عہدوں اور شاہی عنایات سے سرفراز ہوتے رہے تھے۔ اپنے پیشروؤں کی طرح ابوسعید نے بھی اکثر اوقات اپنے بیٹوں کو جاگیریں (سُیُورغال) بخشنے کے رواج پر عمل کیا (سلطان محمود کو مازندران اور عمر شیخ کو فرغانہ وغیرہ)۔ اس کے علاوہ وہ مقامی رؤسا (سیستان) اور سربرآوردہ عمائد کو بھی، خواہ وہ ترک ہوں یا تاجیک، مذہبی اعیان سے ہوں یا مُلکی، اس قسم کی جاگیریں دیتا رہتا تھا۔ بارٹولڈ (Barthold) نے خواجہ احرارؒ [رک بآں] کے اہم کام کو، جو انھوں نے ابوسعید کے عہدِ حکومت میں سرانجام دیا، نمایاں کیا ہے۔ خواجہ احرارؒ سمرقند میں بلاشرکت غیرے صاحبِ اقتدار تھے اور ماوراءالنہر کے علما و شیوخ کے سرخیل تھے؛ چنانچہ ابوسعید نے مغرب کی طرف اپنی بڑی مہم شیخؒ ہی کے تائیدی مشورے سے اختیار کی تھی اور وہ اپنے آپ کو ان کا مرید کہتا تھا۔

ابوسعید نے زراعت میں جیسی دلچسپی لی وہ پندرھویں صدی عیسوی کے ایران کی ایک اَور امتیازی خصوصیت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابوسعید کو زراعت میں ذاتی طور پر دلچسپی تھی، چنانچہ اس نے کسانوں کی امداد کے لیے کئی تدبیریں اختیار کیں۔ ۸۷۰ھ/ ۱۴۶۵ء میں اس نے خواجہ احرارؒ کی فرمائش پر یہ حکم جاری کردیا کہ فصل تیار ہونے سے پہلے کسی حال میں بھی ایک تہائی سے زیادہ خراج وصول نہ کیا جائے اور خراج معمولاً تین قسطوں میں لیا جائے۔ سمرقند، بخارا اور ہرات میں ''تمغہ'' کا دستور منسوخ کردیا گیا یا اس کی مقدار کو کم کردیا گیا۔ ۸۷۰ھ/ ۱۴۶۶ء